# واقعات پڑھیے

اور

# عبرت لیجیے

افادات

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور
و خلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

مرتب محمد زبیر استاذ الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : واقعات پڑھیے اور عبرت لیجیے

افادات : حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور
وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

مرتب : محمد زبیر استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

صفحات : ۳۴۹

تاریخ طباعت : صفر المظفر ۱۴۳۷ھ مطابق نومبر ۲۰۱۵ء

ناشر : مکتبہ مسیح الامت دیوبند وبنگلور

موبائل نمبر : 09634307336 \ 09036701512

ای۔میل : maktabahmaseehulummat@gmail.com

# اجمالی فہرست


☆ ایمان ویقین کی حیرت انگیز طاقت وقوت

☆ ذکر وتلاوت کی حلاوت وطاقت

☆ معرفت ومحبتِ الٰہی

☆ محبت وعظمت کے خوبصورت نقوش

☆ ایثار وسخاوت میں اسلاف کی مسابقت

☆ شیطانی مکروفریب

☆ آئینۂ تصوف وسلوک

☆ ذوقِ عبادت ومجاہدہ

☆ فکرِ آخرت اور دنیا کی حقارت

☆ تقویٰ وطہارت اور خوف وخشیت

☆ عاجزی وتواضع ۔سلوک کا عظیم راستہ

☆ علم واہلِ علم کا مقام

☆ حسنِ معاشرت

☆ گناہوں کی نحوست ۔توبہ کی فضیلت

☆ لطائف

# فَهرَس



| صفحہ | عناوین | شمارہ |
| --- | --- | --- |
| ۲۴ | مقدمہ | ۱ |
| | **ایمان ویقین کی حیرت انگیز طاقت وقوت** | |
| ۲۸ | حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کی رستم سے گفتگو | ۲ |
| ۲۹ | حضرت علی رضی اللہ عنہ کا توکل علی اللہ | ۳ |
| ۳۰ | عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ ''افریقہ'' کے جنگل میں | ۴ |
| ۳۱ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیام دریائے ''نیل'' کے نام | ۵ |
| ۳۲ | سعد بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی ایمانی طاقت | ۶ |
| ۳۲ | حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ اور شیر کی بے بسی | ۷ |
| ۳۳ | شیر کا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرنا | ۸ |
| ۳۳ | رکانہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی | ۹ |
| ۳۴ | کسریٰ کا محل اور صحابہ کا محیر العقول کارنامہ | ۱۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۱ | حضرت علی رضی اللہ عنہ کا توکل واعتماد | ۳۶ |
| ۱۲ | ایک رومی سپہ سالار کا حیرت انگیز انکشاف | ۳۸ |
| ۱۳ | ''اندلس'' کی فتح اور اہلِ اسلام کا ایمان وتوکل | ۴۰ |
| ۱۴ | کنکریوں نے کلمہ پڑھا | ۴۳ |
| ۱۵ | بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے حضور میں | ۴۳ |
| ۱۶ | اللہ سے نہ مانگنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تنبیہ | ۴۴ |
| | **ذکر وتلاوت کی حلاوت وطاقت** | |
| ۱۷ | نزولِ قرآن پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت | ۴۸ |
| ۱۸ | قرآن کا اثر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر | ۵۰ |
| ۱۹ | تلاوتِ قرآن پر نزولِ ''سکینہ'' | ۵۰ |
| ۲۰ | حضرت رضی اللہ عنہ عمر پر قرآن کا اثر | ۵۱ |
| ۲۱ | سردارانِ قریش کی قرآن سے لذت اندوزی | ۵۲ |
| ۲۲ | نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر کی تلاوت | ۵۲ |
| ۲۳ | ایک بڑھیا کا قرآن سے عشق | ۵۳ |
| ۲۴ | آگ جلا نہیں سکی - ذکر اللہ کی برکت | ۵۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۵ | حجاج بن یوسف کی بے بسی | ۵۶ |
| ۲۶ | ذکراللہ سے معرفت ومحبت کا عکس دل پہ پڑتا ہے | ۵۹ |
| ۲۷ | جودل اللہ سے غافل ہو، وہ مردہ ہے | ۶۰ |
| ۲۸ | دعا کی برکت اور کفار کی بے بسی | ۶۱ |
| ۲۹ | ''آیۃ الکرسی'' کا کرشمہ | ۶۲ |
| ۳۰ | شیطان قریب نہیں آئے گا | ۶۳ |
| ۳۱ | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شیاطین کے ناکام حملے | ۶۳ |
| ۳۲ | حضرت عروہ رحمۃ اللہ پر قابو پانے سے شیاطین عاجز | ۶۵ |
| ۳۳ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شیطان کو کشتی میں پچھاڑ دیا | ۶۷ |
| ۳۴ | دعا میں وسیلہ | ۶۸ |
| ۳۵ | اللہ تعالیٰ کا ذکر خادم سے بہتر | ۶۹ |
| ۳۶ | امامِ حرم قاری سدیس کی والدہ کی بددعا | ۷۰ |
| | **معرفت ومحبتِ الٰہی** | |
| ۳۷ | معرفت سے ہی محبت پیدا ہوتی ہے۔ امام ربیعۃ الرائے اوران کے والد کی ملاقات | ۷۲ |
| ۳۸ | آخرت میں اللہ کی معرفت ہی کام آئے گی | ۷۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۹ | خوفِ الٰہی بھی معرفت کا نتیجہ ہے | ۷۸ |
| ۴۰ | میرے پاس سو جانیں ہوتیں؛ تو بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں قربان کر دیتا | ۷۹ |
| ۴۱ | حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے محبت | ۸۱ |
| ۴۲ | ایک بزرگ کا عشقِ الٰہی میں رونا | ۸۳ |
| ۴۳ | ایک عاشقِ خدا کا گریہ وبکا | ۸۴ |
| ۴۴ | ''اللہ'' اور ''غیر اللہ'' کی محبت کا اجتماع ناممکن ہے | ۸۴ |
| ۴۵ | مصائب سے بچنے کا انمول نسخہ- افلاطون کا سوال اور حضرت موسیٰؑ کا جواب | ۸۶ |
| ۴۶ | جب تو میرا؛ تو آسماں میرا، زمیں میری!! | ۸۷ |
| ۴۷ | جس کا خدا ایسا ہو، کیا وہ غیر اللہ کی طرف نظر کر سکتا ہے؟ | ۸۸ |
| ۴۸ | جدھر میرا مولیٰ، اُدھر شاہ دولہ!! | ۸۹ |
| ۴۹ | حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا صبر وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر | ۹۰ |
| ۵۰ | ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے | ۹۱ |
| ۵۱ | چوروں کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت؟ | ۹۳ |
| ۵۲ | اللہ ہر کام وقت پر کرتے ہیں | ۹۳ |
| ۵۳ | حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو دعائیں | ۹۴ |
| ۵۴ | اللہ تعالیٰ بندوں کو کب مقرب بناتے ہیں؟ | ۹۵ |

| | | |
|---|---|---|
| | محبت وعظمتِ رسول ﷺ کے خوبصورت نقوش | |
| ۵۵ | اسلام کے بعد صحابہ کی سب سے بڑی خوشی | ۹۸ |
| ۵۶ | عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر نمونہ | ۹۹ |
| ۵۷ | حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ | ۱۰۰ |
| ۵۸ | حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم | ۱۰۱ |
| ۵۹ | عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک لکڑی کا رونا | ۱۰۲ |
| ۶۰ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم | ۱۰۳ |
| ۶۱ | امام مالک رحمہ اللہ اور عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم | ۱۰۳ |
| ۶۲ | آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو تیر انداز جماعتوں کے درمیان | ۱۰۴ |
| ۶۳ | اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ | ۱۰۴ |
| ۶۴ | حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اور اطاعتِ رسول | ۱۰۶ |
| ۶۵ | حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا کمالِ اتباع | ۱۰۸ |
| ۶۶ | ایک صحابی کا حیرت انگیز جذبۂ اطاعت | ۱۰۹ |
| ۶۷ | حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کی ہجرت | ۱۱۰ |
| ۶۸ | محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضہ۔اطاعت | ۱۱۱ |

## ایثار وسخاوت میں اسلاف کی مسابقت



| | | |
|---|---|---|
| ۶۹ | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت | ۱۱۴ |
| ۷۰ | حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے مثال سخاوت | ۱۱۴ |
| ۷۱ | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک لاکھ اسی ہزار کی سخاوت | ۱۱۵ |
| ۷۲ | حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سخاوت | ۱۱۶ |
| ۷۳ | حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بے نظیر ایثار | ۱۱۷ |
| ۷۴ | ایک بکری کی سری، سات گھروں کا چکر، صحابہ کا انوکھا ایثار | ۱۱۸ |
| ۷۵ | نزع کی حالت میں پانی کا ایثار | ۱۱۸ |
| ۷۶ | ایک اللہ والے غلام کا کتے پر ایثار | ۱۱۹ |
| ۷۷ | خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کا انجام بد | ۱۲۰ |
| ۷۸ | زکاۃ نہ دینے والوں کا انجام | ۱۲۲ |
| ۷۹ | زکاۃ کی برکت - ایک انگریز کا مشاہدہ | ۱۲۳ |
| ۸۰ | یہ تالا تمھارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹنے کا | ۱۲۴ |
| ۸۱ | کروڑ پتی فقیر بن گیا | ۱۲۵ |
| ۸۲ | بھیک جتنی دروازہ بھی اتنا | ۱۲۶ |

## شیطانی مکروفریب



| | | |
|---|---|---|
| ۸۳ | شیطان کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش | ۱۲۹ |
| ۸۴ | حضرت نوح علیہ السلام کا شیطان سے ایک سوال | ۱۳۰ |
| ۸۵ | حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شیطان سے ملاقات | ۱۳۱ |
| ۸۶ | مال ودولت شیطان کا حربہ | ۱۳۲ |
| ۸۷ | جاہل پر شیطان کا داؤ | ۱۳۴ |
| ۸۸ | نماز معاف ہوگئی! ایک جاہل پر شیطان کا مکر | ۱۳۶ |
| ۸۹ | علم نے نہیں، اللہ نے مجھے بچایا ہے | ۱۳۷ |
| ۹۰ | حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے شیطان کا عجیب سوال | ۱۳۹ |



## آئینۂ تصوف وسلوک



| | | |
|---|---|---|
| ۹۱ | مولانا روم رحمہ اللہ کی کایا کب پلٹی؟ | ۱۴۳ |
| ۹۲ | حضرت گنگوہی رحمہ اللہ حاجی صاحب کی خدمت میں | ۱۴۵ |
| ۹۳ | ''مرید'' کسے کہتے ہیں؟ | ۱۴۸ |
| ۹۴ | بدنظری کا حکیمانہ نسخہ | ۱۴۹ |
| ۹۵ | تو میرا خدا نہیں، میں تیرا بندہ نہیں | ۱۵۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۹۶ | یہ تو تمھارے ماتم کا دن ہوگا | ۱۵۲ |
| ۹۷ | گناہ نیکی کی روشنی بجھا دیتے ہیں | ۱۵۳ |
| ۹۸ | ہم تو سنار تھے، لوگوں نے لوہار سمجھ لیا | ۱۵۴ |
| ۹۹ | حسنِ فانی کے پرستاروں کے لئے عبرت | ۱۵۵ |
| ۱۰۰ | اولیاء اللہ سے تعلق رائیگاں نہیں جاتا | ۱۵۶ |
| ۱۰۱ | اللہ کے ولی کا ادب باعثِ مغفرت | ۱۵۸ |
| ۱۰۲ | صحبت کا اثر کیسے ہوتا ہے؟ | ۱۵۹ |
| ۱۰۳ | سالک میں سچی طلب کامیابی کی ضمانت | ۱۶۰ |
| ۱۰۴ | ''میں آپ کے اور آپ میرے ہاتھ چاٹ رہے ہیں!'' دنیادار پیروں کا حال | ۱۶۳ |
| ۱۰۵ | اتباعِ سنت و شریعت - اہل اللہ پہچان | ۱۶۴ |
| ۱۰۶ | سنت پر استقامت سب سے بڑی کرامت | ۱۶۴ |
| ۱۰۷ | فضول گفتگو سے بچنے کی تدبیر | ۱۶۵ |
| ۱۰۸ | تاجر بھی ولی بن سکتا ہے | ۱۶۷ |
| ۱۰۹ | بادشاہ بھی ولی اللہ ہوسکتا ہے | ۱۶۹ |
| ۱۱۰ | ایک دربان کا مقامِ ولایت | ۱۷۱ |
| ۱۱۱ | اللہ والے کہاں ملیں گے؟ | ۱۷۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۱۲ | جذبۂ شکر پیدا کرنے کا طریقہ | ۱۷۴ |
| ۱۱۳ | نیکیوں کی توفیق سب سے بڑی نعمت ہے | ۱۷۵ |
| ۱۱۴ | لقمان حکیم رحمۃ اللہ کا شکر | ۱۷۶ |
| ۱۱۵ | ایک گلاس پانی اللہ کی کتنی بڑی نعمت؟ | ۱۷۶ |
| ۱۱۶ | آئینہ چینی شکست | ۱۷۷ |
| | **ذوقِ عبادت ومجاہدہ** | |
| ۱۱۷ | جان سے زیادہ نماز پیاری | ۱۸۰ |
| ۱۱۸ | امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی عبادت | ۱۸۱ |
| ۱۱۹ | امام اوزاعی رحمۃ اللہ کا آنسوں | ۱۸۳ |
| ۱۲۰ | حضرت مرۃ ہمدانی رحمۃ اللہ کا عجیب سجدہ | ۱۸۴ |
| ۱۲۱ | محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ کا خوف | ۱۸۴ |
| ۱۲۲ | تہجد کی دو رکعتیں ہی کام آئیں | ۱۸۵ |
| ۱۲۳ | نماز برائیوں سے کیسے روکتی ہے؟ | ۱۸۶ |
| ۱۲۴ | ادب مسجد اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ | ۱۸۹ |
| ۱۲۵ | دینار دھو رہی ہوں! | ۱۸۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۲۶ | اللہ کی آواز سنائی نہیں دیتی؟ | ۱۹۰ |
| ۱۲۷ | کیا اللہ کو ہماری نماز کی حالت کا علم نہیں؟ | ۱۹۲ |
| ۱۲۸ | عبادت وریاضت اللہ کا فضل ہے | ۱۹۳ |
| ۱۲۹ | ایک گلاس پانی کی قیمت پانچ سو سال کی عبادت | ۱۹۳ |
| ۱۳۰ | دین میں ایسی استقامت آجائے | ۱۹۵ |
| ۱۳۱ | کوشش کر کے تو دیکھو | ۱۹۶ |
| ۱۳۲ | عبادت میں نیت کی اہمیت | ۱۹۷ |
| | **فکرِ آخرت اور دنیا کی حقارت** | |
| ۱۳۳ | حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا فکرِ آخرت | ۱۹۹ |
| ۱۳۴ | امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور خوف آخرت | ۲۰۰ |
| ۱۳۵ | حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ کا حال | ۲۰۱ |
| ۱۳۶ | سلیمان بن عبد الملک کا گریہ | ۲۰۱ |
| ۱۳۷ | ہارون الرشید رحمہ اللہ کا خوف آخرت سے گریہ | ۲۰۳ |
| ۱۳۸ | عبد اللہ بن مرزوق رحمہ اللہ کی فکر آخرت | ۲۰۳ |
| ۱۳۹ | آخرت پر کیسا یقین تھا؟ | ۲۰۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۴۰ | موت کس قدر قریب ہے؟ | ۲۰۵ |
| ۱۴۱ | قبر میں صرف اعمال جائیں گے | ۲۰۵ |
| ۱۴۲ | قبر کی آگ کا علاج | ۲۰۸ |
| ۱۴۳ | ایک جھوٹے پیر کی قبر کی حالت | ۲۰۹ |
| ۱۴۴ | رابعہ بصریہؒ کا قبر میں فرشتوں سے مناظرہ | ۲۱۰ |
| ۱۴۵ | موت کے وقت اہل اللہ کا قابل رشک حال | ۲۱۱ |
| ۱۴۶ | حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو موت کی تمنا | ۲۱۲ |
| ۱۴۷ | قبر کی یاد سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گریہ | ۲۱۲ |
| ۱۴۸ | گناہوں کی وجہ سے قبر کا عذاب | ۲۱۳ |
| ۱۴۹ | آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے بے نیازی | ۲۱۴ |
| ۱۵۰ | بحرین کا جزیہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز | ۲۱۵ |
| ۱۵۱ | مال و دولت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوری | ۲۱۷ |
| ۱۵۲ | دنیا ایک بدصورت؛ مگر مزین بڑھیا | ۲۱۸ |
| ۱۵۳ | دنیا کی حقیقت-افلاطون کی نظر میں | ۲۱۹ |
| ۱۵۴ | دنیا مسافر خانہ ہے! | ۲۲۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۵۵ | دنیا پر مرنے والے آخرت میں شرمندہ ہوں گے | ۲۲۲ |
| ۱۵۶ | اللہ بس، باقی ہوس! | ۲۲۳ |
| ۱۵۷ | فنا، دنیا کا سب سے بڑا عیب | ۲۲۵ |
| ۱۵۸ | دین سے دنیا طلبی کا عبرت ناک انجام | ۲۲۶ |
| ۱۵۹ | ﴿متاع﴾ کی تفسیر اور صاحب بن عباد کی تحقیق | ۲۲۷ |


## تقویٰ وطہارت اور خوف وخشیت


| | | |
|---|---|---|
| ۱۶۰ | تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سوال | ۲۳۰ |
| ۱۶۱ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حرام سے احتیاط | ۲۳۰ |
| ۱۶۲ | ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی؟ | ۲۳۱ |
| ۱۶۳ | حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حرام سے احتیاط | ۲۳۲ |
| ۱۶۴ | زکاۃ کے مال سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتناب | ۲۳۲ |
| ۱۶۵ | حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حرام سے پرہیز | ۲۳۳ |
| ۱۶۶ | عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی احتیاط | ۲۳۴ |
| ۱۶۷ | دس اہلِ علم کی حرام سے احتیاط | ۲۳۴ |
| ۱۶۸ | چراغ میں وارثین کا حق ہے | ۲۳۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۶۹ | سوئی کی وجہ سے مواخذہ | ۲۳۵ |
| ۱۷۰ | مالِ حرام کی سواری سے اجتناب | ۲۳۵ |
| ۱۷۱ | ایک طالبِ علم کا تقویٰ | ۲۳۶ |
| ۱۷۲ | خوفِ الٰہی کتنی قیمتی چیز ہے؟ | ۲۳۷ |
| ۱۷۳ | اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خوفِ آخرت | ۲۳۹ |
| ۱۷۴ | ''تقوے'' کی عمدہ تعریف | ۲۴۱ |
| ۱۷۵ | سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ | ۲۴۲ |
| ۱۷۶ | ایک عاشق کا خوفِ خدا سے رونا | ۲۴۴ |
| ۱۷۷ | قیامت تک نہیں ہنسوں گا-وراد عجلی | ۲۴۵ |
| ۱۷۸ | ابو مالک رحمۃ اللہ پوری رات روتے رہے | ۲۴۵ |
| ۱۷۹ | اللہ کے خوف سے ایک پتھر کا رونا | ۲۴۶ |
| ۱۸۰ | جہنم کے خوف سے ایک صحابی کے آنسوں | ۲۴۸ |
| ۱۸۱ | اللہ کو رونا بہت پسند ہے | ۲۴۸ |
| ۱۸۲ | ایک نوجوان کا خوفِ الٰہی سے ترک گناہ اور موت | ۲۵۰ |
| ۱۸۳ | لبیک پر بے ہوشی | ۲۵۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸۴ | عمر نہیں! تو عمر کا خدا جانتا ہے | ۲۵۳ |
| ۱۸۵ | ایک دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے | ۲۵۴ |
| ۱۸۶ | عتبہ غلام کا خوف | ۲۵۴ |
| ۱۸۷ | ایک مردِ صالح کا خوفِ خداوندی | ۲۵۵ |
| ۱۸۸ | پھر اللہ کہاں ہے؟ | ۲۵۷ |
| ۱۸۹ | منقش اشیا سے حضور کی نفرت | ۲۵۸ |
| ۱۹۰ | ایمان کی ٹھنڈک کیسے حاصل ہو؟ | ۲۵۸ |
| ۱۹۱ | عورت کے لیے سب سے بہتر کیا ہے؟ | ۲۵۹ |
| ۱۹۲ | بچوں کو صالح بنانے ماں باپ کا صالح ہونا ضروری | ۲۵۹ |
| ۱۹۳ | حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی فراست | ۲۶۰ |
| ۱۹۴ | حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کی فراست | ۲۶۱ |
| ۱۹۵ | تبرکات میں غلو سے صحابی کی احتیاط | ۲۶۲ |
| | **عاجزی و تواضع سلوک کا عظیم راستہ** | |
| ۱۹۶ | امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی تواضع | ۲۶۵ |
| ۱۹۷ | حضرت مولانا اسد اللہ صاحب رحمۃ اللہ کی تواضع | ۲۶۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۹۸ | شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ کی عاجزی | ۲۶۷ |
| ۱۹۹ | عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ کی عاجزی | ۲۶۸ |
| ۲۰۰ | حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی عاجزی | ۲۶۸ |
| ۲۰۱ | حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ کی تواضع | ۲۶۸ |
| ۲۰۲ | حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کی عاجزی | ۲۶۹ |
| ۲۰۳ | ''استغفار'' بھی استغفار کے قابل | ۲۷۰ |
| ۲۰۴ | اساتذہ کی بےادبی کا عبرت ناک انجام | ۲۷۰ |
| ۲۰۵ | حقیر سمجھنے کا گناہ کفر تک پہنچا سکتا ہے | ۲۷۱ |
| ۲۰۶ | تمھارے پیر کب سے لمبے ہو گئے؟ | ۲۷۲ |
| ۲۰۷ | دنیا پیروں میں آئے گی | ۲۷۳ |
| ۲۰۸ | آپ موسیٰ علیہ السلام سے بڑے نہیں | ۲۷۳ |
| ۲۰۹ | لوگوں کے سامنے عذاب نہ دینا - ابن الجوزی رحمۃ اللہ کا تواضع | ۲۷۳ |
| ۲۱۰ | امام ابن مبارک رحمۃ اللہ کی عاجزی کا حال | ۲۷۴ |
| ۲۱۱ | حضرت مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ کی عاجزی | ۲۷۵ |
| ۲۱۲ | حضرت مسیح الامت رحمۃ اللہ کے تواضع کی کی انتہا | ۲۷۶ |
| ۲۱۳ | جانور سے بھی افضل نہ سمجھے | ۲۷۷ |

## علم واہلِ علم کا مقام


| | | |
|---|---|---|
| ۲۱۴ | ایک حدیث کے لیے ایک ماہ کا سفر | ۲۷۹ |
| ۲۱۵ | ایک حدیث کے لیے ''مصر'' کا سفر | ۲۷۹ |
| ۲۱۶ | صحابہ کا علمی ذوق | ۲۸۰ |
| ۲۱۷ | ایک مسئلے کی تحقیق کے لیے ''مدینے'' کی حاضری | ۲۸۰ |
| ۲۱۸ | ایک بادشاہ کا عظمتِ قرآن | ۲۸۰ |
| ۲۱۹ | ذوقِ علم اور عالمگیر رحمہ اللہ کی صاحب زادی | ۲۸۱ |
| ۲۲۰ | قرآن کے علوم، ''کیاسٹو'' (Casto) کا تجربہ | ۲۸۲ |
| ۲۲۱ | قرآن کی بلاغت، علامہ طنطاوی رحمہ اللہ کا واقعہ | ۲۸۴ |
| ۲۲۲ | ایک صحابیہ خاتون کا قرآنی استدلال | ۲۸۶ |
| ۲۲۳ | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فہم وبصیرت | ۲۸۷ |
| ۲۲۴ | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام | ۲۸۷ |
| ۲۲۵ | حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا علم مقام | ۲۸۸ |
| ۲۲۶ | حضرت عمرہؒ کی علمی جلالت | ۲۸۹ |
| ۲۲۷ | امام طحاوی رحمہ اللہ کی صاحب زادی کا علمی تفوق | ۲۸۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۲۸ | علامہ کاسانی رحمۃ اللہ کی زوجہ کا فقہی مقام | ۲۹۰ |
| ۲۲۹ | مریم بنت نورالدین-امام سخاوی رحمۃ اللہ کی استانی | ۲۹۰ |
| ۲۳۰ | مسیح الامت رحمۃ اللہ کا تعلیمی دور | ۲۹۰ |
| ۲۳۱ | سوءِ حافظہ کا علاج | ۲۹۱ |
| ۲۳۲ | عیسائی کانوینٹ کی تعلیم کا بھیانک نتیجہ | ۲۹۲ |
| ۲۳۳ | موجودہ ''تورات'' کا مطالعہ، ایمان کے لیے خطرہ | ۲۹۲ |
| ۲۳۴ | ''بائبل'' ایک پوپ کی نظر میں | ۲۹۳ |
| ۲۳۵ | ایک حدیث کی تصدیق، جرمن ڈاکٹر کی زبان سے | ۲۹۴ |
| ۲۳۶ | صحابہ پر سب وشتم کرنے والے پر عذاب | ۲۹۵ |
| ۲۳۷ | بوعلی سینا ''اخلاق ندارد'' | ۲۹۶ |


## حسنِ معاشرت


| | | |
|---|---|---|
| ۲۳۸ | دوسروں کو تکلیف دینے کا انجام | ۲۹۸ |
| ۲۳۹ | پڑوسی کی تکلیف سے بچنے کی نبوی تدبیر | ۲۹۹ |
| ۲۴۰ | پڑوسی کی ایذا پر صبر | ۳۰۰ |
| ۲۴۱ | قطعِ رحمی کی سزا | ۳۰۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۴۲ | قساوتِ قلبی کی انتہا | ۳۰۱ |
| ۲۴۳ | جانور پر بھی احسان وکرم کا حکم ہے | ۳۰۲ |
| ۲۴۴ | بلی پر ظلم کرنے والی عورت کا انجام | ۳۰۳ |
| ۲۴۵ | دوست کیسا ہو؟ | ۳۰۴ |
| ۲۴۶ | اختلاف کے باوجود بے نظیر اتحاد | ۳۰۴ |
| ۲۴۷ | اختلاف شکست کا سبب بن گیا | ۳۰۵ |
| ۲۴۸ | بڑوں کا اختلاف اور ہمارے لیے عبرت | ۳۰۶ |
| ۲۴۹ | آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح اور ازواج کے ساتھ حسنِ سلوک | ۳۰۸ |
| ۲۵۰ | کفارِ مکہ کا اختلاف- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر | ۳۰۹ |
| ۲۵۱ | ہر مسئلے میں حقوق العباد کا اہتمام | ۳۱۰ |
| ۲۵۲ | نوافل میں شوہر کی اجازت ضروری | ۳۱۰ |
| ۲۵۳ | ہارون الرشید رحمۃ اللہ کا عفو ودرگذر | ۳۱۱ |
| | **توبہ کی فضیلت اور گناہوں کی نحوست** | |
| ۲۵۴ | نعمتِ خداوندی کے احساس پر ایک شرابی کی توبہ | ۳۱۴ |
| ۲۵۵ | ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ کے ہاتھ پر ایک گناہ گار کی توبہ | ۳۱۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۵۶ | ''کِفل'' کی توبہ | ۳۱۷ |
| ۲۵۷ | ایک عابد کا بہکنا اور خوف سے توبہ کرنا | ۳۱۹ |
| ۲۵۸ | ایک لوہار کی توبہ | ۳۲۰ |
| ۲۵۹ | توبہ کی وجہ سے ایک قصاب کا مقام | ۳۲۱ |
| ۲۶۰ | شاعر ''ابونواس'' کی توبہ ومناجات | ۳۲۳ |
| ۲۶۱ | حضرت بشر حافی رَحمَۃُ اللّٰہ کی توبہ | ۳۲۴ |
| ۲۶۲ | ایک بنی اسرائیلی کی توبہ | ۳۲۵ |
| ۲۶۳ | حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے ایک گنہ گار کی توبہ ومناجات | ۳۲۷ |
| ۲۶۴ | ایک نوجوان کی توبہ | ۳۲۸ |
| ۲۶۵ | جب توبہ ہی کر، لی تو سب سے توبہ کرلی | ۳۲۹ |
| ۲۶۶ | ترکِ گناہ کے بغیر ولایت نہیں ملتی | ۳۲۹ |
| ۲۶۷ | اناج کا دانہ لہسن کے برابر | ۳۳۱ |
| ۲۶۸ | ایک گائے سے تیس گائیوں کا دودھ | ۳۳۱ |
| ۲۶۹ | حاکم کی بدنیتی کا میوہ پر اثر | ۳۳۲ |
| ۲۷۰ | بنی اسرائیل کے ایک راہب کا گناہوں کی وجہ سوءِ خاتمہ | ۳۳۳ |
| ۲۷۱ | مردار کی محبت نے کفر تک پہنچا دیا | ۳۳۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۷۲ | ایک عورت کی محبت میں اس کا نام لیتے لیتے مرگیا | ۳۳۶ |
| ۲۷۳ | ایک عیسائی لڑکی کو پانے نصرانی بن گیا | ۳۳۸ |
| ۲۷۴ | بدگمانی کا موقعہ نہ دو | ۳۳۸ |
| ۲۷۵ | دو عظیم گناہوں کی وجہ سے قبر میں آگ | ۳۳۹ |
| ۲۷۶ | حسد کا دنیوی نقصان | ۳۴۰ |
| ۲۷۷ | چغل خوری کا نتیجہ | ۳۴۱ |
| | **لطائف** | |
| ۲۷۸ | کتے کی قبر مزار بن گئی! | ۳۴۴ |
| ۲۷۹ | ڈاڑھی کے پیچھے کون پڑا ہے؟ | ۳۴۵ |
| ۲۸۰ | ڈاڑھی رکھنا فطرت ہے، ایک لطیفہ | ۳۴۵ |
| ۲۸۱ | بھوک شریف اور ایک لطیفہ | ۳۴۶ |
| ۲۸۲ | ایک ''نحوی عالم'' کا لطیفہ | ۳۴۶ |
| ۲۸۳ | جاہل کے اجتہاد کا نتیجہ | ۳۴۷ |
| ۲۸۴ | اصلاحِ نفس میں اعتدال ضروری؛ ورنہ...! | ۳۴۸ |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ
## از مرتب

الحمد لأهله والصلوة على أهلها:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے قرآن کریم نازل فرمایا، جو کہ سراپا ہدایت ہی ہدایت ہے اور قرآن کریم بے شمار علوم وفنون پر مشتمل ہے؛ بل کہ علوم کا خزانہ اور منبع وماٴخذ ہے اور کیوں نہ ہو؟ جب کہ یہ علام الغیوب کا نازل کردہ ہے۔

قرآنِ کریم کتنے علوم پر مشتمل ہے؟ اس میں علما کی آرا مختلف ہیں؛ مگر محدث کبیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الفوز الكبير في أصول التفسير" میں فرمایا کہ قرآن کریم پانچ علوم پر مشتمل ہے:

(۱) علم التذكير بأيام الله (گزشتہ زمانے کے واقعات سے تذکیر کا علم)

(۲) علم التذكير بآلاء الله (اللہ کی نعمتوں سے تذکیر کا علم)

(۳) علم التذكير بالموت وما بعد الموت (موت اور اس کے بعد کے احوال سے تذکیر کا علم)

(۴) علم الاحكام (احکامِ الٰہی کا علم)

(۵) علم الجدل (دیگر مذاہب کے لوگوں سے مباحثے کا علم)

# مقدمہ

قرآنِ کریم ان علوم کے ذریعے مختلف انداز سے انسان کو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ہے۔

ان میں اول الذکر ''علم التذكير بأيام الله ''(یعنی گذشتہ زمانے کے واقعات وحوادث کا علم ) بھی انسان کی اصلاح وہدایت میں بے حد مؤثر ہے،اس علم میں ایک طرف انبیا،صلحا اور مؤمنین کے واقعات بیان کیے گئے ہیں؛ تاکہ انسان اپنی زندگی کو بھی ان کے نقش قدم پر ڈھال کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے اور کامیابی وکامرانی سعادت ونیک بختی کے لائق ہو جائے اور دوسری طرف کفار،منافقین،فساق وفجار کی بدعملی اور نافرمانی کی وجہ سے ان کی تباہی اور عذابات کا ذکر بھی کیا گیا ہے؛تاکہ انسان اپنے آپ کو قہر الٰہی سے بچا کر اخروی زندگی میں سرخ روئی حاصل کر سکے۔

قرآن کے اسی طرز کی اتباع کرتے ہوئے مصلحینِ امت نے اپنی تصانیف اور اپنے مواعظ میں نیک وصالح لوگوں کے ایمان افروز وروح پرور واقعات اور ان کے نیک وصالح ثمرات سے یا برے لوگوں کی غلط کاریوں وخبائث کے حالات وواقعات اور ان کے برے نتائج کے ذریعہ امت کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان ہی اکابرینِ امت کی پیروی میں احقر (مرتب ) نے میرے استاذ ومربی عالم ربانی شیخ عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی مختلف تصانیف اور مواعظ میں جو واقعات آئے ہیں،ان کو جمع کرنے کی ایک ادنی کوشش کی ہے،جس کی یہ پہلی جلد ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو امت کے لیے نافع بنائے اور مجھے اپنے بڑوں کی

سرپرستی میں دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں میرے رفیق محترم مولانا نوراللہ صاحب زید مجدہ (استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم) کا شکر گذار نہ بنوں، جنھوں نے میرا بھرپور تعاون فرمایا، جس کی وجہ سے اس کتاب کو جلد منظر عام پر لانے میں آسانی ہوئی، اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنے شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے اور انھیں مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

فقط

محمد زبیر

(استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم)

۱۹؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

# ایمان ویقین کی حیرت انگیز طاقت وقوت

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے
آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا
(اقبال رحمۃ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کی رستم سے گفتگو

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت وسرکردگی میں ایک لشکر ایرانیوں سے مقابلے کے لیے گیا، ایرانی لشکر کا سپہ سالار مشہور زمانہ پہلوان و بہادر ''رستم'' تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رستم کی درخواست پر حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو اس سے بات چیت کے لیے بھیجا، ایرانیوں نے رستم کا دربار خوب سجا رکھا تھا، ریشم وحریر کے گدے، بہترین قالین، سونے وچاندی کی اشیا اور دیگر اسبابِ زینت سے آراستہ پیراستہ کردیا تھا، حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار، ہتھیارات سے لیس، پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس، اس شان کے ساتھ رستم کے دربار میں پہنچے، کہ ننگی تلوار آپ کے ہاتھ میں تھی۔ دربار میں رستم کا فرش بچھا ہوا تھا، آپ گھوڑے کو اسی پر چلاتے ہوئے اندر جانے لگے، رستم پہلوان کے آدمیوں نے ان کو روکا اور ان سے کہا کہ کم سے کم تلوار تو زیرِ نیام کرلیں۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمھاری دعوت پر آیا ہوں، میری مرضی اور خواہش سے نہیں، اگر تم اس طرح آنے نہ دوگے؛ تو میں لوٹ جاؤں گا۔ جب رستم نے یہ دیکھا تو اپنے لوگوں سے کہا کہ ان کو اسی حالت میں آنے دو۔

چناں چہ آپ اسی شان کے ساتھ رستم کے پاس پہنچے اور فرش جگہ جگہ سے تلوار کی نوک کی زد میں آکر پھٹ گیا تھا۔ رستم نے پوچھا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایسا جواب دیا، جو ہمیشہ کے لیے لاجواب رہے گا۔

آپ نے کہا:

" اللّٰه ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلی عبادة اللّٰه ، و من ضیق الدنیا إلی سعتها ، و من جور الأدیان إلی عدل الإسلام." (تاریخ الطبري:۲/۴۰۱،البدایة و النهایة:۸/۳۹)

(اللہ نے ہمیں اس لیے مبعوث کیا ہے کہ ہم اللہ کے بندوں میں سے اللہ جن کو چاہے؛ ان کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لائیں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں میں لے جائیں اور دنیا کے مختلف مذاہب کے ظلم و جور سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف لائیں۔)

اس واقعے سے اسلامی معاشرے کے افراد کی مظاہر کائنات سے، دنیا کی دل فریبیوں سے اور مادی طاقتوں سے بے رغبتی و بے خوفی کا عظیم الشان مظاہرہ ہو رہا ہے، یہی چیز اسلامی معاشرے کو کفر و شرک سے نکالتی اور شیطانی وطاغوتی قوتوں کے مقابلے میں روحانی وایمانی طاقت بخشتی ہے۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کا توکل علی اللہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ شب میں نفلیں پڑھنے مسجد کو تشریف لایا کرتے تھے، بعض حضرات نے ایک بار ان کو پہرا دیا، جب آپ نماز سے فراغت کے بعد باہر آئے اور ان لوگوں کو دیکھا، تو پوچھا کہ آپ لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ آپ کی حفاظت کے لیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آسمان والوں سے یا زمین والوں سے؟ لوگوں نے کہا کہ زمین والوں سے۔ یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ

وجہہ نے فرمایا کہ جب تک کسی بات کا فیصلہ آسمان میں نہیں ہوجاتا، اس وقت تک کوئی چیز زمین پر رونما نہیں ہوتی اور فرمایا کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی لذت کوئی شخص اس وقت تک نہیں پاسکتا، جب تک یہ یقین نہ کرلے کہ جو کچھ (اچھا یا برا) اسے پہنچا ہے، وہ ٹلنے والا نہ تھا اور جو اسے نہیں پہنچا وہ اسے پہنچنے والا نہیں تھا۔

(تاریخ ابن عساکر:۵۵۴/۴۲، کنز العمال:۸۱/۱-۸۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دو شخص فیصلے کے لیے آئے، آپ ایک دیوار کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، کسی شخص نے عرض کیا کہ حضرت! یہ دیوار گرنے والی ہے، آپ نے فرمایا کہ تو جا، اللہ حفاظت کے لیے کافی ہے، اس کے بعد آپ نے ان دونوں شخصوں کا مقدمہ طے کیا اور کھڑے ہوئے، اس کے بعد یہ دیوار گر گئی۔

(دلائل النبوۃ لأبي نعیم:۲۱۱)

## عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ ''افریقہ'' کے جنگل میں

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے افریقہ کے ایک جنگل میں شہر بسانا چاہا؛ تاکہ وہاں مسلمانوں کا لشکر قیام کر سکے۔ چناں چہ اس کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا گیا، وہاں ہزاروں قسم کے جانور اور خون خوار درندے بسے ہوئے تھے۔ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے اللہ سے دعا کی پھر جنگل میں کھڑے ہوکر درندوں سے خطاب فرمایا:

> ''اے جنگل کے سانپو اور درندو! ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں اور یہاں رہنا چاہتے ہیں؛ لہٰذا تم یہاں سے کسی اور جنگل میں چلے جاؤ، اس کے بعد جو بھی ہم کو یہاں ملے گا، ہم اس کو قتل کردیں گے۔'' (الکامل لابن الأثیر:۳۲/۳)

یہ سن کر جنگل کے جانور اور درندے اپنے اپنے بچوں کو لے کر جنگل سے

نکلنے لگے اور دوسری جگہ منتقل ہو گئے، مسلمانوں کی اس ایمانی قوت کے حیرت انگیز کرشمے نے لوگوں کو متحیر کر دیا اور بربر قوم کے بہت سے قبائل نے اس دن ایمان قبول کیا۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیام دریائے ”نیل“ کے نام

مصر میں زمانۂ جاہلیت سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ جب بھی دریائے نیل ٹھہر جاتا، تو ایک حسین اور خوبصورت لڑکی کو قتل کر کے دریا کے حوالے کر دیا جاتا؛ تو دریائے نیل پھر حسب معمول چل پڑتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب مصر فتح ہوا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وہاں کے گورنر مقرر ہوئے، تو اس وقت بھی حسبِ معمول دریائے نیل کی روانی ختم ہوگئی اور وہ ٹھہر گیا۔

اس موقعے پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے اس دستور کا ذکر کر کے اس کے مطابق عمل کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جاہلیت کی رسم ہے، ہم ایسا نہیں کریں گے؛ البتہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے میں مشورہ کروں گا۔ چناں چہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کو خط لکھا اور اس واقعے کی پوری تفصیل بیان کر کے مشورہ چاہا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں دریائے نیل کے نام ایک چٹھی روانہ فرمائی اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ چٹھی دریائے نیل میں ڈال دیں، اس چٹھی کا مضمون یہ تھا:

”یہ اللہ کے بندے عمر کی طرف سے دریائے نیل کے نام: امابعد! اگر تو (اے دریائے نیل!) اپنے طرف سے جاری ہوتا تھا؛ تو مت جاری ہو اور اگر اللہ واحد قہار نے تجھ کو جاری کیا، تو ہم اسی سے سوال کرتے ہیں، کہ وہ تجھ کو جاری کر دے۔“

حضرت عمرو بن العاص ﷺ نے یہ چٹھی دریائے نیل میں ڈال دی، ڈالنا ہی تھا کہ دریائے نیل خوب تیزی کے ساتھ رواں ہوگیا۔

(البداية والنهاية:۱۱۰/۷، تاريخ الخلفاء:۱۱۳)

## سعد بن عقبہ ﷺ کی ایمانی طاقت

حضرت سعد بن عقبہ ﷺ شہرِ ''بہرسیر'' کے نیچے اترے اور چند دنوں وہیں ٹھہرے رہے؛ کیوں کہ دشمن کے مقابلے کے لیے دریا پار کرنا تھا، حضرت سعد نے اللہ کے بھروسے '' نستعين بالله و نتوكل عليه ، حسبنا الله ونعم الوكيل لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم '' کاورد کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کو سمندر میں ڈال دیا اور لشکر کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی اس میں بے خطر کود جائے، چناں چہ سارا لشکر اپنے گھوڑوں کو لے کر دریا میں کود پڑا، جب دوسری طرف ساحل پر اُترے؛ تو گھوڑوں کے کُھر بھی بھیگے نہیں تھے اور یہ منظر دیکھ کر کفار کا لشکر حیرت میں پڑ گیا اور کہنے لگا: ''دیو آمدند'' (یعنی دیو آگئے ہیں) اور یہ کہہ کر بھاک گیا۔

(تاريخ الطبري:۴۶۰/۲-۴۶۲،البداية والنهاية:۶۴/۷-۶۶ و البداية۱۵۵/۶)

## حضرت سفینہ ﷺ اور شیر کی بے بسی

حضرت سفینہ ﷺ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے، وہ ایک دفعہ ''روم'' کے علاقے میں لشکر سے بھٹک گئے اور ایک جنگل میں لشکر کی تلاش میں تھے، کہ سامنے سے ایک شیر آ گیا، حضرت سفینہ ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا:

''اے ابو الحارث (یہ شیر کی کنیت ہے) میں رسول اللہ

صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا غلام اور خادم ہوں اور میں راستہ سے بھٹک گیا ہوں۔"

یہ سن کر شیر دم ہلاتا ہوا آگے چلتا رہا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا، یہاں تک کہ لشکر سے مجھ کو ملا دیا۔ (البدایة و النهایة:۶/۱۴۷)

## شیر کا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرنا

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ باہر نکلے، تو دیکھا کہ ایک جگہ لوگوں کی بھیڑ لگی ہے، آپ نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ ایک شیر ہے، جو لوگوں کا راستہ روکے ہوئے ہے اور لوگ اس سے خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترے اور شیر کے پاس گئے اور اس کا کان پکڑ کر موڑا اور اس کی گدی پر مارا اور اس کو راستہ سے ہٹا دیا۔

پھر فرمایا کہ سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تیرے بارے میں سچ فرمایا تھا کہ ابن آدم پر یہ جب ہی مسلط کیا جاتا ہے، جب ابن آدم اس سے ڈرتا ہے اور جب ابن آدم صرف اللہ سے ڈرے، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس پر مسلط نہیں کرتا۔ ابن آدم کو اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے، جس سے وہ امید باندھتا ہے اور اگر وہ سوائے اللہ کے کسی سے امید نہ رکھے، تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی اور کے حوالے نہیں کرتا۔

(حیاة الصحابة:۴/۳۸۵)

## رکانہ سے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کشتی

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مقامِ "بطحہ" میں تھے، وہاں یزید بن رکانہ یا رکانہ جو اس وقت کافر تھے اور عرب کے مشہور پہلوان تھے، حاضر

خدمت ہوئے اوران کے ساتھ ان کی بکریاں بھی تھیں، کہنے لگے: اے محمد! کیا تم مجھ سے کشتی کرو گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں نے تم کو پچھاڑ دیا، تو تم کیا دو گے؟ انھوں نے عرض کیا کہ یہ ایک بکری دوں گا۔

چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشتی کی اوران کو پچھاڑ دیا، انھوں نے کہا: کیا دوبارہ کشتی کروگے؟ آپ نے پوچھا کیا دو گے؟ کہا: ایک اور بکری دوں گا اور پھر کشتی کی، آپ نے ان کو پچھاڑ دیا۔ پہلوان نے کہا کہ اے محمد! کبھی کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ مجھے زمین پر گرائے تم ہی وہ ہیں، جنھوں نے مجھے پچھاڑا ہے، پھر وہ شخص مسلمان ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بکریاں واپس فرمائی۔

(مراسیل أبي داود:۱۴)

## کسریٰ کا محل اور صحابہ کا محیر العقول کارنامہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضراتِ صحابہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان پیشین گوئی کے مطابق شاہِ ایران کسریٰ کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور نہتے ہونے کے باوجود اپنی ایمانی قوت اور توکل علی اللہ واعتماد علی اللہ کی برکت سے حیرت انگیز ریکارڈ قائم کر دیا۔ یہ محل اس عظیم حکومت کا بنایا ہوا تھا، جس کے جاہ وجلال سے کبھی روم کے محلات لرزا کرتے تھے؛ مگر صحابۂ کرام نے اس طاقت کے غرور کو خاک میں ملا دیا، اس محل کی ایک دیوار اب تک باقی ہے اور بوسیدگی اور فرسودگی کے باوجود شان وشوکت کی ایک تصویر نظر آتی ہے اور اس قدر مضبوط اور مستحکم ہے کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں جہاں آج کل کی طرح محیر العقول ایجادات موجود نہیں تھیں، اس محل کا توڑا جانا ناممکن نظر آتا ہے؛ مگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبۂ ایمانی نے اس پیکرِ سطوت عمارت اور محل کو خاطر میں نہ لایا۔

خلیفہ منصور نے اپنے دورِ خلافت میں چاہا کہ کسریٰ کے محل کی اس موجودہ دیوار کو توڑ کر اس کے ملبے سے حاصل ہونے والی رقم سے انتفاع کیا جائے، تو اس نے مشورہ کیا اور سبھی مشیروں نے بادشاہ کی حامی بھر لی؛ مگر ایک ایرانی مشیر نے کہا کہ آپ اس دیوار کو ہرگز نہ تڑوائیں؛ کیوں کہ بعد کے لوگ جب دیکھیں گے کہ صحابہ نے ظاہری ضعف وکمزوری کے باوجود اور اس ایوان کے بادشاہ کے جلال و جبروت کے باوجود اس کو مقہور ومغلوب کر دیا، تو ان کو کوئی شک نہ ہوگا کہ یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا ہے اور اللہ ہی کی ان کے ساتھ تائید ونصرت رہی ہے۔ مگر بادشاہ کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی اور اس نے اس دیوار کو توڑنے پر مزدور لگادئے؛ مگر چند ہی دنوں میں اندازہ ہوگیا کہ اس دیوار کو توڑنے پر جتنا خرچ آئے گا، اس کا دسواں حصہ بھی اس کے ملبے سے حاصل نہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ انتہائی مضبوط اور مستحکم ہے؛ اس لیے بادشاہ نے اس کام کو رکوانے کا ارادہ کیا؛ مگر کام کو رکوانے سے پہلے اس نے اپنے اسی ایرانی مشیر کو پھر بلایا اور صورتِ حال کو رکھ کر مشورہ لیا، تو مشیر نے کہا کہ آپ اس کام کو ہرگز نہ رکوائیں اور کہا کہ میں نے پہلے جو مشورہ دیا تھا کہ آپ اس دیوار کو نہ تڑوائیں؛ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دیوار کے باقی رہنے سے صحابۂ کرام کی ایمانی قوت وطاقت کا اندازہ بعد میں آنے والوں کو ہوگا کہ ایسے مضبوط محل کو چند صحابۂ کرام نے کس طرح توڑا ہوگا؟ اور اب میں جو مشورہ دے رہا ہوں کہ آپ اس کام کو نہ رکوائیں؛ وہ اس لیے کہ کام شروع کرکے رکوادینے سے بعد میں آنے والے لوگ کہیں گے کہ ایرانیوں نے ایسا مضبوط محل بنایا تھا کہ اس کی دیوار کا ایک حصہ توڑنا بھی اسلامی حکومت کے بس میں نہیں تھا۔ (تاریخ بغداد: ۱/۱۳۰-۱۳۱)

علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ایک بار ہارون رشید نے اس دیوار

کو ڈھانے کا اردادہ کیا تھا اور اس پر مزدور لگا دئے اور اس سلسلے میں کام بھی شروع ہو گیا؛ مگر لگے ہوئے مزدور اس کے ڈھانے سے عاجز آ گئے ۔ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ غور کیجیے کہ وہ حکومت کس قدر طاقت ور ہوگی؟ جس نے ایسی عمارت بنوائی جس کے ڈھانے سے دوسری حکومت عاجز آ گئی؛ حال آں کہ بنانا دشوار ہے اور ڈھانا آسان ہے۔ (مقدمة ابن خلدون:۱/۴۲۹)

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کا توکل واعتماد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک ایمان افروز ارشاد و واقعہ ملاحظہ کیجیے: وہ یہ کہ مسافر بن عوف بن الاحمر نے ایک بار جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اہلِ نہروان سے جہاد کے لیے نکلنا چاہتے تھے، کہا کہ آپ اس وقت نہ جائیں اور دن کے تین گھنٹے گزرنے کے بعد جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں؟ اس نے کہا: کیوں کہ آپ اس گھڑی میں جائیں گے، تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بلا اور شدید نقصان پہنچے گا اور اگر اس وقت میں جائیں، جو میں نے بتایا ہے، تو آپ کو کامیابی وغلبہ نصیب ہوگا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نجومی نہیں تھا اور نہ اب تک ہمارا کوئی نجومی ہے، کیا تو جانتا ہے کہ اس تیرے گھوڑے کے پیٹ میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! اگر میں حساب لگاؤں، تو جان لوں گا۔ آپ نے کہا کہ جس نے تیری اس بات کی تصدیق کی، اس نے قرآن کی تکذیب کی؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو یہ کہتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ (لقمان:۳۴)

(اللہ ہی پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی

جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں کیا ہے؟)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس چیز کے جاننے کا دعویٰ نہیں کیا، جس کا تو نے دعوی کیا ہے، کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو اس گھڑی و وقت کو جانتا ہے، جس میں سفر کرنے سے کوئی برائی لاحق ہوگی؟ اس نے کہا کہ ہاں! آپ نے فرمایا کہ جس نے تیری اس بات کی تصدیق کی، وہ گویا برائی کے پہنچانے کے بارے میں اللہ سے مستغنی ہو گیا اور اس کو مناسب ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر تجھے ہی اپنے معاملے کا متولی بنادے؛ کیوں کہ تو گمان کرتا ہے کہ تو اس کو اس گھڑی کی جانب ہدایت کرسکتا ہے، جس میں سفر کرنے سے وہ برائی سے نجات پا جائے گا، پس جس نے اس بات کو سچ سمجھا، مجھے اس پر اندیشہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے کی طرح ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! کوئی فال نہیں ہے؛ مگر تیرا فال اور کوئی خیر نہیں ہے؛ مگر تیرا خیر، پھر اس شخص سے فرمایا کہ ہم تیری تکذیب ومخالفت کرتے ہیں اور اسی گھڑی میں سفر کرتے ہیں، جس سے تو نے روکا ہے، پھر آپ نے لوگوں کو دیکھ کر فرمایا کہ اے لوگو! تم علم نجوم سے بچو، مگر وہ جس سے خشکی وسمندر کی اندھیریوں میں راستہ پاسکو، نجومی تو کافر ہے اور کافر جہنمی ہے۔ پھر اس شخص سے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ بات پہنچی کہ تو علم نجوم میں غور وفکر کرتا اور اس پر عمل کرتا ہے، تو میں تجھے تیرے یا میرے رہنے تک حبسِ دوام میں رکھ دوں گا اور جتنا میرے بس میں ہے، اس قدر تجھ کو بخشش سے محروم کردوں گا۔

اس کے بعد آپ اسی وقت میں سفر پر نکلے، جس میں نکلنے سے اس نے منع کیا تھا اور اہلِ نہروان کے پاس آئے اور ان کو قتل کیا، پھر فرمایا کہ اگر ہم اُس وقت میں چلتے جس میں چلنے کا اس شخص نے حکم دیا تھا اور فتح وغلبہ پاتے، تو کوئی کہنے والا یہ کہتا

کہ یہ اسی وقت میں چلے تھے، جس میں چلنے کا نجومی نے حکم دیا تھا۔
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نجومی نہیں تھا اور نہ اب تک ہمارا کوئی نجومی ہے؛ مگر اللہ نے ہمارے لیے کسریٰ اور قیصر کے شہروں اور دیگر ممالک کو فتح کرادیا، پس تم اللہ پر توکل کرو اور اسی پر اعتماد کرو، کہ وہی اپنے ماسوا سے ہمارے لیے کافی ہے۔
(مسند الحارث:۲/۶۰۱، کنز العمال:۵/۲۳۵)

یہ ہے توکل علی اللہ، جو انسان کو معرفت خداوندی کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے، جس سے انسان یہ سمجھتا ہے کہ میرا پروردگار میرا کارساز حقیقی ہے، مجھے کسی فکر کی ضرورت نہیں۔

## ایک رومی سپہ سالار کا حیرت انگیز انکشاف

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے اپنی تاریخ" البدایة والنهایة "میں یہ عجیب وغریب واقعہ بیان کیا ہے کہ "ہرقل" کے زمانے میں ایک رومی فوج کا مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اور رومی فوج کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا، یہ شکست خوردہ رومی فوج جب واپسی کے موقع پر ہرقل سے ملتی ہے، جب کہ ہرقل مقام "انطاکیہ" میں مقیم تھا، تو وہ ان رومیوں کی شکست کی خبر سن کر سوال کرتا ہے؟

" أخبروني عن هؤلاء القوم الذين يقاتلونكم ، أليسوا بشراً مثلكم؟ "

(مجھے اس قوم کے بارے میں بتاؤ، جس کے ساتھ تمھارا مقابلہ ہوا ہے، کیا وہ تم ہی جیسے انسان نہیں تھے؟)

فوجیوں نے اس کے جواب میں کہا کہ ہاں! وہ ہم ہی جیسے انسان تھے، جن سے ہمارا مقابلہ ہوا۔

اس پر ہرقل دوسرا اور بامعنی سوال کرتا ہے کہ اچھا بتاؤ کہ تعداد میں وہ زیادہ تھے یا تم؟
فوجیوں نے کہا کہ ہم زیادہ تھے۔
ہرقل تیسرا سوال یہ کرتا ہے کہ جب وہ تم جیسے انسان تھے اور تعداد میں تم سے کم تھے، تو پھر تمھاری شکست کھا جانے کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب اس رومی سپہ سالار نے بڑا عجیب دیا، اس نے کہا:

" من أجل أنهم يقومون الليل و يصومون النهار ويوفون بالعهد و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و يتناصفون بينهم."

(ان (مسلمانوں) کی فتح اس وجہ سے ہوئی کہ وہ راتوں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں، عہد پورا کرتے ہیں اور آپس میں انصاف کرتے ہیں۔)

اور کہا:

"من أجل أنا نشرب الخمر و نزني و نركب الحرام و ننقض العهد و نغضب و نظلم و نأمر بالسخط و ننهى عما يرضى الله و نفسد في الأرض."

(ہماری شکست اس وجہ سے ہوئی کہ ہم شرابیں پیتے، زنا کرتے، عہد کو توڑتے، حرام چیزوں کو اختیار کرتے، برائی کو پھیلاتے اور اللہ کی مرضیات سے روکتے اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔

یہ سن کر رومی بادشاہ ہرقل نے کہا کہ: تم نے سچ کہا۔

(البداية و النهاية: ۱۵/۷)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی اصل طاقت ایمانی وروحانی طاقت ہے، جس کا اندازہ ومشاہدہ ہرقل نے کیا اور یہ جواب دینے والا کوئی مسجد کا مُلّا اور (لوگوں کی اصطلاح کے مطابق) مدرسے کا بانی نہیں؛ بل کہ وہ تو مسلمان بھی نہیں؛ مگر جس چیز کو اس نے دیکھا، وہ اس کی تکذیب کیسے کرسکتا تھا؟!

یہ ظاہر ہے کہ یہ فتح وکامرانی جو مسلمانوں کو ہوئی، اس کے لیے نہ ان کے پاس ایسی فوجی تعداد وطاقت تھی، نہ اس کے لیے دیگر اسباب وآلات اور ہتھیار موجود تھے۔ اس کو دیکھ کر اس ایرانی سپہ سالار کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ ان کی فتح ان صفاتِ مقدسہ واوصافِ قدسیہ کا نتیجہ ہے اور ان پاکیزہ اعمال واخلاق کی سحر کاری ہے۔

## ''اندلس'' کی فتح اور اہلِ اسلام کا ایمان وتوکل

حضراتِ صحابہ ﷡ کے دور کے ایسے واقعات، تاریخ وسیر کے سیکڑوں صفحات؛ بل کہ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور صحابہ کے دور کے بعد بھی جب تک مسلمانوں میں ایمان وتوکل علی اللہ اور تعلق مع اللہ کی صفات موجود تھیں، ایسے واقعات کی کمی نہیں تھی۔

خلیفۃ المسلمین ولید بن عبدالملک کے دور میں ''طارق بن زیاد'' جب اندلس کو فتح کرنے سات ہزار کی مختصر فوج لے کر چار بڑی بڑی کشتیوں میں سوار اندلس کے ساحلی علاقے ''جبل الطارق'' پر اترتا ہے، تو باوجود مختصر سی فوج کے اس ساحلی پٹی کو بغیر کسی مزاحمت کے فتح کرتا چلا جاتا ہے۔ اس وقت اندلس پر جس بادشاہ کی حکومت تھی وہ عیسائی تھا اور عربی تاریخوں میں اس کا نام ''لزریق'' لکھا ہے اور انگریزی تواریخ اس کو ''راڈرک'' کے نام سے یاد کرتی ہیں، جب بادشاہ نے یہ دیکھا، تو اپنے سپہ سالار تدمیر کے ساتھ تیس ہزار کی فوج کو تمام ساز وسامان اور ہتھیاروں سے

آراستہ کر کے میدان میں بھیجا اور دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوتا رہا اور پے در پے کئی لڑائیاں ہوئیں اور ہر موقعے پر ''تدمیر'' اور اس کی فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور ان ہزیمتوں نے ان کے حوصلے پست کر دیئے۔ آخر کار تنگ آکر ''تدمیر'' نے اپنے بادشاہ راڈرک کو لکھا کہ یہ قوم جس سے ہمیں سابقہ پڑا ہے، وہ معلوم نہیں کہاں سے آئی ہے؟ آسمان سے نازل ہوئی ہے یا زمین سے ابلی ہے؛ لہٰذا اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ خود اس کی سرکوبی کے لیے آئیں۔

بادشاہ راڈرک نے ستر ہزار کی فوج کے ساتھ اس طرف رخ کیا اور پہلی فوج کے ساتھ مل کر اس کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہوگئی، جو تمام ہتھیارات سے لیس تھی اور دوسری طرف مسلمانوں کی فوج ہے، جو نہ پورے طور پر ہتھیارات سے لیس ہے اور نہ تعداد میں ان سے کوئی نسبت رکھتی ہے، ''طارق'' کے ساتھ سات ہزار افراد آئے تھے، پھر خلیفہ کی طرف سے اور پانچ ہزار کی فوج آکر ان سے مل گئی، اس طرح کل بارہ ہزار کی فوج ہوئی اور دونوں فوجیں وادی ''لکّہ'' کے مقام پر اُتریں اور پھر مقابلہ ہوا اور مسلسل آٹھ دن یہ جنگ چلتی رہی اور بالآخر فتح و کامیابی مسلمانوں کے حصے میں آئی اور عیسائی فوج رسوا و پسپا ہوئی اور خود ''راڈرک'' بھی قتل ہوگیا۔

(الکامل لابن الأثیر: ۴/۱۶۶-۱۶۷، تاریخ الطبری: ۴/۱۱، خلافتِ اندلس از نواب ذوالقدر جنگ بہادر: ۶۸-۷۶)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ طارق بن زیاد جب ساحل اندلس پر اُترا، تو اس نے اپنی فوج کو سب سے پہلے یہ حکم دیا کہ ان کشتیوں کو جلا دو، پھر فوج سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اس لیے یہ حکم میں نے دیا ہے کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ تمھارے پیچھے سمندر ہے اور آگے طاقتور دشمن ہے، نہ تم آگے جا سکتے ہو، نہ فرار ہونے کے لیے

پیچھے جا سکتے ہو، اب صرف خدا کے بھروسے جہاد کرو اور یہاں اندلس میں اسلام کا پرچم لہراؤ۔

علامہ اقبال نے اسی کو اپنے اشعار میں کہا ہے:

طارق چو بر کنارہ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ توبہ نگاہ خرد خطا ست

(طارق نے جب اندلس کے ساحل پر کشتی جلا دی، تو لوگوں نے کہا کہ عقلمند کی نگاہ میں یہ غلط ہے۔)

دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم؟
ترکِ سبب زروئے شریعت کجا رواست

(ہم اپنے وطن سے دور ہیں، واپس کیسے جائیں گے؟ اسباب کا ترک کرنا شریعت میں کہاں جائز ہے؟)

خندید و دست خویش بہ شمشیر برد وگفت
ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

(طارق ہنسا اور اپنی تلوار پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ ہر ملک ہمارا ہے؛ کیوں کہ وہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔)

یہ چند واقعات نمونے کے طور پر بیان کیے گئے ہیں، جن سے یہ بات بہ خوبی واضح ہوتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں کارفرما قوتِ ایمانی کا یہ اثر تھا کہ انسان وحیوانات، جمادات و نباتات، شیاطین و جنات ہر چیز ان کی فرماں برداری اور اطاعت شعاری، بندگی اور غلامی کے لیے تیار رہتی تھی۔ ان کے حکم کی تعمیل جنگل کے درندے اور جانور بھی کرتے تھے، ٹھاٹیں مارتے ہوئے دریا بھی ان کے خط کی تعمیل

کرتے تھے، جنگل کے درندے اور جانور بھی ان کی بات مانتے تھے، جنگل کا بادشاہ شیر بھی ایک مؤمن کی غلامی میں فخر محسوس کرتا تھا، شیاطین اور جنات ان کے سامنے سرنگوں اور عاجز ہو جاتے تھے۔

غور کرنا چاہیے کہ یہ کونسی طاقت تھی، جس نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا اور ان کو سربلندی اور عزت عطا کی؟ یہ صرف ایمانی قوت وطاقت تھی، اللہ پر اعتماد وتوکل کی برکت تھی اور تعلق مع اللہ کی کرشمہ سازی تھی۔

## کنکریوں نے کلمہ پڑھا

حدیثوں میں آتا ہے کہ ابوجہل ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے، اگر آپ بتادیں تو میں ایمان لاؤں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں بتاؤں کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تیرے ہاتھ کی چیز خود بتادے کہ میں کون ہوں، اس کے بعد فرمایا کہ اپنے ہاتھ کو اپنے کان کے قریب لے جاؤ، وہ جب اپنے کانوں کے قریب لے گیا، تو ہاتھ کی کنکریوں سے آواز آرہی تھی (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) لیکن اس پر اسے ہدایت نہیں ملی، اس نے ہاتھ کی کنکریوں کو پھینک دیا اور کہنے لگا کہ محمد کا جادو کنکریوں پر بھی چل گیا۔

دیکھیے! ابوجہل ہدایت پانا نہیں چاہتا تھا؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی اس کے کام نہ آیا۔

## بایزید بسطامی رحمۃ اللہ کے حضور میں

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے، ان کا انتقال ہوا، تو

کسی نے خواب میں ان کو دیکھ کر پوچھا کہ حضرت! اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو جواب دیا کہ جب پیشی ہوئی، تو اللہ نے پوچھا کہ بایزید! میرے لیے کیا لائے ہو؟ میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: اے اللہ! کوئی عبادت اس لائق نہیں کہ تیری جناب میں پیش کرسکوں، سب میں عیب وقصور ہے؛ البتہ تیرے لیے ''توحید'' لایا ہوں،؛ کیوں کہ میرا عقیدہ تو مضبوط تھا کہ تو ہی سب کچھ کرنے والا ہے، نفع کا مالک تو، نقصان کا مالک تو، مشکل کشا تو، حاجت روا تو؛ اس لیے میری جانب سے آپ کے لیے ''توحیدِ خالص'' کا تحفہ پیش ہے۔

فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا کہ اچھا! توحید لائے ہو؟ ذرا وہ دودھ کی رات والا قصہ یاد کرو، کیا یاد نہیں کہ تم نے کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد کردیا؟ تو میں نے لاعلمی ظاہر کی، تو اللہ نے خود یاددہانی فرمائی اور کہا: ایک رات تم نے دودھ پیا تھا، پھر تمہارے پیٹ میں درد ہوگیا، تو تم نے کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد پیدا کردیا۔ بتاؤ! درد میں پیدا کرتا ہوں، یا دودھ کرتا ہے؟ کیا یہی تمھاری توحید ہے؟ جس کو تم میرے دربار میں پیش کرنا چاہتے ہو؟ اس میں تو شرک کی آمیزش ہے۔ حضرت بایزید رَحِمَہُ اللّٰہُ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے اللہ! میرے پاس تو کچھ نہیں ہے، نہ کوئی عمل ونیکی، نہ ایمان وتوحید، جو تیرے شایانِ شان ہو؛ اس لیے محض تیرے فضل سے معاف فرمادے۔

## اللہ سے نہ مانگنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تنبیہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ بھی سن لیجیے! آپ کے دورِ خلافت میں ۱۸ ہجری میں پورے جزیرۂ عرب میں بڑا سخت قحط پڑا، جس کی وجہ سے لوگ مرنے لگے، حتیٰ کہ جانوروں کے جسم میں خون تک خشک ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

اطلاع ملی کہ مصر میں اناج و غلے کی پیداوار خوب ہو رہی ہے، آپ نے وہاں کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ یہاں ''حجاز'' میں غلے کی کمی ہے اور مصر میں اس کی فراوانی ہے؛ اس لیے تم یہاں والوں کے لیے غلہ روانہ کرو۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا:

''آپ مطمئن رہیں، میں اونٹوں پر لدوا کر اتنا غلہ بھیجوں گا کہ اگر پہلا اونٹ مدینہ میں ہوگا، تو آخری اونٹ مصر میں ہوگا۔''

غرض یہ کہ غلہ آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تقسیم کر دینے کا حکم فرمایا اور لوگ آ آ کر غلہ لے جا رہے تھے، ایک صحابی حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ جو جنگل میں رہتے تھے، انھوں نے جب غلے کے بارے میں سنا، تو چاہا کہ وہ بھی آ کر غلہ لے جائیں، ان کے پاس ایک بکری تھی، اس کو ذبح کیا کہ کچھ کھا پی کر چلیں؛ مگر اس بکری میں خون کا ایک قطرہ تک نہ نکلا، یہ دیکھ کر وہ صحابی رو پڑے اور اسی حالت میں ان کو نیند آ گئی اور سو گئے، خواب میں دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں اور فرماتے ہیں:

«اَبْشِرْ بِالْحَیَاۃِ ، اِئْتِ عُمَرَ، فَاقْرَئْهُ مِنِّي السَّلاَمَ وَ قُلْ لَّهُ اِنِّي عَهِدْتُّکَ وَ اَنْتَ وَفِيُّ الْعَهْدِ شَدِیْدُ الْعَقْدِ ، فَالْکَیْسُ اَلْکَیْسُ یَا عُمَرُ! »

(حیات کی خوشخبری سنو اور عمر کے پاس جا کر میرا سلام کہو اور ان سے کہو کہ میں نے تم سے ایک عہد لیا تھا اور تم وعدے کے پورا کرنے میں سخت اور پکے ہو، پس عقل سے کام لو، عقل سے کام لو!!)

حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوئے اور ان کے خادم سے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد

کے لیے اجازت لو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر خود باہر تشریف لائے، انھوں نے ساری بات آپ کو بتائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور باہر نکل کر لوگوں کو جمع کیا اور منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میرے طرزِ عمل میں آپ حضرات کوئی بات بری اور مکروہ دیکھتے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صورتِ حال بیان کی، تو بعض صحابہ نے کہا کہ آپ کی غلطی یہ ہے کہ آپ نے قحط سالی کے اس موقعے پر اللہ سے مانگنے کے بجائے، اپنے گورنر سے غلہ طلب کیا اور اللہ سے ''استسقاء'' ( پانی طلب ) نہیں کیا ، یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں آئی اور اس پر آپ کو تنبیہ کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! یہی بات ہے، پھر آپ نے نمازِ ''استسقاء'' پڑھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا فرمائی، اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ بادل منڈلا رہا ہے، پھر بارش ہونے لگی۔

(الکامل لابن الأثیر:۲/۳۸۳،تاریخ الطبری:۴/۲۶۳،البدایة و النهایة:۷/۴۶)

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ اللہ ہی کی طرف ہر معاملے میں رجوع کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اللہ ہی حاجت روا و مشکل کشا ہے، کوئی نبی وولی، کوئی پیر وفقیر، کوئی مولوی وعالم، کوئی شیخ وصوفی، نہ کسی کی بگڑی بنا سکتا ہے، نہ کسی کی حاجت روائی کرسکتا ہے اور نہ دستگیری کرسکتا ہے۔

# ذکر و تلاوت کی
# حلاوت و طاقت

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

(اقبال رحمہ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# نزولِ قرآن پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت

قرآن کی عظمت وجلالت اور اس کی بڑائی و بزرگی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ حدیث میں آتا ہے:

« قَالَتْ عَائِشَة : وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا. » (البخاري:۲/۱، الترمذي:۲۰۵/۲، النسائي:۱۴۹/۱)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول کو دیکھا کہ سخت سردی کے دنوں میں آپ پر جب وحی نازل ہوتی؛ تو وحی کے ختم ہونے کے بعد آپ کی پیشانی پر سے پسینہ بہنے لگتا۔)

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''جعرانہ'' مقام پر تھے، ایک صاحب نے عمرے کے بارے میں سوال کیا۔ آپ پر اسی دوران وحی نازل ہوئی، آپ کو کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے اشارہ کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ میں کپڑے میں جھانک کر دیکھا، تو آپ کا چہرا سرخ ہو گیا تھا اور آپ خراٹے لے رہے تھے۔ (مسلم:۳۷۳/۱)

علامہ نووی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ پر یہ کیفیت وحی کی شدت کی وجہ سے تھی۔

« عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ :كَانَ النَّبِي صلی اللہ علیہ وسلم

إذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ كُرِبَ لِذٰلِكَ وَتَرَبَّدَ لَهُ وَجْهُهُ.»

(مسلم:۶۵/۲)

(حضرت عبادہ بن الصامت ﷺ فرماتے ہیں کہ آپ پر وحی نازل ہوتی، تو اس کی وجہ سے آپ کو بوجھ معلوم ہوتا اور تکلیف معلوم ہوتی اور چہرے کا رنگ بدل جاتا۔)

ایک اور حدیث میں آیا ہے:

«عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ ﷺ قَالَ: كُنْتُ إِلٰى جَنْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَغَشِيَتْهُ السَّكِيْنَةُ، فَوَقَعَتْ فَخِذُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى فَخِذِيْ، فَمَا وَجَدْتُ ثِقْلَ شَيْءٍ أَثْقَلَ مِنْ فَخِذِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.» (أبو داود:۳۳۹/۱)

(حضرت زید بن ثابت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بازو تھا کہ آپ کو (نزولِ وحی کے وقت) سکینے نے ڈھانپ لیا اور آپ کی ران مبارک میری ران پر پڑ گئی، تو میں نے محسوس کیا کہ اللہ کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ران سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہیں ہے۔)

غور کیجیے کہ اللہ کی وحی اور اللہ کا کلام کس قدر عظیم وثقیل چیز ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس کی وجہ سے سخت سردی میں پسینے میں شرابور ہو جاتے ہیں اور آپ کا بدن مبارک اس کے وزن سے وزنی ہو جاتا ہے؛ حتی کہ صحابہ بھی آپ کے وزن کو محسوس فرماتے ہیں۔ چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور خراٹے جیسی آواز زبان مبارک سے نکلتی ہے۔

یہ ہے اللہ کا کلام!! اس کی عظمت و بڑائی کو دیکھو! اس کی شان وجلالت کا اندازہ

کرو!اس کی بزرگی وبلندی کا احساس کرو!۔

## قرآن کا اثر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر

قرآن مجید کا اثر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر ہوتا تھا کہ آپ کی حالت متغیر ہو جاتی تھی۔ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم قرآن پڑھو، میں اس کو سنوں گا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کیا پڑھوں؟ جب کہ قرآن تو خود آپ پر نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، تم مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ چناں چہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن پڑھنا شروع کیا اور سناتے رہے، بہت دیر کے بعد انھوں نے سر اٹھا کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہ ڈالی تو دیکھتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھوں سے آنسوں جاری ہیں۔

## تلاوتِ قرآن پر نزولِ "سکینہ"

تلاوتِ قرآن مجید کا ایک فائدہ یہ ہے کہ تلاوت کے وقت اللہ کی طرف سے سکینہ اور فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

"بخاری" وغیرہ کتبِ حدیث میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ قرآن پڑھ رہے تھے، رات کا وقت تھا اور ﴿سُورَةُ الْبَقَرَة﴾ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے قریب بندھا ہوا تھا، اچانک وہ اچھل کود کرنے لگا، تو صحابی خاموش ہو گئے، تو وہ بھی ٹھہر گیا۔ پھر انھوں نے پڑھنا شروع کیا، تو وہ اچھلنے لگا، ایسے ہی تین دفعہ ہوا۔ ان کا بچہ گھوڑے کے قریب تھا جس کا نام "یحیٰ" تھا۔ ان صحابی کو خوف ہوا کہ کہیں یہ گھوڑا اس بچے کو روند نہ ڈالے۔ اس لیے انھوں نے بچے کو وہاں

سے ہٹالیا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا، تو عجیب منظر نظر آیا کہ ایک بادل ہے، اس میں چراغ کے مانند بہت سی روشنیاں ہیں۔ انھوں نے یہ قصہ اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو سنایا تو آپ نے فرمایا کہ اسید! تم پڑھتے رہتے تو اچھا ہوتا!۔ جانتے ہو وہ کیا تھا؟ حضرت اسید ﷛ نے فرمایا کہ نہیں، تو آپ نے بتایا کہ یہ اللہ کی طرف سے فرشتے آئے تھے، جو تمھاری تلاوت کی آواز کی وجہ سے قریب ہو گئے تھے۔ اگر آپ پڑھتے ہی رہتے، تو فرشتے لوگوں کو دکھائی دیتے۔ (البخاري:۲/۷۵۰، مسلم:۱/۲۶۹)

## حضرت عمر ﷛ پر قرآن کا اثر

حضرت عمر بن خطاب ﷛ کے اسلام لانے کا واقعہ مشہور ہے اور تمام کتبِ سیر اور تاریخ میں مذکور ہے کہ وہ اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو قتل کرنے کے لیے نکلے تھے، راستے میں حضرت نعیم ﷛ ایک صحابی سے ملاقات ہوگئی، حضرت نعیم کے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں آج محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا سر قلم کرنے جارہا ہوں، (نعوذ باللہ) انھوں نے کہا کہ آپ ادھر کیا جاتے ہیں! پہلے آپ اپنے گھر کی خبر لو کہ تمھاری بہن ''فاطمہ'' اور بہنوئی دونوں محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر قربان ہو چکے ہیں۔ عمر یہ سن کر بہن کے گھر کا رخ کرتے ہیں اور بہن اور بہنوئی کو خوب مارتے ہیں، جب تھک کر بیٹھتے ہیں، تو خیال ہوتا ہے کہ یہ لوگ (مسلمان) قرآن پڑھتے ہیں اور وہاں ان کے بہن اور بہنوئی بھی پڑھ رہے تھے، آخر وہ کیا اور کس قسم کا کلام ہے؟ بہن سے کہا مجھے قرآن دکھاؤ، غسل کے بعد بہن نے عمر کے ہاتھ میں قرآن کے اوراق رکھ دیے، جن میں ﴿سُورَةِ طٰهٰ﴾ کی ابتدائی آیات لکھی ہوئی تھیں، حضرت عمر نے جوں ہی ان کو پڑھا، دل کی کایا پلٹ ہوگئی، کہنے لگے کہ مجھے بھی

محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی خدمت میں لے چلو کہ ایمان قبول کروں۔

وہ عمر جو محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا سر قلم کرنے نکلے تھے، قرآن کی تاثیر سے اپنا سر محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے قدموں میں ڈال آئے۔ یہ قرآن کی سحر آفرینی اور اعجاز نمائی نہیں تو اور کیا ہے؟!!

## سردارانِ قریش کی قرآن سے لذت اندوزی

علامہ سیوطی رَحِمَهُ اللهُ نے ''خصائص'' میں بہ روایت ابن اسحاق وبیہقی سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل، اخنس بن شریق اور ابوسفیان ایک دوسرے سے چھپ کر اللہ کے نبی علیہ السلام کی زبان سے قرآن سننے کے لیے گئے اور اس وقت اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مصروف نماز تھے اور تلاوت فرمارہے تھے، یہ تینوں اپنے زاویوں پر بیٹھے محوِ سماعت تھے؛ حتی کہ صبح ہوگئی اور آپ نے نماز ختم کی، تو وہ جانے لگے، ایک جگہ تینوں کی ملاقات ہوگئی اور اس طرح کا واقعہ تین رات مسلسل ہوتا رہا۔ وہ لوگ باوجود شدید مخالفت کے قرآن سے لذت اندوزی کرتے تھے۔ سوچیے کہ آخر یہ کیا بات تھی کہ ان کو رات رات بھر اپنی نیند قربان کر کے قرآن سننے پر مجبور کر رہی تھی، یہ وہی قرآن کا جادو تھا اور اس کے اعجاز کا کرشمہ تھا!!۔

## نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کی تلاوت

کفارِ مکہ کے ظلم سے مجبور ہو کر جب چند صحابہؓ کرام نے مکے سے ہجرت کی اور ملکِ ''حبشہ'' تشریف لے گئے، تو وہاں بھی ان کفار نے تعاقب کیا اور اپنے لوگوں کو بھیجا کہ جا کر حبشہ کے بادشاہ سے ان مسلمانوں کی شکایت کریں اور وہاں سے ان کو مکہ واپس لوٹنے پر مجبور کریں۔ جب بادشاہ سے شکایت کی گئی، تو وہاں کے بادشاہ

نجاشی ''اصحمہ'' نے مسلمانوں کو تحقیق حال کے لیے بلایا اور ان سے احوال معلوم کیے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا اور اسلام اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اس نبی پر کیا اللہ کی طرف سے کوئی کلام بھی نازل ہوا ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ﴿سُوْرَۃ مَرْیَمْ﴾ کی آیات کو پرسوز انداز میں تلاوت کیا؛ پھر دربار میں جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے تلاوت کی، تو ایک طرف بادشاہ پر گریہ طاری ہوگیا اور دوسری طرف تمام درباری لوگوں پر گریہ طاری ہوگیا، سب کے سب رونے لگے اور بادشاہ نے کہا کہ یہ کلام اسی سرچشمے سے نکلا ہے، جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی ''انجیل'' نکلی تھی۔

## ایک بڑھیا کا قرآن سے عشق

حضرت امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ جو جلیل القدر محدث اور رفیع الشان فقیہ اور اکابر صوفیا میں سے ہیں۔ وہ ایک مرتبہ حج کو گئے، حج کے بعد کسی جگہ جا رہے تھے، راستے میں ایک جگہ محسوس ہوا کہ کوئی چیز کپڑے میں لپٹی ہوئی ہے۔ قریب جا کر دیکھا، تو محسوس ہوا کہ کوئی انسان ہے، انھوں نے سلام کیا، تو اس کپڑے کے اندر سے ایک بوڑھی عورت نے جواب دیا۔ امام ابن مبارک رحمہ اللہ نے اس سے مختلف سوالات کیے، تو آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب اس نے ہر سوال کے جواب میں قرآنی آیات پڑھیں، جن سے ان سوالات کا جواب نکلتا تھا۔ واقعہ بہت تفصیلی اور لمبا ہے۔ یہاں چند سوالات اور ان کے جوابات جو ان دونوں کے مابین ہوئے وہ نقل کرتا ہوں:

امام صاحب نے پوچھا کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ وہ کہنے لگی:

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ﴾ (الأعراف :١٨٦)

(اللہ جس کو گمراہ کر دے اس کا کوئی رہنما نہیں۔)

امام صاحب نے سمجھ لیا کہ یہ راستہ بھٹک گئی ہے؛ اس لیے پوچھا کہاں جانا چاہتی ہو؟ اس عورت نے قرآن کی آیت پڑھی:

﴿ سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى ﴾ (الإسراء :١)

(پاک ہے، وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت ''مسجدِ حرام'' سے ''مسجدِ اقصیٰ'' تک سیر کرائی۔)

آپ سمجھ گئے کہ یہ مکے سے ''بیت المقدس'' جارہی ہے اور راستہ بھٹک گئی ہے۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے پوچھا کہ کتنے دن سے یہاں بیٹھی ہو؟ کہنے لگی:

﴿ثَلاَثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ (مریم :١٠) (پورے تین راتوں سے)

آپ نے پوچھا: کیا کچھ کھاؤ گی؟ کہنے لگی:

﴿اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّلْيلِ﴾ (البقرة :١٨٧) (روزوں کو رات تک پورا کرو)

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں راستے میں ترنم سے شعر پڑھنے لگا، تو اس بوڑھیا نے کہا:

﴿فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنَ﴾ (المزمل :٢٠)

(قرآن میں سے جو ہو سکے پڑھو۔)

اس طرح جتنے سوالات حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کیے، وہ عورت ہر سوال کا جواب قرآن کی آیات ہی سے دیتی۔ جب وہ اس کے بیٹوں کے پاس اس کو پہنچا چکے، تو ان سے پوچھا کہ تمھاری ماں کیا، قرآن کے سوا کچھ نہیں بولتی؟

تو اس کے بیٹوں نے بتایا کہ ہماری ماں نے عہد کیا ہے کہ قرآن کے سوا کچھ نہیں بولوں گی اور یہی حالت ان کی چالیس سال سے ہے۔

اللہ اکبر! کیا عشق ومحبت ہے قرآن سے!! اس طرح قرآن سے محبت ہو۔ یہ قرآن کا حق ہے۔

## آگ جلا نہیں سکی - ذکر اللہ کی برکت

ذکر اللہ کی برکت سے جان و مال کی حفاظت کس طرح ہوتی ہے؟ اس کا اس واقعے سے اندازہ کیجیے۔ حضرت ابو درداؓ معروف صحابی ہیں۔ بڑے فضائل ومناقب کے حامل ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے خبر دی کہ آپ کا گھر جل گیا، آپ نے کہا کہ نہیں جلا، پھر دوسرا آدمی آیا اور کہا کہ اے ابو درداؓ! آگ بھڑک اُٹھی تھی؛ لیکن جب آپ کے گھر تک پہنچی تو بجھ گئی۔ آپ نے کہا کہ میں جانتا تھا کہ اللہ ایسا نہیں کرے گا۔ لوگوں نے کہا کہ اے ابو درداؓ! ہمیں نہیں معلوم کہ آپ کی کونسی بات زیادہ تعجب خیز ہے؟ آپ کی یہ بات کہ گھر نہیں جلا، یا یہ بات کہ اللہ ایسا نہیں کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میں نے اس لیے کہا تھا کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے چند کلمات سنے تھے کہ جو ان کو صبح میں پڑھتا ہے، اس کو شام تک کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور جو شام میں پڑھتا ہے، اس کو صبح تک کوئی مصیبت نہیں پہنچتی، وہ یہ ہیں:

« اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لاَ إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ ، عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ ، وَأَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ، مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَ مَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ ، أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْماً ، أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ

نَفْسِيْ وَمِنْ دَآبَّةٍ ، أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ، إِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ »

(تاريخ دمشق لابن عساكر:۴/۳۷ و مختصر تاريخ دمشق:۱/۳۶۸۸، التدوين في أخبار قزوين:۴/۵۳، كنز العمال:۴۹۶۰)

(اے اللہ! آپ ہی میرے رب ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ہی پر میں توکل کرتا ہوں اور آپ ہی عرشِ عظیم کے رب ہیں، جو اللہ چاہتے ہیں، وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہیں، وہ نہیں ہوسکتا۔ میں جانتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہے اور یہ کہ اللہ ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اے اللہ! میں میرے نفس کے شر سے اور ہر مخلوق جس کی پیشانی آپ کے قبضے میں ہے، اس کے شر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔)

غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پاکیزہ کلمات کی برکت سے کس طرح حضرت ابو درداؓ کے مکان کی حفاظت فرمائی۔ پہلے تو آگ بھڑک اُٹھی اور پھیلتے ہوئے آگے تک چلی گئی؛ حتیٰ کہ لوگ پریشان ہو کر حضرت ابو درداؓ کے مکان کے متعلق بھی خدشہ کرنے لگے اور ان کو ان کے مکان کے بارے میں خطرے سے آگاہ کیا؛ مگر لوگوں نے یہ حیرت انگیز واقعہ اور قدرتِ خداوندی کا کرشمہ دیکھا کہ وہ آگ جب حضرت ابو درداؓ کے مکان تک پہنچی، تو اچانک بجھ گئی۔

کیا یہ حیرت انگیز واقعہ نہیں ہے اور ان کلمات کی برکت کا اثر نہیں ہے؟!!

## حجاج بن یوسف کی بے بسی

حضرت انس بن مالکؓ ایک موقعے پر حجاج بن یوسف جو ایک ظالم بادشاہ

تھا، اس کے پاس گئے، تو اس نے ان کو بہت سے گھوڑے دکھائے اور گستاخانہ کہا کہ کیا تمھارے صاحب (نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے پاس تم نے اِس جیسا دیکھا ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس اس سے عمدہ چیز دیکھی ہے۔ میں نے آپ سے سنا کہ گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ کہ آدمی اس کو اللہ کے راستے کے لیے پالتا ہے۔ اس قسم کے گھوڑے کے بال، اس کا پیشاب، اس کا خون اور گوشت سب قیامت کے دن اس آدمی کے ترازو میں رکھا جائے گا۔ دوسرا یہ کہ آدمی محض اپنے پیٹ کے لیے گھوڑا پالتا ہے اور تیسرے یہ کہ وہ ریا وشہرت کے لیے پالتا ہے۔ پھر حجاج سے کہا کہ تیرے یہ گھوڑے اسی ریا وشہرت کے لیے ہیں۔

اس پر حجاج نہایت غضبناک ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تم نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت نہ کی ہوتی، تو میں تم کو ایسا اور ایسا کر دیتا (یعنی مارتا یا قتل ہی کر دیتا) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"كَلَّا ! لَقَدِ احْتَرَزْتُ مِنْكَ بِكَلِمَاتٍ لَا أَخَافُ مِنْ سُلْطَانٍ سَطْوَتَهُ وَلَا مِنْ شَيْطَانٍ عُتُوَّتَهُ."

(تو ہرگز کچھ نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ میں چند کلمات کے ذریعے تیرے شر سے محفوظ ہو چکا ہوں، میں نہ کسی سلطان کی طاقت سے ڈرتا ہوں اور نہ کسی شیطان کی سرکشی سے۔)

یہ سن کے وہ ذرا ٹھنڈا ہوا اور کہنے لگا کہ اے ابوحمزہ! ہمیں بھی وہ کلمات سکھا دو، آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں تجھے اس کا اہل نہیں دیکھتا؛ پھر ایک زمانے کے بعد جب حضرت انس رضی اللہ عنہ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے، تو ان کے خادم حضرت ابان

نے عرض کیا کہ حضرت! آپ سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں، فرمایا کہ جو چاہو پوچھو، کہا کہ وہ کیا کلمات ہیں، جن کا حجاج نے آپ سے مطالبہ کیا تھا؟ فرمایا کہ ہاں! میں تم کو اس کا اہل دیکھتا ہوں۔ میں نے اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی دس برس خدمت کی اور آپ میرے سے راضی ہو کر دنیا سے گئے اور تم نے بھی میری دس سال خدمت کی ہے اور میں دنیا سے جا رہا ہوں، جب کہ میں تم سے راضی ہوں، جب تم صبح کرو یا شام کرو تو یہ پڑھ لیا کرو:

« اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَدِيْنِيْ ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى أَهْلِيْ وَمَالِيْ ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ أَعْطَانِيْ رَبِّيْ ، بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ ، بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ دَاءٌ، بِسْمِ اللّٰهِ افْتَتَحْتُ وَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ، تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَرَبُّ الْأَرَضِيْنَ وَمَا بَيْنَهُمَا ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُ كَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ، اِجْعَلْنِيْ فِيْ جِوَارِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ، فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ »

(كنز العمال:۵۰۲۱، التدوين في أخبار قزوين:۱/۱۲۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذکر اور اس کی تسبیح میں بڑی طاقت ہے اور اللہ اس کی برکت سے ظالم کے ظلم سے حفاظت فرماتے ہیں، اگر چہ وہ بادشاہ وامیر ہی کیوں نہ ہو، وہ اس کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔

کیا ہم کو اللہ سے اس قسم کے تعلق کی ضرورت اپنے دشمنوں اور ظالم بادشاہوں اور سیاسی لیڈروں کے مظالم سے بچنے کے لیے نہیں ہے؟

## ذکر اللہ سے معرفت ومحبت کا عکس دل پر پڑتا ہے

جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اللہ ان کے دل میں بسیرا کرتا ہے، کیسا بسیرا؟ ایک عجیب وغریب واقعہ سنیے۔ آپ نے ''مہدوی'' فرقے کا نام سنا ہوگا، اس فرقے کے بارے میں تمام علما کا کہنا ہے کہ یہ گمراہ فرقہ ہے اور کافر ہے۔

اس فرقے کے جو بانی تھے، وہ بانی بنالیے گئے ہیں، وہ خود شاید بانی نہ ہوں، لوگوں نے ان کو بانی قرار دے لیا ہے، بہ ہر حال یہ لوگ جن کو مانتے ہیں، ان کا نام ہے ''محمد جونپوری''۔ جونپور (یوپی) کے رہنے والے تھے۔ ان کے بارے میں مؤرخین کی رائے مختلف ہے: بعض کہتے ہیں کہ یہ غلط قسم کے آدمی تھے، لوگوں کو ایک گمراہی پر ڈال گئے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صوفی منش آدمی تھے، اللہ والے تھے، بہ ہر حال وہ جیسے بھی تھے۔

ان کا ایک واقعہ سنانا ہے، وہ یہ کہ انھوں نے اپنے کچھ لوگوں کے ساتھ غیروں سے جہاد کرنا شروع کیا، مختلف جگہ ان کی فوجیں جاتی تھیں اور جہاد کرتی تھیں، تاریخ میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک جگہ ''راجا دلیپ راؤ'' اور محمد جونپوری کی فوج کا آمنا سامنا ہوا اور آپس میں دونوں کا مقابلہ ہوا اور اس مقابلے میں محمد جونپوری نے بادشاہ کے اوپر حملہ کیا، وار کاری تھا، راجا گرا اور گر کر مر گیا؛ یہاں تک کہ اس کا سینہ پھٹ

کر دل باہر نکل آیا، جب اس کا دل نکل کر باہر آ گیا، تو لوگوں نے ایک عجیب وغریب بات یہ دیکھی کہ اس کے دل کے اوپر اس مورتی کی تصویر تھی، جس کی وہ پوجا کیا کرتا تھا، اس طرح جیسے چھپی ہوئی تصویر ہوتی ہو، اس کا کیا مطلب ہوا؟ مطلب یہ کہ جب وہ کافر بادشاہ پورے دھیان وتوجہ کے ساتھ اپنی مورتی کی پوجا کرتا تھا، تو دل نے اس کا عکس قبول کر لیا۔

بھائیو! ذرا سوچو کہ جو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا، تو کیا خدا تعالیٰ کی معرفت ومحبت کا عکس اس کے دل پر نہیں آئے گا، کیوں نہیں؟ ضرور بالضرور آئے گا!!

لہٰذا اللہ کو، اللہ کی محبت کو اپنے دل میں بسانے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کا ذکر کریں، اس کی طرف دھیان لگائیں، اس کی طرف محبت کے ساتھ متوجہ ہو جائیں۔

## جو دل اللہ سے غافل ہو، وہ مردہ ہے

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت بایزید بسطامی رَحِمَہُ اللہُ سے ملاقات کے شوق میں اپنے وطن سے نکلا، سفر کرتا ہوا ایک راستہ میں ایک جگہ درخت کے سایے میں آرام کرنے لیٹا، تو دیکھا کہ دو چڑیاں آپس میں بات کر رہی ہیں اور یہ شخص چڑیوں کی بولی جانتا تھا۔ درمیان میں حضرت نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو چرند پرند کی بولی سکھا دیتے ہیں، یہ کوئی مستبعد بات نہیں ہے اور قرآن سے بھی ثابت ہے۔ حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَامُ کے بارے میں ہے ﴿عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ﴾ (النمل: ۱۶) حضرت سلیمان نے فرمایا کہ ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔

الغرض ان میں سے ایک چڑیا دوسری چڑیا سے کہہ رہی تھی کہ معلوم ہے یہ آدمی جو درخت کے نیچے ہے، کہاں جا رہا ہے؟ دوسری چڑیا نے کہا: یہ بایزید بسطامی رَحِمَہُ اللہُ کے پاس جا رہا ہے، تو اس چڑیا نے کہا: ان کا تو انتقال ہو گیا، یہ

شخص یہ بات سن کر پریشان ہوا اور واپسی کا ارادہ کرلیا، پھر سوچا کہ جب نکلا ہی ہوں، تو جا کر زیارت کرلوں، پھر آگے سفر جاری رکھا اور بایزید بسطامی رَحِمَہُ اللہُ کے پاس پہنچا، تو دیکھا کہ وہ تو باحیات ہیں، ملاقات کی، گفت وشنید کے بعد رخصتی کے وقت کہنے لگا کہ حضرت! ایک بات پوچھنی ہے، پھر چڑیا والا سارا قصہ سنایا، بایزید بسطامی رَحِمَہُ اللہُ چونکے اور دریافت کیا کہ یہ کس دن اور کس وقت کا واقعہ ہے؟ اس نے بتایا کہ فلاں دن اور فلاں وقت کا واقعہ ہے۔ حضرت بایزید کہنے لگے کہ ہاں بھائی! چڑیا سچ کہہ رہی تھی، اس وقت کچھ دیر کے لیے میرا دل اللہ سے غافل ہو گیا تھا، اللہ سے دل کا غافل ہونا، دل کا مردہ ہونا ہے۔

اللہ اکبر! ہمارا حال کیا ہے، ان کا دل تو کچھ دیر کے لیے مردہ ہوا تھا، ہمارا دل ہمیشہ مردہ رہتا ہے، ہم اللہ کا ذکر ہی نہیں کرتے، عجیب اور حیرت انگیز واقعہ ہے، اس واقعے سے ہمیں عبرت حاصل کرنا چاہیے اور ہمیشہ اللہ کا ذکر کرنا اور اس کا دھیان رکھنا چاہیے۔

## دعا کی برکت اور کفار کی بے بسی

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رَحِمَہُ اللہُ نے ''آپ بیتی'' میں تقسیم ہند کے وقت کی سازشوں اور فتنوں اور قتل وغارت گریوں کے تذکرے میں اپنے ایک متعلق ''الحاج بابوایاز صاحب رَحِمَہُ اللہُ'' کا ایک حیرت انگیز واقعہ لکھا ہے۔ وہ یہ کہ اس دور میں ان فتنوں کی وجہ سے دہلی سے نظام الدین کو آنا جانا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا، راشن بھی بازار جا کر لانا سخت خطرناک ومصیبتِ عظمیٰ تھا، سارے راستے مخدوش ومسدود تھے، راشن سبزی منڈی میں ملتا تھا، جہاں سکھ ہی سکھ تھے، کسی کی ہمت وہاں جانے کی نہیں ہوتی تھی؛ مگر الحاج بابوایاز صاحب رَحِمَہُ اللہُ اسی حال میں وہاں سے راشن لایا کرتے تھے، ان کے اس طرح جانے سے لوگ حیرت کرتے

تھے۔ایک دفعہ وہ سبزی منڈی سے راشن لے کر نظام الدین آرہے تھے،وہاں سے ایک تانگہ لیا،اس میں ایک بابو جی اور تین سکھ سوار تھے،دلی سے باہر نکل کر ان سکھوں نے یہ کہا کہ تو ہمارے بیچ میں کیسے بیٹھ گیا اور اگر ہم تجھ کو ختم کر دیں،تو پھر کیا ہو؟ انھوں نے نہایت جوش اور جرأت و بے باکی سے کہا کہ تم مجھ کو ہر گز نہیں مار سکتے اور ہمت ہو،تو مار کر دکھلاؤ۔وہ بھی سوچ میں پڑ گئے،آپس میں کچھ اشارے کنائے بھی ہوئے اور آستینیں سونت کر کہنے لگے کہ ہم کیوں نہیں مار سکتے؟ انھوں نے اس سے زیادہ جوش سے کہا کہ میرے پاس ایک چیز ہے،تم میرے مارنے پر قادر ہی نہیں ہو سکتے،وہ اللہ کے فضل سے کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ نظام الدین تک سوچتے ہی رہے اور اشارے بھی کرتے رہے۔ان سے اُترتے وقت پوچھا کہ تم وہ چیز بتلا دو کیا ہے؟ بابو جی نے کہا کہ وہ چیز بتلانے کی نہیں ہے اور باقی تم دیکھ چکے ہو کہ تم لوگ باوجود ارادے کے مجھے مار نہ سکے۔حضرت شیخ الحدیث رَحِمَہُ اللہُ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا بات تھی؟ انھوں نے فرمایا کہ آپ ہی نے مجھے ایک دعا بتلائی ہے:

«اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَجْعَلُکَ فِيْ نُحُوْرِھِمْ وَ نَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ.»

میں یہ پڑھتا تھا۔ (آپ بیتی رشیخ الحدیث مولانا زکریا:۱/۵۴۰)

## ''آیۃ الکرسیٰ'' کا کرشمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو زکاۃ کے مال پر نگران مقرر فرمایا،ایک شخص آیا اور مٹھی بھر کر جانے لگا،انھوں نے اس کو پکڑ لیا،تو عذر کیا کہ میں محتاج ہوں،میرے ذمے اہل و عیال ہیں اور میں سخت حاجت مند ہوں۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا،صبح ہوئی تو اللہ کے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ وہ تمھارا قیدی کیا ہوا؟ انھوں نے کہا کہ اس نے حاجت بتائی، تو میں نے اس کو چھوڑ دیا، آپ نے فرمایا کہ وہ دوبارہ آئے گا، چناں چہ وہ دوسری رات بھی آیا اور مٹھی بھر کر جانے لگا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر اس کو پکڑ لیا، اس نے پھر وہی اپنی حاجت وضرورت کا اظہار کیا، تو انھوں نے چھوڑ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح پھر پوچھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دیا۔ آپ نے پھر فرمایا کہ وہ پھر آئے گا اور اسی طرح پھر تیسری رات بھی وہ آیا؛ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اب اس کو پکڑ لیا اور فرمایا کہ میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، تو بار بار وعدہ کرتا ہے کہ نہیں آؤں گا؛ مگر پھر وہی حرکت کرتا ہے، میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا۔ اس پر اس نے کہا کہ اگر تم مجھے چھوڑ دو؛ تو میں تم کو کچھ کلمات سکھاتا ہوں جو تم کو نفع دیں گے، حضرت ابو ہریرہ نے پوچھا کہ وہ کیا ہیں؟ تو کہا کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو، تم ''آیۃ الکرسی'' پڑھ لو، تمھارے لیے اللہ کی جانب سے ایک محافظ مقرر ہو جاتا ہے اور صبح ہونے تک شیطان تمھارے قریب نہیں آسکتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا اور جب صبح ہوئی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قصہ سنایا، آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا اگرچہ کہ وہ جھوٹا ہے، کیا جانتے ہو کہ وہ کون تھا؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ شیطان تھا۔ (البخاري:۱/۱۳۰)

## شیطان قریب نہیں آئے گا

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک طاقچہ تھا، جس میں چھوارے رکھے جاتے تھے، پس جن آتا اور اس میں سے اُٹھا لے جاتا، انھوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ جب تم اس کو دیکھو، تو یوں کہنا:

« بسم الله أجيبي رسول اللّٰه »

چناں چہ انھوں نے اس کو پکڑا اور قسم لی کہ آئندہ نہیں آئے گا اور اسی طرح تین مرتبہ ہوتا رہا کہ وعدہ کرتا، پھر بھی آتا، تیسری دفعہ کہا کہ میں تم کو ایک بات بتاتا ہوں کہ ''آیۃ الکرسی'' گھر میں پڑھ لو؛ تو شیطان تمہارے قریب بھی نہ آئے گا، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا؛ تو فرمایا کہ اس نے صحیح بات کہی، اگر چہ وہ جھوٹا ہے۔ (الترمذي:۲۸۰۵،مسند أحمد:۲۲۴۸۸)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شیاطین کے ناکام حملے

حدیث میں خود نبیٔ کریم کا ایک واقعہ آیا ہے، حضرت ابو التیاح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد الرحمٰن بن خنبش رضی اللہ عنہ سے جو کہ بہت بوڑھے تھے، پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! میں نے کہا کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شیاطین نے پکڑ لیا تھا، تو آپ نے کیا کیا تھا؟ انھوں نے کہا کہ شیاطین وادیوں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے اور آپ پر پہاڑ کو ڈھکیل دیا اور ایک شیطان کے ساتھ آگ کا ایک شعلہ تھا، اس نے آپ کو جلانے کا ارادہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈر گئے اور پیچھے کی طرف ہٹ گئے۔ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد! پڑھیے! آپ نے کہا کہ کیا پڑھوں؟ کہا کہ یہ پڑھیے، جب آپ نے یہ پڑھا، تو شیاطین کی وہ آگ بجھ گئی اور اللہ نے ان کو ہزیمت دیدی، وہ دعا یہ ہے:

« أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَايُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّ لَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَ ذَرَأَ وَ بَرَأَ ، وَمِنْ شَرِّمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا ، وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَأَ فِي الْأَرْضِ،

وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا ، وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ إِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ. »

(میں اللہ کے کلماتِ تامات کے ذریعے جن سے کوئی نیک یا بد آگے نہیں جاسکتا، پناہ پکڑتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا، وجود دیا اور پھیلایا ہے اور اس چیز کے شر سے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اس سے جو اس میں چڑھتی ہے اور اس سے جو زمین میں پھیلتی ہے اور اس سے جو اس سے نکلتی ہے اور اس رات ودن کے فتنوں کے شر سے بھی اور ہر رات میں آنے والے کے شر سے بھی، سوائے اس کے جو خیر لے کر آئے، اے رحمٰن!)

(ابن أبي شيبة:۵۱/۵،مسند أحمد:۴۱۹/۳، كنز العمال:۵۰۱۸، الترغيب والترهيب :۳۰۳/۲۔ اس حدیث کو امام منذری رَحِمَہُ اللہُ نے "الترغیب" میں ذکر کرکے فرمایا کہ امام احمد وامام ابویعلی رحمہما اللہ کی سندیں جید ہیں۔)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی بعینہٖ اسی طرح کا قصہ مروی ہے۔

(دیکھو:السنن الكبرى للنسائي:۲۳۷/۶،المعجم الأوسط للطبراني:۱۸/۱، عمل اليوم الليلة للنسائي:۵۳۰/۱)

## حضرت عروہ رَحِمَہُ اللہُ پر قابو پانے سے شیاطین عاجز

ایک عجیب واقعہ سنیے! حضرت عروہ بن الزبیر رَحِمَہُ اللہُ حضرت اسما بنت ابی بکر الصدیق کے صاحب زادے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں۔ان کا ایک عجیب وحیرت انگیز واقعہ کتابوں میں لکھا ہے: وہ یہ کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رَحِمَہُ اللہُ خلیفہ بننے سے پہلے کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی چھت پر سویا ہوا تھا کہ راستے پر آوازیں محسوس کیا اور جھانک کر دیکھا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ شیاطین

جوق در جوق آرہے ہیں؛ یہاں تک کہ میرے مکان کے پیچھے ایک کھنڈر میں جمع ہوگئے؛ پھر ابلیس بھی آ گیا اور اس نے چیخ کر کہا:

'' من لي بعروة بن الزبير؟''

(کون میرے پاس عروہ بن الزبیر کولائے گا؟)

ایک جماعت کھڑی ہوئی اور کہا کہ ہم لائیں گے، پس گئے اور واپس چلے آئے اور کہا کہ ہم ان پر قادر نہ ہوسکے، ابلیس نے پھر چیخ کر کہا:

'' من لي بعروة بن الزبير؟''

(کون میرے پاس عروہ بن الزبیر کولائے گا؟)

تو ایک اور جماعت اُٹھی اور کہا کہ ہم لائیں گے اور یہ جماعت بھی جا کر واپس آ گئی اور کہا کہ ہم ان پر قادر نہیں ہوسکے۔ اس پر وہ پھر بہت زور سے چیخا؛ حتیٰ کہ میں یہ سمجھا کہ زمین شق ہوگئی پھر چیخ کر کہا:

'' من لي بعروة بن الزبير؟''

(کون میرے پاس عروہ بن الزبیر کولائے گا؟)

تو ایک تیسری جماعت اُٹھی اور کہا کہ ہم لائیں گے اور یہ جماعت بھی جا کر بہت دیر میں واپس آ گئی اور کہا کہ ہم ان پر قادر نہیں ہوسکے، اس پر ابلیس غضبناک ہو کر چلا گیا اور شیاطین بھی اس کے پیچھے ہوگئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ یہ واقعہ دیکھ کر حضرت عروہ بن الزبیر رحمۃ اللہ کے پاس گئے اور یہ سارا واقعہ سنایا، تو انھوں نے کہا کہ میرے والد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ جو بھی شخص صبح یا شام اس دعا کو پڑھتا ہے، اللہ اس کو ابلیس اور اس کے لشکر سے محفوظ رکھتے ہیں، وہ دعا یہ ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ذِيْ الشَّأْنِ، عَظِيْمِ الْبُرْهَانِ، شَدِيْدِ السُّلْطَانِ، مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ»

(اللہ کے نام سے جو شان والا ہے، بڑی دلیل والا ہے، زبردست سلطنت والا ہے، جو اللہ چاہے وہ ہوتا ہے، میں شیطان سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔)

(تاریخ ابن عساکر:۴۰/۲۶۷،مختصر تاریخ دمشق:۲۲۷۶/۱، کنز العمال:۵۰۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ ابلیس اور اس کا پورا لشکر حضرت عروہ بن الزبیر پر اس دعا کی برکت سے قادر نہ ہوسکا، جو انھیں اپنے والد کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی تھی۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شیطان کو کشتی میں پچھاڑ دیا

ابووائل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شیطان اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک آدمی کو ملا اور ان سے کشتی کی، مسلمان نے اسے پچھاڑ دیا اور اس نے انگوٹھے کو کاٹا تو شیطان نے کہا کہ مجھے چھوڑ دے، میں تجھے ایسی آیت سکھاتا ہوں کہ ہم شیاطین میں سے جب کوئی اس کو سنتا ہے، تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے؛ تو ان صحابی نے اسے چھوڑ دیا؛ مگر شیطان نے اس آیت کے سکھانے سے انکار کردیا، تو پھر ان میں کشتی ہوئی مسلمان نے اسے پھر پچھاڑ دیا اور اسکا انگوٹھا دبایا اور کہا کہ وہ آیت بتادے، اس نے انکار کردیا کہ وہ آیت سکھائے، سہ بارہ ان میں پھر کشتی ہوئی؛ تو شیطان نے کہا کہ وہ آیت ﴿سُوْرَةُ الْبَقَرَة﴾ میں ہے، یعنی ''آیت الکرسی''۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اے ابوعبدالرحمان! یہ کس صحابی کا تذکرہ ہے؟ انھوں نے کہا کہ سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کون ہوسکتا ہے۔

(حیاۃ الصحابۃ:۳۶۹/۴)

# دعا میں وسیلہ

ایک حدیث میں ہے کہ ایک نابینا صحابی حضرت نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میں نابینا ہوں، آپ میرے لیے دعا فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی لوٹا دے، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ یا تو صبر کرو اور یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اور اگر چاہو تو دعا کر دوں۔ ان صحابی نے عرض کیا کہ دعا فرما دیں، اس پر آپ نے ان کو اچھی طرح وضو کرنے کا اور دو رکعت نماز ادا کر کے اس طرح دعا کرنے کا حکم دیا:

« اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَتَوَجَّهُ إِلَيْکَ بِنَبِيِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِکَ إِلىٰ رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهِ فَتُقْضٰى لِيْ ، اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ - و في بعض الروايات زيادة - وَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ. »

(الترمذي:۳۵۰۲، ابن خزيمة: ۲/۲۲۵، ابن ماجه: ۱۳۸۵، المستدرک للحاکم:۱/۴۵۸، عمل اليوم و الليلة للنسائي:۱/۴۱۷)

**نوٹ**: امام ترمذی رَحِمَہُ اللہُ نے اس حدیث کو ''صحيح'' اور امام حاکم رَحِمَہُ اللہُ نے ''صحيح على شرط الشيخين'' قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے علما نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اللہ کے مقرب بندوں جیسے: حضراتِ انبیا اور اولیا کے وسیلے سے دعا کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان صحابی کو اس کی تعلیم دی۔ علامہ شوکانی رَحِمَہُ اللہُ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے علامہ شوکانی کی کتاب ''تحفة الذاکرين'' کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (دیکھو: تحفة الأحوذي:۱۰/۲۵-۲۷)

## اللہ تعالیٰ کا ذکر، خادم سے بہتر

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے مشاغل اور گھریلو کام کی مشقت کا ذکر کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ایک خادم عطا فرمانے کی درخواست کی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسبیح و ذکر کی تلقین فرمائی تھی۔ چناں چہ روایات میں اس کی تفصیل اس طرح آتی ہے:

حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے چاہا کہ چوں کہ گھریلو کاموں کی زیادتی اور سختی سے بہت پریشان ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ چکی پیس پیس کر سخت ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کنویں سے پانی بھرا کرتے ہیں، اس سے ان کے سینے میں درد کی شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی پانی اٹھایا کرتیں، جس سے ان کی گردن میں نشان ہو گئے اور دیگر گھریلو مصروفیات سے ان کے کپڑے بھی خراب و خستہ ہو جاتے اور روٹیاں پکانے کی وجہ سے (دھویں نے) چہرے کا رنگ بدل دیا؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک غلام یا خادم مانگ لیں۔ جب اللہ کے نبی کے گھر پہنچے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود نہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کر کے واپس چلی آئیں اور جب رات ہو چکی اور یہ حضرات بستر پر چلے گئے، تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور ان دونوں کے درمیان میں آپ بیٹھ گئے اور معلوم کیا کہ بیٹی! کیا بات تھی جو تم آئی تھیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھے عرض کرتے ہوئے شرم آئی؛ اس لیے کہہ دیا کہ سلام عرض کرنے کے لیے حاضر ہوئی تھی، پھر بعد میں بتایا کہ یہ پریشانی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پریشانی و مشقت سن کر فرمایا کہ کیا میں تمھیں خادم سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: فاطمہ! تم جس چیز کا مطالبہ کر رہی ہو، وہ تمھیں زیادہ پسند ہے یا وہ جو اس سے بہتر چیز ہے؟ حضرت علی ﷛ فرماتے ہیں کہ میں حضرت فاطمہ کی چٹکی لی اور (آہستہ سے) کہا کہ تم یہ بولو کہ خادم سے بہتر جو چیز ہے وہ پسند ہے۔ غرض آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم بستر پر جاؤ، تو چونتیس (۳۴) مرتبہ ''اللہ اکبر''، تینتیس (۳۳) مرتبہ ''سبحان اللہ'' اور تینتیس (۳۳) دفعہ ''الحمد للہ'' پڑھو؛ یہ تمھارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

(البخاري: ۲/۸۰۷، فتح الباري: ۱۱/۱۱۹، ۱۲۱)

## امامِ حرم قاری سدیس کی والدہ کی بددعا

یہاں ایک عبرت خیز واقعہ موجودہ امامِ حرم قاری سدیس صاحب زید مجدہم کے بارے میں بعض معتبر ذرائع سے مجھے معلوم ہوا کہ ان کی والدہ محترمہ جب کسی بات پر غصہ ہوتیں، تو ان کو یوں بددعا دیتیں، کہ اللہ تم کو حرم کا امام بنائے۔ اللہ اکبر! کیسی عجیب بددعا ہے یہ! جس میں سراسر رحمت اور برکت ہے۔ یہ دراصل اسلامی تعلیم وتربیت کا اثر ہے، پھر دیکھیے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول بھی فرمالی اور قاری سدیس کو ''امامِ حرم'' بھی بنادیا اور ساری دنیا میں ان کو شہرت بھی دے دی۔

اس واقعے سے میں اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ماؤں کو ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اپنی اولاد کو کوسہ نہ دیں؛ بل کہ اگر کبھی غصہ آجائے؛ تو بھی ایسی دعا دیں، جس سے اپنی اولاد کا فائدہ ہو، جیسا کہ قاری سدیس صاحب کی والدہ نے کیا۔

# معرفت و محبت الٰہی

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر، اسرارِ شہنشاہی
عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# معرفت سے ہی محبت پیدا ہوتی ہے

## امام رَبِیْعَۃُ الرَّائے اور ان کے والد کی ملاقات

جب تک انسان کو اللہ کی پہچان نہ ہو، اس کے دل میں اللہ کی محبت پیدا نہیں ہوسکتی۔ بہت زمانہ پہلے یعنی ''بنو امیہ'' کے دور کا واقعہ ہے، جب کہ امام مالک رَحِمَہُ اللہُ ابھی طالب علمی کی زندگی گزار رہے تھے، ان کے ایک استاذ تھے، جن کا نام ''رَبِیْعَۃُ الرَّائے'' رَحِمَہُ اللہُ تھا، بہت بڑے عالم تھے، آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ امام مالک رَحِمَہُ اللہُ کے استاذ کیسے ہوں گے؟ بہت بڑے جلیل القدر فقیہ بھی تھے اور محدث بھی تھے اور اللہ والے بزرگ بھی تھے، ان کے والد کا نام ''فروخ'' تھا۔

جب امام ربیعۃ الرائے رَحِمَہُ اللہُ ماں کے پیٹ میں تھے، تو ان کے والد فروخ، ''خراسان'' کی جانب جہاد کی مہم پر امیر المؤمنین کے حکم سے نکل گئے، جب جہاد میں جانے کے لیے نکلے، تو چوں کہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ کب واپسی ہوگی اور کیا حالات ہوں گے کہ زندہ بھی آؤں گا یا اللہ کی راہ میں شہید ہوجاؤں گا؟ اس لیے ان کے پاس جو ۳۰ / ہزار دینار یا درہم تھے، انھوں نے اپنی بیوی کو دیا اور کہا کہ میں جہاد میں جارہا ہوں اور یہ تیس ہزار تمھارے حوالے ہیں، ضرورت کے مطابق اس میں سے خرچ کرتے رہنا، اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی باقی رکھی اور واپسی ہوگئی، تو پھر میں تم سے آکر حساب لے لوں گا یہ کہہ کر نکل گئے۔

جو نکلے تو ایسے حالات ان کے اوپر آئے کہ "تاریخ بغداد" کے مطابق تقریباً اس واقعے کے ستائیس (۲۷) برس بعد ان کو لوٹنا نصیب ہوا، لمبے چوڑے عرصے کے بعد واپسی ہوئی۔ "مدینہ" ان کی بستی تھی اور اپنی بیوی کو مدینے میں ہی چھوڑ کر گئے تھے، جب واپس مدینہ آئے تو دیکھا کہ وہاں کی پوری فضا بدلی ہوئی ہے، نئی نئی سڑکیں بن گئی ہیں، نئی نئی عمارتیں بن گئی ہیں، خیر آئے اور بہت غور وفکر کے بعد اپنی گلی وغیرہ کو پہچانا اور اپنے گھر پہنچے اور جب پہنچے، تو وہ رات کا وقت تھا، اپنے گھوڑے کو ایک طرف باندھا اور نیزے سے دروازہ کھولا اور دروازے کے اندر گھسنے لگے۔

تو ایک صاحب باہر آرہے تھے، دونوں میں ملاقات ہوئی، جب انھوں نے دیکھا کہ یہ اندر گھس رہے ہیں، تو ان کو ٹوکا اور کہا کہ ارے اللہ کے دشمن! کسی کے گھر میں بلا اجازت جانا جائز نہیں ہے، تو فروخ نے کہا: یہ کسی کا گھر نہیں ہے، یہ تو میرا گھر ہے، میرے گھر میں کس سے اجازت لوں؟ اب دونوں میں "تو تو، میں میں" ہونے لگی، وہ کہتے ہیں یہ میرا گھر ہے اور وہ کہتے ہیں تم گھس نہیں سکتے، یہ تو میرا گھر ہے۔ دونوں میں جو گفتگو ہوئی تو پڑوسی لوگ جمع ہو گئے، ربیعہ کہنے لگے کہ میں ان کو سلطان کے پاس فیصلے کے لیے لے جاؤں گا اور فروخ نے کہا کہ ہاں! میں بھی تم کو بادشاہ کے پاس لے جاؤں گا، یہ سب باتیں ہو رہی تھیں کہ ان کی بیوی نے اندر سے سنا اور آکر دیکھا کہ کیا ہو رہا ہے؟

جو دیکھا تو تماشا یہ نظر آیا کہ دونوں باپ بیٹے دست وگریبان ہیں، ان کو بڑا تعجب ہوا اور انھوں نے کہا کہ یہ معرفت نہ ہونے کی وجہ سے جھگڑا ہو رہا ہے، پہچان نہیں ہے، باپ نے بیٹے کو پہچانا اور نہ بیٹے نے باپ کو پہچانا۔ بیوی نے کہا کہ تم دونوں آپس میں کیا کر رہے ہو؟ بیٹے سے کہا: بیٹا ربیعہ! یہ تو تمھارے باپ ہیں،

ملاقات کرواوران سے کہافروخ یہ تمھارے بیٹے ہیں، ان سے ملاقات کرو۔ جب ماں نے پہچان کرائی، تو پھر دونوں نے معافی چاہی اور روتے ہوئے آپس میں گلے ملنے لگے۔ (تاریخ بغداد:۴۲۲/۸)

غور کیجیے کہ جب تک دونوں میں پہچان نہیں تھی، تولب ولہجے میں فرق اور انداز ایسا اور جب بیٹے کو معلوم ہوا کہ یہ میرے اباجی ہیں اور باپ کو معلوم ہوا کہ یہ میرا بیٹا ہے، تو پھر گلے مل رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ معرفت و پہچان اتنی بڑی چیز ہے کہ جب پہچان ہوتی ہے، تو دل میں محبت آتی ہے اور پہچان نہیں ہوتی؛ تو دل میں محبت نہیں ہوتی؛ اس لیے جب انسان اللہ کی پہچان اپنے اندر پیدا کرتا ہے، تو اس کے دل کے اندر اللہ کی محبت آجاتی ہے۔

## آخرت میں اللہ کی معرفت ہی کام آئے گی

مولانا رومی رحمۃ اللہ نے ''سلطان محمود غزنوی'' کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، جو بڑا عبرت خیز وسبق آموز ہے، وہ یہ کہ سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں چوروں کا کچھ زور ہو گیا تھا اور بادشاہ اس کی وجہ سے پریشان ہوا اور چوروں کو پکڑنے کے لیے ایک عجیب تدبیر نکالی کہ شاہی لباس اُتار کر چوروں کا سا پھٹا پرانا لباس پہن لیا اور شہر میں گشت کرنے لگا، ایک جگہ پر دیکھا کہ بہت سے چور اِکھٹے بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے ہیں، بادشاہ بھی ان میں بیٹھ گیا، چوروں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ بادشاہ نے کہا کہ میں بھی تم جیسا ہوں، چوروں نے سمجھا کہ یہ بھی کوئی چور ہے، انھوں نے کہا کہ تم اپنا کوئی ہنر بتاؤ، اگر تمھارے اندر کوئی ہنر ہوگا، تو تم کو اپنے ساتھ شریک کرلیں گے؛ ورنہ نہیں۔ بادشاہ نے کہا: پہلے آپ لوگ اپنا اپنا ہنر بتاؤ، پھر میں اپنا ہنر بتاؤں گا، ایک چور نے کہا کہ میں اونچی سے اونچی دیوار پھاند کر مکان

میں داخل ہوجاتا ہوں، اگرچہ بادشاہ کا قلعہ ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرے نے کہا کہ میری ناک کی یہ خاصیت ہے کہ کسی جگہ کی مٹی سونگھ کر بتادیتا ہوں کہ یہاں خزانہ ہے یا نہیں۔ تیسرے چور نے کہا کہ میرے بازو میں اتنی طاقت ہے کہ میں گھر میں گھسنے کے لیے اس میں سوراخ کرسکتا ہوں۔ چوتھے چور نے کہا کہ میں ماہرِ حساب ہوں، (Phd) کیا ہوا ہوں، کتنا ہی بڑا خزانہ کیوں نہ ہو، چند لمحوں میں حساب لگا کر تقسیم کردیتا ہوں۔ پانچویں چور نے کہا کہ میرے کانوں میں ایسی خاصیت ہے کہ میں کتے کی آواز سن کر بتادیتا ہوں کہ کتا کیا کہہ رہا ہے۔ چھٹے چور نے کہا کہ میری آنکھ میں یہ خاصیت ہے کہ جس چیز کو رات میں دیکھ لیتا ہوں، دن میں اس کو پہچان لیتا ہوں۔ اب بادشاہ نے کہا کہ میری داڑھی میں یہ خاصیت ہے کہ جب مجرمین کو پھانسی کے لیے جلاد کے حوالے کیا جاتا ہے، اس وقت اگر میری داڑھی ہل جاتی ہے، تو مجرمین پھانسی کے پھندے سے بچ جاتے ہیں، چوں کہ وہ بادشاہ تھا، اس نے ایک خاص لطیف انداز سے اپنا ہنر اور کمال بیان کیا، سارے چور یہ بات سن کر خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ آپ تو چوروں کے قطب ہیں، جب ہم کسی مصیبت میں پھنس جائیں گے، تو آپ ہی کے ذریعے ہم کو خلاصی مل سکتی ہے۔

پھر سب نے مشورہ کیا اور طے کیا کہ آج بادشاہ کے یہاں چوری کی جائے؛ اس لیے کہ آج مصیبت سے چھڑانے کے لیے، داڑھی والا بھی موجود ہے؛ لہٰذا سب کے سب بادشاہ کے محل کی طرف چل پڑے، راستے میں کتا بھونکا، تو کتے کی آواز پہچاننے والے نے کہا کہ کتا کہہ رہا ہے کہ بادشاہ تمھارے ساتھ ہے؛ لیکن چور پھر بھی چوری کے ارادے سے باز نہ آئے اور بادشاہ کے یہاں چوری کرڈالی اور خزانہ لوٹ لیا اور جنگل کی طرف آئے اور وہاں بیٹھ کر ماہرِ حساب نے حساب لگا کر چند منٹوں میں سب کو تقسیم کردیا، بادشاہ نے کہا: سب لوگ اپنا پتہ لکھوادو؛ تاکہ آئندہ

چوری کرنا ہو، تو ہم سب لوگ آسانی سے جمع ہوسکیں، سب کا پتہ نوٹ کرلیا گیا اور سب نے اپنا اپنا راستہ لیا، اگلے دن بادشاہ نے عدالت لگوائی اور پولیس کوحکم دیا کہ سب کو پکڑ کر لاؤ، جب سب چور ہتھکڑیاں ڈال کر حاضر کیے گئے، بادشاہ نے سب کو پھانسی کا حکم دے دیا اور کہا کہ اس مقدمے میں کسی گواہ کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ سلطان خود وہاں موجود تھا۔

یہاں ایک بات ضمناً عرض کرتا ہوں کہ اسی طرح قیامت کے دن اللہ کو کسی گواہ کی ضروت نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ﴾ (تم جہاں بھی ہو، وہ تمھارے ساتھ ہے) اگر تم دو ہو، تو تیسرا خدا ہے، چار ہو تو پانچواں خدا ہے، جب تم بدکاریاں کرتے ہو، تو اللہ سب دیکھتا ہے، اللہ کو کسی گواہ کی ضرورت نہیں، اس کے باوجود قیامت کے دن بندوں پر اتمام حجت کرنے کے لیے ہاتھوں اور پیروں کی، فرشتوں کی اور صحیفۂ اعمال کی گواہی ہوگی۔

الغرض جب چھ کے چھ چور پھانسی کے تختے پر کھڑے ہوگئے، تو وہ چور جو آنکھوں کی خاصیت والا تھا، اس نے بادشاہ کو پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے، جو رات ہمارے ساتھ تھا، وہ تختہ دار سے چلّایا، کہ حضور کچھ دیر کے لیے امان دی جائے اور آپ سے تنہائی کا موقعہ دیا جائے۔ بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے پھانسی کو موقوف کردو اور اس کو میرے پاس بھیج دو۔ اس نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ ”ہر یکے خاصیتِ خود رانمود“ (ہر ایک نے اپنی خاصیت بتادی) ہر ایک نے اپنا ہنر بتادیا، ہمارے وہ ہنر جن پر ہم کو ناز تھا، انھوں نے ہماری بدبختی کو اور بڑھایا کہ آج ہم تختہ دار پر ہیں۔ اے بادشاہ! میں نے آپ کو پہچان لیا ہے کہ آپ نے وعدہ فرمایا تھا، جب مجرموں کو تختہ دار پر چڑھایا جاتا ہے، اگر اس وقت میری داڑھی ہل

جاتی ہے تو مجرمین پھانسی سے نجات پا جاتے ہیں؛ لہٰذا آپ اپنا ہنر ظاہر فرمائیں؛ تا کہ ہماری جان خلاصی پائے۔ سلطان محمود نے کہا: ”تمھارے ہنروں نے تو تمھیں مبتلائے قہر کر دیا ہے؛ لیکن یہ شخص جو سلطان کا عارف ہے، اس کی چشمِ سلطان شناس کے طفیل میں تم سب کو رِہا کیا جاتا ہے۔

اس عجیب و غریب قصے کو بیان کر کے مولانا روم کہتے ہیں کہ دنیا میں ہر شخص اپنے ہنر پر ناز کر رہا ہے، بڑے بڑے اہلِ ہنر، اپنی بدمستیوں میں مست اور خدا سے غافل ہیں؛ لیکن کل قیامت کے دن، اُن کے یہ ہنر کچھ کام نہ آئیں گے؛ بل کہ یہی دنیوی ہنر اُن کو مبتلائے قہر و عذاب کر دیں گے اور اس کے بر خلاف جن لوگوں نے اس دنیا کے اندھیرے میں اپنے حقیقی بادشاہ اللہ عز وجل کو پہچان لیا اور اس کی معرفت اپنے دلوں میں پیدا کر لی، قیامت کے دن یہ خود بھی نجات پائیں گے اور ان کی سفارش گنہگاروں کے حق میں قبول کی جائے گی۔

یاد رکھو کہ جس نے دنیا کے اندھیرے میں اللہ کو پہچاننے کا ہنر سیکھ لیا، تو پھر دوسرے ہنر سیکھنا کچھ مضر نہیں؛ کیوں کہ پھر کوئی بھی ہنر آپ کو اللہ سے غافل نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر، انجینئر بننا منع نہیں ہے، بہ شرطے کہ آپ اللہ سے غافل نہ ہوں۔

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ چشمِ سلطان شناس ہی کام آئی، باقی ہنر تختہ دار پر لے گئے، اسی طریقے پر دنیا کے تمام کاروبار جو اللہ سے غافل ہو کر کیے جاتے ہیں، وہ آخر کار انسان کو تباہی و بربادی میں ڈال دیتے ہیں؛ لیکن جب کوئی شخص اللہ کی معرفت کا نور حاصل کر لیتا ہے اور وہ اللہ سے غافل ہونے کے بہ جائے اللہ کا عاقل بن جاتا ہے، تو وہ شخص خود بھی نجات پاتا ہے، دوسروں کو بھی نجات دلانے کا ذریعہ بن جاتا ہے؛ اس لیے سب سے بڑی چیز ”اللہ کی معرفت“ ہے۔

# خوفِ الٰہی بھی معرفت کا نتیجہ ہے

امام جلال الدین رومی رَحِمَہُ اللہُ نے لکھا ہے کہ ایک آدمی سفر پر نکلا، جنگل میں چلتا رہا، جنگل میں بہت دور چلنے کے بعد اُسے تھکان ہوئی اور تھکان کی وجہ سے نیند غالب ہوگئی، اس نے سوچا کہ کہیں آرام کرلوں؛ لیکن آرام کرنے اس لیے ہمت نہیں ہوئی کہ جنگل کا راستہ ہے اور جنگل کے راستے میں کیسے آرام کروں؟ سوچتا رہا کہ کوئی چیز مجھے ایسی مل جائے؛ جس کی وجہ سے مجھے کچھ سہارا مل جائے، تو میں آرام کرلوں، بہت آگے جانے کے بعد دیکھا کہ ایک جانور سویا ہوا ہے، اس نے کہا کہ بہت اچھا، یہ کوئی جانور سو رہا ہے، میں بھی اس کے بازو سو جاؤں۔

چناں چہ جانور کے بازو، وہ بھی جا کر لیٹ گیا، نیند کا اتنا غلبہ تھا، تھکان ایسی تھی کہ بس پڑتے ہی نیند لگ گئی، کچھ دیر بعد اسی راستے سے ایک دو آدمی آرہے تھے، پیچھے سے آتے آتے جب وہ وہاں پہنچے، تو ایک عجیب منظر انھوں نے دیکھا کہ ایک انسان سویا ہوا ہے اور اس کے بازو جو جانور سویا ہوا ہے، وہ حقیقت میں شیر ہے، یہ لوگ بہت پریشان ہوئے کہ کہیں یہ شیر جاگے اور اس بے چارے کو کھا جائے۔ انھوں نے آہستہ سے سونے والے کو آواز دی اور جگایا، جب وہ جاگا تو ان لوگوں نے اس سے کہا کہ کہاں سوئے ہو؟ وہ تمھارے بازو شیر ہے شیر!! بس جناب اتنا سنتے ہی وہ گھبرایا پریشان ہوا اور ڈر کے مارے اس کی جان نکل گئی اور مر گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خوف بھی معرفت و پہچان کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے، اگر معرفت و پہچان نہ ہو؛ تو خوف نہیں آسکتا، جب پہچان ہوگی؛ تو خوف آجائے گا۔ دیکھیے! جب تک اسے شیر کی معرفت و پہچان نہیں تھی، تو اس پر شیر کا خوف بھی پیدا نہیں ہوا، جیسے ہی شیر کی معرفت حاصل ہوئی، تو اس کا خوف بھی پیدا ہوا اور وہ

مر گیا۔ اسی طرح جب اللہ کی پہچان انسان کو ہو جاتی ہے کہ اللہ کتنا بڑا اور زبردست ہے، کتنی بڑی طاقت والا ہے؟ وہ کیا سے کیا کر سکتا ہے،؟ جب یہ پہچان اللہ کی انسان کو ہوگی، تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کے دل کے اندر کوئی ہلچل نہ مچے اور اس کی وجہ سے اس کے دل میں اللہ کا خوف پیدا نہ ہو۔

## میرے پاس سو جانیں ہوتیں؛ تو بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں قربان کر دیتا!!

ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ چند صحابہ ﷺ کو ایک علاقے میں جانا پڑا، تو وہاں کے بادشاہ نے ان کو گرفتار کرنے کا حکم دیا، اس کے فوجیوں نے پکڑ کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا، بادشاہ عیسائی تھا، اس نے کہا کہ تم عیسائی بن جاؤ، انھوں نے کہا کہ ہم عیسائی نہیں بنتے، ہم تو مسلمان ہیں، ایک اللہ کو ماننے والے ہیں، ہم اسی ایک اللہ کا سبق ساری دنیا کو سکھانے کے لیے نکلے ہیں۔

اس نے کہا کہ یا تو تمھیں میری بات ماننی ہوگی یا نہیں، تو میں تمھارے ساتھ سخت سلوک کروں گا۔ انھوں نے کہا کہ آپ کی مرضی، جو چاہیں آپ کریں؛ لیکن ہم تو اپنے دین سے اور اپنے اللہ سے پھرنے والے نہیں۔

قرآنِ کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ. ﴾ (المائدۃ:۵۴)

(اے مسلمانو! تم میں سے کوئی اگر دین سے پھر جائے، تو اللہ دوسری قوم کو پیدا کر دے گا، جو اللہ سے محبت رکھے گی، اللہ ان سے محبت رکھے گا۔)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی قوم پسند ہے، ایسے مسلمان پسند ہیں، جو اللہ کی محبت میں چور ہوں، سرشار ہوں؛ اس لیے اس کا ذکر کیا کہ تم پھرنا چاہو، تو پھر جاؤ، ہمیں کوئی پرواہ نہیں، ہم دوسری قوم کو پیدا کریں گے، جو ہم سے محبت کرنے والی ہوگی اور پھر اس کے نتیجے میں ہم بھی اس سے محبت کریں گے۔

تو وہ صحابۂ کرام کہنے لگے کہ تو جو چاہے کر، ہم تو پھرنے والے نہیں، تو اس نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ ایک کڑھائی میں تیل ڈالو اور نیچے سے آگ جلاؤ۔

چنانچہ بہت بڑی کڑھائی میں تیل ڈالا گیا اور نیچے سے آگ جلائی گئی اور خوب زبردست طریقے پر اس تیل کو پکایا گیا، جب وہ بالکل پک گیا اور کھولنے لگا، تو اس نے ان دو حضرات میں سے پہلے ایک صحابی کو اٹھا کر اس میں ڈالنے کا حکم دیا۔ جب ان صحابی کو اٹھا کر اس میں ڈالا گیا، تو وہ کباب کی طرح اس میں جل بھن گئے، کھولتا ہوا تیل تھا اور تپ رہا تھا اور پکا ہوا تھا، بس یوں ڈالا اور ان کی جان نکل گئی، ختم ہو گئے۔

اس کو دیکھ کر جو دوسرے صحابی تھے، وہ رونے لگے۔ بادشاہ نے یہ سمجھا کہ شاید ان کا دل کچھ نرم ہو گیا ہے، اب یہ میری بات مان لیں گے؛ لٰہذا ان سے کہا کہ دیکھو تمھارا بھی یہی حشر ہوگا، اگر تم نے میری بات نہیں مانی؛ اس لیے میری بات مان لو اور رونے کے بہ جائے میری بات مان کر اپنی جان بچالو۔ وہ صحابی کہنے لگے کہ تجھے دھوکا ہو رہا ہے، میں اس لیے نہیں رو رہا ہوں کہ میں ان کی جان کو یوں نکلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، یہاں مجھے کوئی خوف اور کوئی دہشت اور کوئی وحشت نہیں ہو رہی ہے، بل کہ میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ میں نے دیکھا کہ جوں ہی ان صحابی کو اس تیل میں ڈالا گیا ذرا سی دیر میں ان کی جان نکل گئی، تو میں سوچ رہا ہوں کہ

مجھے بھی تو اس میں ڈالے گا، تو میری بھی اسی طرح جان نکل جائے گی، پھر میرے پاس اللہ کی محبت میں قربانی دینے کے لیے کوئی دوسری جان نہیں ہوگی؛ اس لیے میں رو رہا ہوں کہ ایک ہی جان ہے اور کہنے لگے کہ اگر میرے پاس سو جانیں ہوں، تو میں یہ خواہش کروں گا کہ بار بار میری جان کو اس میں ڈالا جائے اور میں سو مرتبہ اللہ کی محبت میں قربان ہو جاؤں۔ (حیاۃ الصحابۃ:۱/۲۴۷)

اللہ اکبر! کیا محبت تھی اللہ سے! کیسا عشق تھا صحابہ کا! کیا دنیا کا کوئی عاشق محبت کی ایسی مثال اور نظیر پیش کرسکتا ہے؟!! حدیث میں بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں مجھے قتل کیا جائے، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں‘‘۔

(البخاري:۲۶۴۴،المعجم الأوسط:۳۳۳/۸، مصنف عبد الرزاق:۲۵۴/۵)

یہ اللہ کے راستے میں مرنا، اللہ کی محبت میں مرنا ہے، جب یہ محبت غالب ہوتی ہے، تو اس کا یہ حال ہوتا ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے محبت

میں نے حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم کی بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ایک مرتبہ بکریاں چرا رہے تھے، راستے میں ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی محبت میں یہ تسبیح پڑھتا ہوا جا رہا تھا: ’’سبحٰن الملك القدوس، سبحٰن ذي العزة والهيبة والكبرياء والجبروت.‘‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ جملے بڑے اچھے لگے اور ظاہر بات ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے، اس کے ذکر سے دل کو لذت ملتی ہے اور دل اس کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے۔

لہٰذا حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے اس آدمی سے درخواست کی کہ وہ اللہ کی تعریف کے یہ جملے ایک بار دہرائے، تو اس نے کہا کہ میں دوبارہ پڑھوں گا، تو آپ کیا دیں گے؟ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ میں اپنی آدھی بکریاں دے دوں گا۔ اس نے وہ تسبیح دوبارہ پڑھ دی اور آپ نے اپنی آدھی بکریاں اس کو دے دیں؛ مگر جب آپ نے ان جملوں کو سنا تو محبت خداوندی سے اور زیادہ بے قرار ہو گئے اور اس سے ایک بار پھر پڑھنے کی درخواست کی، تو اس نے پوچھا کہ اب کے پڑھوں تو کیا دو گے؟ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ بقیہ آدھی بکریاں بھی دے دوں گا، تو اس نے پھر ان جملوں کو پڑھ دیا اور آپ نے باقی بکریاں بھی اس کو دے دیں؛ مگر ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی پیاس نہیں بجھی، آپ نے اس سے پھر پڑھنے کے لیے فرمایا، تو اس نے کہا کہ اب تو آپ کی ساری بکریاں ختم ہو گئی ہیں، اب پڑھوں گا، تو کیا دو گے؟ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ جی ہاں! بکریاں تو ختم ہو گئیں اور کوئی چیز میرے پاس دینے کو نہیں ہے؛ مگر خود میری ذات تو موجود ہے اور آپ کو بھی کوئی بکری چرانے والا چاہیے؛ اس لیے ایک بار اور پڑھ دیجیے اور اس کے بدلے میں میں آپ کا غلام بن جاؤں گا، آپ مجھ سے ان بکریوں کو چرانے کا کام لے لیں۔ اللہ اکبر!!

یہ سنکر اس آدمی نے کہا کہ دراصل میں اللہ کا فرشتہ ہوں، تمھارا امتحان لینے آیا تھا کہ آپ کو اللہ سے محبت کتنی ہے؟ یہ میں دیکھنا چاہتا تھا، آپ کامیاب ہو گئے، یہ لیجیے آپ کی بکریاں۔

اللہ اکبر! کیا عجیب محبت تھی! کیسا عشق تھا! کہ ایک بار اللہ کا نام لینے اور اس کی تسبیح بیان کرنے پر پہلے تو ساری بکریاں دے دیں، پھر خود اپنی ذات کو غلامی کے لیے پیش کر دیا۔

# ایک بزرگ کا عشق الٰہی میں رونا

مولانا رومی رَحِمَہُ اللہُ نے اپنی ''مثنوی'' میں ذکر کیا ہے کہ ایک بزرگ اللہ کی محبت میں رویا کرتے تھے اور شوقِ دیدار، ان کو بے چین ومضطرب کیے ہوئے تھا، ان کے ایک رفیقِ طریق نے ان کو نصیحت کی اور کہا کہ اتنا نہ رویا کرو؛ ورنہ کہیں آنکھوں میں خلل وخرابی نہ آجائے۔

مولانا رومی رَحِمَہُ اللہُ اس کو نقل کرتے ہیں:

زاہدے را گفت یارے در عمل  کم گری تا چشم را نا ید خلل

اس پر زاہد وعابد وعاشق نے جواب دیا کہ دیکھو بھائی! دو حال سے خالی نہیں یا تو اس رونے اور گریہ وزاری کی وجہ سے آخرت میں جمالِ خداوندی مجھے نصیب ہوگا یا یہ کہ ان آنکھوں کو یہ دولت نصیب نہ ہوگی؛ اگر رونے سے جمالِ خداوندی نصیب ہو جاتا ہے، تو ان آنکھوں کے نہ رہنے اور خراب ہو جانے کا کیا غم؟ اللہ کے وصال ودیدارِ جمال کے لیے دو آنکھیں کیا، لاکھوں آنکھوں کو بھی قربان کیا جا سکتا ہے اور اگر خدانخواستہ میری بد بخت آنکھوں کو جمالِ حق کا دیکھنا نصیب نہ ہوا، تو ان بد بخت آنکھوں کا پھوٹ جانا ہی بہتر ہے، وہ آنکھ ہی کیا جو جمالِ یار کے دیکھنے کے قابل نہ ہو۔

مولانا رومی رَحِمَہُ اللہُ زاہد کا یہ جواب نقل کرتے ہیں:

گفت زاہد از دو بیروں نیست حال  چشم بیند یا نہ بیند آں جمال
گر بہ بیند نورِ حق خود چہ غم است  در وصال حق دو دیدے کم است
ورنہ بیند نور حق را گو برو!  ایں چنیں چشم شقی گو کو رشو

## ایک عاشقِ خدا کا گریہ وبکا

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ نے ''مکاشفۃ القلوب'' میں حکایت لکھی ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رَحِمَہُ اللہُ کہتے ہیں کہ ایک دن میں خانۂ کعبہ میں داخل ہوا، تو ستون کے قریب ایک برہنہ نوجوان مریض کو پڑے دیکھا، جس کے دل سے رونے کی آواز نکل رہی ہے، میں نے اس کے قریب جا کر اسے سلام کیا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں ایک غریب الوطن عاشق ہوں، میں اس کی بات سمجھ گیا اور میں نے کہا کہ میں بھی تیری طرح ہوں، وہ رونے لگا، اس کا رونا دیکھ کر مجھے بھی رونا آ گیا، اس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ تم کیوں رو رہے ہو؟ میں نے کہا کہ اس لیے رو رہا ہوں کہ تیرا اور میرا مرض و بیماری ایک ہے، اس نے چیخ ماری اور اس کی روح پرواز کرگئی۔

یہ ہے خدا کی محبت اور عشق کا رونا!! جس پر وعدہ ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ دے گا۔

## ''اللہ'' اور ''غیر اللہ'' کی محبت کا اجتماع ناممکن ہے

حضرت سمنون محبؒ رَحِمَہُ اللہُ بہت بڑے اللہ کے ولی گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا، اس شرط پر کہ وہ دین پر قائم رہے گی، شریعت کے اوپر چلتی رہے گی، نکاح ہوگیا، اس سے مجھے ایک بچی پیدا ہوئی، بچی بڑی پیاری تھی، اس لیے میرا دل اس بچی میں لگ گیا، میں بار بار اس کی طرف دیکھتا اور اسی میں مشغول رہنے لگا، اس بچی کی محبت نے میرے اوپر غلبہ پالیا اور جو اللہ تعالیٰ کی محبت کی کیفیت دل میں پاتا تھا، اس میں کمی ہونے لگی۔ پہلے تو اللہ کی

محبت ایسی گھسی ہوئی اور بسی ہوئی تھی کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔

حضرت سمنون رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! میں دل کے اندر محسوس کرتا ہوں کہ تیری محبت میں کمی ہو رہی ہے، مجھے بتا دے کہ یہ کیوں ہو رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ رات سویا تو خواب کے اندر دیکھا کہ ایک ابر کا سایہ ہے، اس کے اندر بڑی ٹھنڈک معلوم ہو رہی ہے اور ایک نورانیت ہے، بہت سارے لوگ اس کے اندر جمع بیٹھے ہیں، میں نے خواب ہی میں کسی سے پوچھا کہ لوگ کیوں بیٹھے ہیں اور یہ کون لوگ ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ عشاقِ خداوندی ہیں، عاشقانِ الٰہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت میں چور اور سرشار لوگ ہیں، یہ یہاں پر جمع ہیں، کہتے ہیں کہ میں بھی جاکر ان لوگوں میں بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا، تو ایک آدمی آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اس نے مجھے باہر کر دیا، میں نے کہا کہ بھائی! میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوں، میں بھی اللہ سے محبت کرتا ہوں، میں بھی اللہ کی محبت میں سرشار رہتا ہوں، مجھے بھی ان میں بیٹھنے دے، تو وہ کہنے لگا کہ نہیں، تو ان میں داخل نہیں ہے؛ اس لیے کہ تیرے دل میں تو تیری بچی کی محبت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے خواب ہی میں پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔

دعا یہ کی کہ اے اللہ! اگر اس لڑکی کی محبت نے تیری محبت کو میرے دل سے قطع کر دیا ہے، تو اس کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے؛ اس لیے اے اللہ! تیری محبت دے کر اس کی محبت کو نکال دے۔ کہتے ہیں کہ میں نے یہ دعا کی خواب ہی میں، تو خواب ہی میں میں دیکھ رہا ہوں کہ عورتوں کے رونے کی آواز آ رہی ہے۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ واقعی عورتیں رو رہی ہیں، میں نے پوچھا کہ کیا بات ہو گئی؟ تو کہا کہ بچی اوپر چڑھی تھی، ابھی گر کر مر گئی۔

اللہ اکبر! بڑا عبرت ناک واقعہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے ایسے عشاق تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے کہا:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ﴾ (البقرۃ: ۱۶۵)

(ایمان والے اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔)

تو عشقِ الٰہی میں ذراسی کمی انھوں نے محسوس کی، تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کی۔

آج ہم لوگ غور کریں کہ ہمارے دل میں کتنے لوگوں کی محبت ہے؟ بے شمار چیزوں کی محبت ہے اور صرف محبتیں نہیں ہیں؛ بل کہ غالب محبتیں ہیں۔ اللہ کی محبت کہیں ایک کونے میں پڑی ہوئی ہے اور اس کا کوئی احساس بھی ہم کو نہیں ہو رہا ہے اور اس احساس کے نہ ہونے کی وجہ سے اُس کے کوئی آثار بھی ہمارے اوپر مرتب ہوتے دکھائی نہیں دیتے اور یہ حضرات ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں چور ہیں، سرشار ہیں اور اس کے اندر ذراسی کمی محسوس ہو رہی ہے، تو اللہ تعالیٰ سے درخواست ہو رہی ہے کہ اے اللہ ایسا کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ بتائی۔

## مصائب سے بچنے کا انمول نسخہ

### افلاطون کا سوال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب

''افلاطون'' جو بہت بڑا حکیم اور اپنے زمانے کے بڑے عقلمند لوگوں میں شمار ہوتا ہے اور وقت کا بہت بڑا فلسفی تھا اور اس کی تحقیقات دنیا میں آج بھی معتبر و مستند مانی جاتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا تھا، اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ جنگل میں ایک معمولی جھونپڑے میں رہتا تھا، لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتا تھا، اگر کسی کو اس سے ملنا ہوتا، تو پہلے سے اجازت لینی پڑتی

تھی، وہ اللہ کو تو مانتا تھا؛ مگر رسولوں کو نہیں مانتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک دفعہ اس کی ملاقات بھی ہوئی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں، میرے اوپر ایمان لاؤ۔ تو اس نے کہا کہ میرا ایک سوال ہے، وہ یہ کہ فرض کیجیے کہ اللہ تعالیٰ تیر پھینک رہا ہے اور بندوں کی جانب پھینک رہا ہے، اور بندے اس کا نشانہ ہیں اور اللہ کے تیر یہ مصیبتیں اور پریشانیاں، بیماریاں وحادثات ہیں، اگر بندے اللہ تعالیٰ کے ان تیروں سے بچنا چاہیں، تو کیا طریقہ ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سوال پر فی البدیہ جواب دیا کہ تیر پھینکنے والے کی بغل میں بیٹھ جاؤ، اس لیے کہ تیر پھینکنے والا تو سامنے تیر پھینکے گا، اپنی بغل میں نہیں پھینکے گا۔

مطلب یہ تھا کہ اللہ کے قریب ہو جاؤ، جو اللہ کے قریب ہو جائے گا؛ اُسے تیر کیسے لگے گا؟ اور جو دور رہے گا ظاہر ہے کہ اسے تیر لگے گا۔ جب یہ جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیا، تو وہ خوشی سے اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ ایسا فی البدیہ جواب تو شاید دنیا میں کوئی دے نہ سکے اور کہا کہ واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں، میں مانتا ہوں؛ لیکن آپ جاہلوں کے لیے ہیں، آپ کی مجھے ضرورت نہیں؛ کیوں کہ میں تو بڑا عقلمند اور فلسفی ہوں۔

## جب تو میرا؛ تو آسماں میرا، زمیں میری

ایک قصہ ہے کہ سلطان محمود کا ایک غلام تھا، اس کا ''ایاز'' نام تھا، بادشاہ اُس سے بہت محبت کرتا تھا، دیگر درباریوں کو اسی بنا پر ''ایاز'' سے حسد ہو گیا کہ بادشاہ اس کو کیوں اتنا چاہتا ہے؟ بادشاہ نے اس کو بھانپ لیا اور لوگوں کو یہ بتانا چاہا کہ میں کیوں ایاز سے اتنی محبت کرتا ہوں۔ ایک دن بھرا ہوا دربار تھا اور یہ غلام ایاز بادشاہ کی پشت پر کھڑا اس کو پنکھا جھیل رہا تھا، اِسی درمیان بادشاہ نے کہا: میرے دربار کی جو

چیز جس کو پسند ہو، میری طرف سے اس کو اجازت ہے کہ اس چیز پر وہ ہاتھ رکھ دے، وہ چیز اس کو دے دی جائے گی۔

سارے ارکانِ دولت و مشیرانِ سلطنت اُٹھے اور انھوں نے اپنی اپنی پسندیدہ چیزوں پر ہاتھ رکھ دیا اور بادشاہ کی اجازت سے اس کو اُٹھالیا؛ مگر ایاز خاموش اپنی جگہ کھڑا تھا، اس نے نہ کسی چیز پر ہاتھ رکھا نہ اس کو اُٹھانے کی کوشش کی ، یہ دیکھ کر لوگ ایاز کو تکنے لگے کہ کتنا بڑا بے وقوف ہے کہ ایسی قیمتی چیزیں میسر آ رہی ہیں؛ مگر یہ نہ اپنی جگہ سے اُٹھتا ہے، نہ کسی چیز کو اُٹھاتا ہے، بادشاہ بھی یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا، اس نے کہا: ایاز! کیا تم کو ہمارے دربار کی کوئی چیز پسند نہیں آئی؟ تم نے کسی چیز کو کیوں پسند نہ کیا؟ تو ایاز نے بڑا عجیب و بصیرت افروز جواب دیا، اس نے کہا کہ حضور! میں نے تو آپ کو پسند کر لیا ہے اور جب آپ میرے ہو گئے، تو سارا دربار میرا ہو گیا، اب مجھے کسی اور چیز کو پسند کرنے اور اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟

میرے دوستو! ایک مخلوق کا غلام جب اپنے آقا کی محبت میں اس مقام کو پہنچ سکتا ہے، تو کیا اللہ کی ذات اس سے گئی گزری ہے؟!! لہٰذا اللہ سے اللہ ہی کو طلب کرو، جب اللہ مل جائے گا تو سب مل جائے گا، جیسے اُس غلام ایاز نے بادشاہ ہی کو مانگ لیا تھا، اگر کوئی چیز مانگتا، تو صرف وہ چیز اس کو ملتی ، بادشاہ کی محبت نہ ملتی، اسی طرح اللہ سے دنیا مانگو گے، تو دنیا ملے گی ، دنیا والے دنیا مانگتے ہیں؛ مگر عقلمند لوگ اللہ سے اللہ ہی کو مانگتے ہیں، جب اللہ کو مانگ لیا تو اللہ اُس کا ہو گیا، جس کا اللہ ہو گیا سب کچھ اُس کا ہو گیا۔

## جس کا خدا ایسا ہو، کیا وہ غیر اللہ کی طرف نظر کر سکتا ہے؟

حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللّٰہُ کے پاس ایک عورت اپنے شوہر کی شکایت

لے کر آئی اور کہنے لگی: حضرت! میں اتنی حسین ہوں، پھر بھی میرا شوہر دوسری عورتوں کی طرف نظر کرتا ہے اور غیر عورتوں کے پاس جاتا ہے اور میری طرف کوئی التفات نہیں کرتا، پھر کہنے لگی کہ اگر شریعت میں پردہ کا حکم نہ ہوتا؛ تو میں اپنا چہرہ آپ کے سامنے کھول کر بتاتی کہ مجھے اللہ نے کیسا حسین بنایا ہے۔ یہ سن کر حضرت جنید رحمۃ اللہ بے ہوش ہوگئے، ہوش میں آنے کے بعد مریدین نے پوچھا کہ حضرت! کیا بات تھی؟ کیوں آپ پر غشی طاری ہوگئی؟ حضرت نے فرمایا: تم نے اس عورت کی بات سنی نہیں، وہ کیا کہہ رہی تھی کہ میرے جیسی حسین عورت کے ہوتے ہوئے بھی میرا شوہر دوسروں کی طرف نظر کرتا ہے، یہ سن کر مجھے ایک حدیث قدسی یاد آ گئی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ فرماتا ہے:

''جس کا خدا میرے جیسا ہو، کیا وہ بندہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف نظر کر سکتا ہے؟'' (حوالہ نہیں ہے)

سورج کو دیکھو، چاند کو دیکھو، کتنے حسین ہیں! تو ان کو بنانے والا کیسا حسین ہو گا، جو مٹھاس کو پیدا کرنے والا ہے، اس میں کیسی مٹھاس ہوگی! ماں کے دل میں محبت پیدا کرنے والا خدا، بندوں سے کتنی محبت کرتا ہوگا! ایسے خدا کو چھوڑ کر ہم کہاں بھٹک رہے ہیں۔ (فأنی تؤفکون)

## جدھر میرا مولیٰ، اُدھر شاہ دولہ

ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی کہ ''شاہ دولہ'' ایک بزرگ تھے، ان کا قصہ ہے کہ شاہ دولہ کے وطن میں ایک مرتبہ طوفان برپا ہوا اور ان کے وطن کے قریب ایک بہت بڑی نہر بہتی تھی، طوفان کی وجہ سے اس نہر کا رخ شہر کی طرف ہونے لگا، تو سارے لوگ گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ اگر ایسا ہوا، تو پھر سارا شہر ڈوب جائے گا؛ اس

لیے چلو کسی اللہ والے سے دعا کروالیں، وہاں شاہ دولہ بزرگ موجود تھے، لوگ ان کی خدمت میں آکر کہنے لگے: حضرت! اس وقت نہر کا رخ شہر کی طرف ہے اور خطرے کی یہ صورت ہے، اگر ایسا ہوا تو پھر سارا شہر ڈوب جائے گا، اللہ تعالیٰ سے آپ دعا کر دیجیے کہ وہ ہم سب کو بچالے۔

تو انھوں نے آنے والوں سے کہا: تمھارے پاس پھاوڑے ہیں؟ تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ہاں ہیں! کہا کہ جاؤ پھاوڑے اٹھالاؤ۔ لوگ پھاوڑے لے کر وہاں پہنچے اور شاہ صاحب کے ہاتھ میں تھمادیے، شاہ دولہ ان کو لے کر نہر کے اس کنارے پہنچ گئے جہاں سے پانی آنے کا اندیشہ تھا اور کہنے لگے کہ یہ جو مینڈ لگی ہوئی ہے، اس کو کھودو؛ تاکہ پانی اِدھر کو آجائے۔ لوگ کہنے لگے کہ حضرت! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہم تو یہ کہنے کے لیے آئے تھے کہ اس سے بچیں، یہ تو ہم سے وہ کام کروا رہے ہیں، جس سے کہ شہر ڈوب جائے گا۔ کہا کہ حضرت یہ کیا؟ اس سے تو شہر ڈوب جائے گا۔

اس پر ان بزرگ نے ایک جملہ کہا کہ ''جدھر میرا مولیٰ، اُدھر شاہ دولہ'' یعنی جو میرے مالک کی مرضی ہے، وہی شاہ دولہ کی مرضی ہے، میں کوئی کام میرے رب کی مرضی کے خلاف نہیں کروں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب بندہ اپنی مرضیات کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے اور اطاعتِ خداوندی کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے، تو وہ تکلیف میں بھی راحت محسوس کرتا ہے؟

## حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا صبر وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی الثقلین سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر و نورِ نظر، جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصالِ مبارک ہوا، تو ظاہر

ہے کہ آپ کو بہت غم ہوا، کس قدر غم ہوا اس کا اندازہ ان کے ان اشعار سے لگایا جاسکتا ہے، جو انھوں نے اس موقعے پر فرمائے تھے:

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ أَنَّهَا  صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

(مجھ پر اللہ کے رسول کی وفات کی وجہ سے جو مصائب ڈالے گئے ہیں، وہ اگر دِنوں پر ڈال دیے جائیں؛ تو دن رات ہو جائیں۔)

یعنی دن کی روشنی ان مصائب کا تحمل نہ کر سکے گی اور دن بھی اندھیریوں میں تبدیل ہو جائیں جیسے راتیں ہوتی ہیں۔

اندازہ کیجیے کہ کس قدر غم ہوگا؛ مگر کوئی شکوہ و شکایت ان کی زبان پر نہ جاری ہوا۔ آج عورتیں اپنے کسی رشتہ دار باپ، ماں یا شوہر کے یا کسی اور کے انتقال پر نہایت ہی بے صبری کا مظاہرہ کرتی اور شکوہ و شکایت کی زبان دراز کرتی نظر آتی ہیں۔ یاد رکھو! یہ محبتِ الٰہیہ کے خلاف ہے۔

## ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے

ایک دفعہ حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ کو پیٹ میں درد ہوگیا، انھوں نے اللہ سے کہا کہ اے اللہ! اس کا علاج بتا دیجیے۔ وہ تو "کلیم اللہ" تھے، اللہ سے ہم کلامی کرتے تھے، انھوں نے کہا کہ اے اللہ میرے پیٹ میں درد ہے، اس کا کوئی علاج بتائیے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ چاول کھاؤ۔ حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ کو بھی اللہ تعالیٰ نے چاول ہی کا حکم دیا۔ اب حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے چاول کھائے؛ لیکن وہ درد کم نہیں ہوا۔ اللہ نے علاج تجویز کیا اور درد کم نہیں ہوا۔ انھوں نے اللہ سے پھر عرض کیا کہ اے اللہ! پریشانی ختم نہیں ہوئی۔ کیا کروں؟ کہا چاول کھاؤ۔ پھر بھی ختم نہیں ہوا۔ تیسری دفعہ عرض کیا؛ لیکن تیسری دفعہ بھی

کھانے کے بعد بیماری ختم نہیں ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! اب بھی ختم نہیں ہوا۔ اب کیا کروں؟ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ فلاں حکیم صاحب کے پاس جاؤ۔

اب حضرت موسیٰ عَلَیۡہِ السَّلَام حکیم صاحب کے پاس گئے۔ ان کو دکھایا؛ تو انھوں نے کہا کہ چاول کھاؤ۔ اللہ نے تین دفعہ کہہ دیا تھا؛ بیماری کم نہیں ہوئی۔ اب یہاں گئے تو وہی چاول کھاؤ۔ خیر آ گئے چاول کھائے تو ٹھیک ہو گئے۔ اشکال ہو گیا ذہن میں۔ اللہ سے عرض کیا کہ اے اللہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ راز ذرا فاش ہو جائے تو بہت اچھا کہ آپ نے کہا: چاول کھاؤ، ایک دفعہ نہیں، تین دفعہ میری بیماری ختم نہیں ہوئی، حکیم صاحب نے بھی کہا چاول کھاؤ اور بیماری میری ختم ہو گئی، یہ میرے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ اللہ نے کہا کہ اے موسیٰ! اگر میں نے کہا تو اسی لیے کہا کہ اس کا علاج ہی وہ تھا۔ حکیم صاحب نے اگر کہا وہ بھی اسی لیے کہا کہ ان کے علم کے مطابق بھی اس کا علاج وہی تھا؛ لیکن جہاں تک بیماری کے ختم ہونے کا سوال ہے، وہ تو میرے اختیار میں ہے۔ میں نے ختم اس وقت نہیں کرنا چاہا؛ اس لیے میں نے نہیں کیا۔ اگرچہ تم نے چاول کھایا؛ لیکن حکیم صاحب کے کہنے پر میں نے یہ چاہا کہ بیماری تمھاری ختم ہو جائے؛ اس لیے ختم کر دی۔ اب رہا یہ سوال کہ اے اللہ! اس وقت آپ نے کیوں ختم نہیں کیا؟ حکیم صاحب کے پاس جانے کے بعد کیوں ختم کیا؟ یہ اس لیے ختم کیا کہ اگر میرے پاس آپ کی درخواست پر میں یوں ہی ختم کیا کروں تو حکیم صاحب کا پیٹ کیسے بھرے؟ حکیم صاحب کا پیٹ بھی تو چلنا ہے، ان کی بھی تو دنیا چلنی ہے۔ اس کے لیے یہ وسائل ہیں، ذرائع ہیں، اسباب ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ حد لگا رکھی ہے۔

## چوروں کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت؟

ایک بزرگ تھے، ان سے ایک قفل بنانے والے نے آکر سوال کیا، سوال یہ کیا کہ کفر بھی اللہ نے پیدا کیا ہے، ایمان بھی اللہ نے پیدا کیا ہے، طاعت بھی اللہ نے پیدا کی ہے، معصیت بھی خدا نے پیدا کی ہے، ساری یہ چیزیں اللہ ہی نے پیدا کی ہیں، چور بھی اللہ نے پیدا کیے ہیں، ان کی چوری کا فعل بھی خدائے تعالیٰ پیدا کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے چوروں کو کیوں پیدا کیا؟ تو انھوں نے کہا کہ تجھے پالنے کے لیے۔ وہ قفل بنانے والا تھا۔ وہ بزرگ اس کو جانتے تھے؛ اس لیے کہ اگر چور نہ ہوتے، تو کون قفل خریدتا۔ ارے قفل تو اسی لیے خریدتے ہیں کہ چور موجود ہیں!!! اور چوریاں ہوتی ہیں؛ اس لیے سب لوگ تالے لیتے ہیں، دوکانوں پر بھی مکانوں پر بھی اگر چور نہ ہوتے تو ساری دوکانیں کھلی ہوتیں، چوبیس گھنٹے کھلی ہوتیں۔ کون بند کرنے کی مصیبت کرتا۔ یوں ہی چھوڑ کر چلے جاتے؛ لیکن چوروں کا خطرہ ہونے کی وجہ سے لوگ بند کرتے ہیں، دوکانوں کو مقفل کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ تیرے پالنے کے لیے اللہ نے انہیں پیدا کیا۔

ہر چیز میں خدا کی مصلحت ہوتی ہے، اللہ نے اس پوری کائنات کو ان اسباب ذرائع اور وسائل کے اندر گھیر رکھا ہے۔ اللہ ہر کام وقت پر کرتا ہے۔

## اللہ ہر کام وقت پر کرتے ہیں

ایک قصہ یاد آ گیا کہ ایک بزرگ جا رہے تھے، بہت سخت گرمی پڑ رہی تھی، یہ بڑی پریشانی کے ساتھ چل رہے تھے، اچانک بارش ہونے لگی، ٹھنڈے ٹھنڈے بارش کے قطرات جب ان کے جسم پر پڑے، تو ان کی زبان پر بے ساختہ و بے اختیار

ایک جملہ آ گیا، انھوں نے کہا کہ واہ! آج کیا وقت پر بارش ہوئی! اس پر فوراً اللہ کی طرف سے الہام ہوا اور عتاب نازل ہوا کہ او بے ادب! کیا ہم نے کبھی بے وقت بھی بارش برسائی ہے؟! جو بھی کرتے ہیں وقت پر ہی تو کرتے ہیں! تجھے پیدا کیا، تو وقت پر کیا! تجھے ماریں گے تو وقت پر ماریں گے! تجھے بخار دی، تو وقت پر دی! تجھے صحت دی تو وقت پر دی۔ کیا مطلب ہوا؟ کہ اللہ تعالیٰ پر جب اعتماد ہو کہ وہ سب کام حکمت و مصلحت کے مطابق کرتے ہیں، تو اللہ پر توکل و اعتماد کا پیدا ہو جانا لازمی ہے۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو دعائیں

حضرت ابو علی دقّاق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اپنی ہر چھوٹی بڑی حاجت وضرورت کو صرف اللہ کے سامنے پیش کرنا معرفت کی نشانیوں میں سے ہے۔ حضرت دقاق رحمہ اللہ نے اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی عمدہ مثال بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ ایک بہت بڑی چیز کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا، وہ یہ کہ انھوں نے اللہ سے عرض کیا:

﴿رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ﴾ (الأعراف: ۱۴۳)

(اے اللہ! مجھے اپنا دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھوں۔)

یہ بہت بڑا اور عظیم سوال تھا کہ اللہ کا دیدار ہو جائے؛ اس لیے کہ اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جنت میں جب جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا؛ تو جنتیوں کو جنت کی ساری چیزیں اس کے سامنے حقیر نظر آئیں گی اور اللہ کے دیدار کی لذت ساری لذتوں پر بھاری ہوگی۔ غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک طرف اللہ سے اتنی بڑی چیز کا سوال کیا اور دوسری طرف ایک اور موقعے پر دنیوی معمولی حقیر چیزوں کے لیے اللہ ہی کی

طرف رجوع کیا اور اپنی محتاجی ظاہر فرمائی، چناں چہ عرض کیا:

﴿رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ﴾ (القصص: ۲۴)

(اے میرے رب! میں ان چیزوں کا محتاج ہوں، جو آپ میری طرف (کھانا وغیرہ) نازل فرمائیں۔)

معلوم ہوا کہ ہر چھوٹی یا بڑی حاجت، اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہیے اور ہر حال میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ در تو صرف اسی کا ہے، اس کے در کے سوا کسی کا کوئی در نہیں، جہاں ہماری حاجات پوری ہوتی ہوں، اسی کا ہم کو مکلّف بنایا گیا ہے۔

## اللہ تعالی بندوں کو کب مقرب بناتے ہیں؟

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ مولانا رومی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ پر اللہ کی وحی آئی کہ اے موسیٰ! ہم نے تم کو اپنا مقرب بنالیا ہے اور تم کو اپنے لیے چن لیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار! وہ کیا خصلت ہے؟ جس کی بنا پر آپ اپنے بندوں کو اپنا برگزیدہ و مقرب بنا لیتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا جواب ارشاد ہوا:

گفت چو طفلے بہ پیشِ والدہ      وقتِ قہرش دست ہم بروے زدہ

(مجھے اپنے بندے کی یہ بات اور ادا بہت پسند ہے کہ وہ مجھ سے وہ معاملہ کرے، جو ایک چھوٹا بچہ اپنی ماں کے ساتھ اس وقت کرتا ہے، جب اس کی ماں اس پر غصہ ہوتی ہے۔)

اس وقت بچہ اپنی ماں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے؟ اس کو سنیے:

مادرش گر سیلئے بروے زند      ہم بمادر درآید و بروے تند

(جب ماں بچہ کو طمانچہ مارتی ہے، تو وہ ماں ہی کی طرف دوڑتا ہے اور اسی سے لپٹ کر چلاتا ہے۔)

از کسے یاری نخواہد غیرِ او — او ست جملہ شرِّ او خیرِ او

(یہ بچہ اپنی ماں کے سوا کسی سے مدد بھی نہیں چاہتا اور اپنی ماں ہی کو تمام خیر وشر کا سرچشمہ خیال کرتا ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! یہ ہے وہ ادا جس کی وجہ سے میں بندے پر عنایت کرتا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی یہ ادا پسند ہے کہ وہ صرف اسی کو پکارے اور ہر وقت اسی سے لو لگائے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

# محبت و عظمتِ رسول ﷺ کے خوبصورت نقوش

عشقِ نبوی دردِ معاصی کی دوا ہے
ظلمت کدۂ دہر میں وہ شمع ہدیٰ ہے
آمد تیری اے ابرِ کرم! رونقِ عالم
تیرے ہی لیے گلشن ہستی یہ بنا ہے

(علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اسلام کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی خوشی

ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ ان صاحب نے عرض کیا کہ میں نے کچھ تیاری نہیں کی ہے؛ مگر یہ کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اَلْمَرْأُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. »

(آدمی جنت میں اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھے گا۔)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں یعنی صحابۂ کرام کو نہیں دیکھا کہ وہ اسلام کے بعد کسی چیز سے اس قدر خوش ہوئے ہوں، جتنا کہ آپ کے اس ارشاد سے خوش ہوئے۔ (مشکل الآثار: ۱/۴۲۱)

ایک حدیث میں ہے کہ اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے نہ روزوں کی کثرت سے، نہ نماز کی کثرت سے، نہ صدقے کی کثرت سے اور نہ کسی چیز سے تیاری کی ہے؛ لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔

(البخاري: ۲/۱۰۵۹)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ صاحب جنھوں نے سوال کیا تھا،

''حضرت ذوالخویصرہ یمنی ﷺ'' تھے اور انھوں نے ایک دفعہ اسلام لانے سے قبل مسجد میں پیشاب کر دیا تھا۔ (فتح الباري:۱۱/۵۵۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہٴ کرام ﷺ کے لیے یہ بہت ہی زیادہ خوشی کا موقعہ تھا، جب کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ فرمایا کہ آدمی اس کے ساتھ ہوگا؛ جس سے محبت رکھے گا۔ اسی طرح ہر مسلمان کے لیے یہ ارشاد خوشی وسرور کا پیغام ہے اور امید کی ایک کرن ہے؛ ورنہ ہمارے پاس کون سا ایسا عمل ہے کہ جنت کی تمنا و آرزو کر سکیں؟!۔

غرض یہ کہ یہ محبت بڑی دولت ونعمت ہے، کہ جنت میں اللہ کے رسول علیہ السلام کی زیارت وملاقات کا موقعہ مل جائے؛ مگر یہ دولت کس کو نصیب ہوگی؟ عشق ومحبتِ نبوی میں جو سچا اور پکا ہو، اس کو یہ دولت نصیب ہوگی؛ لہٰذا آپ علیہ السلام سے سچی وپکی محبت پیدا کرنا چاہیے۔

## عشقِ رسول صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا بے نظیر نمونہ

حضراتِ صحابہٴ کرام ﷺ کی رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے محبت وعشق کا عجیب حال تھا۔ مروی ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ ﷺ'' نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب آپ بھی انتقال فرما جائیں گے اور ہم بھی مر جائیں گے، تو آپ ''عِلّیین'' میں ہوں گے، جہاں سے ہم نہ آپ کو دیکھ سکیں گے اور نہ آپ کے ساتھ جمع ہو سکیں گے، پھر انھوں نے اس پر بڑے ہی حزن اور غم کا اظہار کیا، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِينَ
وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا﴾ (النساء: ٦٩)

(جو اللہ ورسول کی اطاعت کریں گے، وہ انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔)

ان ہی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا؛ تو انھوں نے دعا کی:

"اللّٰهُمَّ أَعْمِنِيْ حتّى لا أرى شيئاً بعدَه."

(اے اللہ! مجھ کو اندھا کر دے تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی چیز کو نہ دیکھ سکوں۔)

ان کی یہ دعا فوراً قبول ہوئی اور اسی وقت وہ نابینا ہو گئے۔

(تفسیر القرطبي: ۵/۲۷۱)

اللہ اکبر! کیا عشق تھا، محبوبِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ!! کہ آپ کے بعد اپنی آنکھوں سے کسی کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے، گویا یہ آنکھیں صرف اس لیے تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں، جب آپ کا وصال ہو گیا اور اب اس کا امکان نہ رہا؛ تو آنکھوں کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی، وہ آنکھیں کس کام کی جن سے محبوب کا دیدار نہ ہو۔

## حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، سوائے میرے نفس کے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں! خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری

جان ہے!تم مومن نہیں ہو سکتے ،جب تک کہ میں تمھارے نفس سے زیادہ تم کو محبوب نہ ہو جاؤں ۔پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم!اب آپ مجھے میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''ہاں!اب (ایمان مکمل ہوا) اے عمر!''۔ (البخاري:۲/۹۸۱)

## حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول

ایک اور صحابی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں،ان کا حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت میں یہ حال ہو گیا کہ ایک دفعہ حاضرِ خدمت ہوئے اور رنگ بدلا ہوا تھا اور جسم نحیف وکمزور ہو گیا تھا اور چہرے پر غم اور حزن کے آثار نمایاں تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ثوبان! تمھارا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے؟ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نہ مجھے کوئی نقصان ہوا اور نہ درد ہے؟ لیکن بات یہ ہے کہ جب میں آپ کو نہیں دیکھتا تو بے قرار ہو جاتا ہوں اور شدید وحشت وگھبراہٹ محسوس کرتا ہوں اور جب تک آپ کو نہ دیکھ لوں اور آپ سے نہ مل لوں قرار نہیں آتا۔جب میں نے آخرت کا معاملہ سوچا؛تو اندیشہ ہوا کہ میں وہاں آپ کو نہ دیکھ سکوں گا؛ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ بلند ترین مقام پر ہوں گے اور میں اگر جنت میں داخل بھی ہوا؛تو آپ کے درجے سے کم درجے پر رہوں گا اور اگر جنت میں داخل ہی نہ ہو سکا؛ تو پھر کبھی بھی آپ کو نہ دیکھ پاؤں گا،یہ سوچ کر مجھ کو غم ہو گیا اور یہ حال ہو گیا ہے۔مفسرین نے لکھا ہے کہ ان ہی کے اس واقعے پر وہ آیت نازل ہوئی جو اوپر پیش کی گئی ہے۔ (تفسیر القرطبي:۵/۲۷۱)

# عشقِ نبی میں ایک لکڑی کا رونا

ہمارے نبیٔ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا واقعہ ''بخاری'' میں موجود ہے کہ نبیٔ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ایک منبر لکڑی کا تھا، جو ویسا ہی معمولی سا بنا ہوا تھا، کوئی مستقل منبر نہ تھا، نبیٔ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس پر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، کچھ لوگوں کو توجہ ہوئی تو انھوں نے مسجد کے اندر مستقل ایک منبر تعمیر کر کے وہاں نصب کر دیا اور لکڑی کا عارضی منبر جو وہاں پر موجود تھا، اس کو وہاں سے ہٹا دیا۔ اس کے بعد حسبِ معمول اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جمعہ میں خطبہ ارشاد فرمانے تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہوئے؛ تو دیکھا کہ کسی کے بلک بلک کر رونے کی آواز آ رہی ہے، سب پریشان کہ یہ کون رو رہا ہے، صحابہ اِدھر اُدھر پریشان ہو کر دیکھنے لگے، پھر کسی نے بتایا کہ یا رسول اللہ! اُدھر وہ منبر رو رہا ہے، جس کے اوپر آپ اب تک کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خطبہ چھوڑ کر اس کی طرف تشریف لے گئے اور جا کر اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے، کیوں رو رہا ہے؟ منبر جواب دینے لگا کہ یا رسول اللہ! اب تک آپ کی قربت مجھے نصیب تھی، نئے منبر کے بننے کے بعد مجھے ایک کونے میں ڈال دیا گیا، میں آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو سینے سے لگایا اور اس کو تسلی دی، تو وہ خاموش ہو گیا، پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

« والذي نفس محمدٍ بيده! لَوْ لَمْ أَلْتَزِمْهُ ما زال باكياً حطباً حتى يوم القيامة ، حزناً على فراق رسول الله ﷺ. » (البخاري:٣٣١٩، ابن ماجه:١٤٠٧، سنن الدارمي:٤١)

(اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر میں اس کو اپنے سینے سے نہ لگاتا؛ تو یہ میری جدائی کے صدمے میں قیامت تک روتا رہتا، اس کے بعد آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جاؤ! اس کو دفن کردو۔)

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عظمتِ رسول

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں مسجدِ نبوی میں تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری، میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے (دو شخصوں کو دکھا کر) فرمایا کہ ان دو کو میرے پاس لے آؤ، وہ کہتے ہیں کہ میں ان کو لے کر آپ کے پاس آیا، آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر تم یہاں کے ہوتے تو تمھاری پٹائی کرتا، تم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو؟

(البخاري:۴۷۰)

## امام مالک رحمہ اللہ اور عظمتِ رسول

تاریخ میں ہے کہ ایک بار حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے ان کے زمانے کا بادشاہ امیر المؤمنین ابوجعفر المنصور نے مسجدِ نبوی میں کسی سلسلے میں بحث کی اور اس کی آواز بلند ہوگئی، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! اس مسجد میں آواز بلند نہ کریں۔ اللہ نے صحابہ کی ایک جماعت کو یہ ادب سکھایا: ﴿لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (الحجرات:۲) (اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو) اور ایک جماعت کی تعریف اس طرح کی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﴾ (الحجرات:٣) (جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی آواز کو پست کر لیتے ہیں) اور پھر فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، وفات کے بعد بھی اسی طرح ہے جیسے زندگی میں ہوتی ہے۔

(ترتیب المدارک للقاضی عیاض :٦٨/١،خلاصة الوفاء للسمهودي :٥١/١)

## آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو تیر انداز جماعتوں کے درمیان

حضرات صحابہ برابر تیر اندازی کی مشق کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے وہ یہ:

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ ''اسلم'' کے لوگوں پر سے گزرے، جو آپس میں تیر اندازی کی مشق بازار میں کر رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیر اندازی کرو، اے بنی اسماعیل! کیوں کہ تمھارے باپ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) بھی تیر انداز تھے اور میں فلاں جماعت کے ساتھ ہوں، یہ آپ نے دو جماعتوں میں سے ایک سے فرمایا۔ اس پر دوسری جماعت نے اپنے ہاتھ روک لیے کہ دوسری طرف حضور ہیں اور اس جماعت پر حملہ گویا حضور پر حملہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمھیں کیا ہوا؟ عرض کیا کہ ہم کیسے تیر پھینکیں؟ جب کہ آپ فلاں جماعت کے ساتھ ہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تم تیر اندازی کرو، میں دونوں جماعتوں کے ساتھ ہوں۔

(البخاري ٤٠٦/١،مشكوة المصابيح:٣٣٦)

## اطاعتِ رسول سے انحراف اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

ایک منافق اور یہودی کے درمیان ایک زمین کے مسئلے میں اختلاف و جھگڑا

ہو گیا، یہودی کا کہنا تھا کہ یہ زمین میری ہے اور منافق کا دعویٰ تھا کہ میری ہے، یہودی نے کہا کہ تم مسلمان ہو، تو چلو تمھارے نبی کے پاس ہی فیصلہ کرا لیتے ہیں، اب دونوں یہ مسئلہ لے کر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی خدمت میں آئے اور اپنے مابین اس زمین کے متعلق فیصلہ طلب کرنے لگے، تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے دونوں کی گفتگو سننے اور دونوں کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ کیا کہ یہ زمین یہودی کی ہے، اس مسلمان کی نہیں۔

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا یہ فیصلہ منافق کو پسند نہیں آیا۔ وہ یہودی سے کہنے لگا کہ یہ فیصلہ صحیح نہیں ہوا؛ لہٰذا ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس کا دوبارہ فیصلہ کرائیں گے، اس پر بھی یہودی تیار ہو گیا۔ منافق دراصل یہ سمجھ رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چوں کہ کافروں، یہودیوں کے متعلق سخت ہیں، وہ اس یہودی کو برداشت نہیں کریں گے اور معاملہ سنتے ہی میرے حق میں فیصلہ کریں گے۔

چناں چہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور اپنے مسئلے کی تفصیل سنائی اور فیصلہ چاہا اور یہودی نے یہ بھی کہہ دیا کہ حضرت! اس کا فیصلہ آپ کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم میرے حق میں کر چکے ہیں؛ مگر پھر بھی یہ مسلمان (منافق) ماننے کو تیار نہیں اور اس نے دوبارہ آپ سے فیصلہ کرانے کے لیے مجھے یہاں آپ کے پاس لایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا حضور علیہ السلام نے فیصلہ کر دیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگ یہیں بیٹھے رہو، میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرت عمر اندر گئے اور تلوار لا کر اس منافق کی گردن اڑا دی اور فرمایا کہ جو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے فیصلہ سے راضی نہ ہو، اس کے حق میں عمر کا فیصلہ یہی ہے۔

اس کے بعد منافقوں نے شور مچایا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا، حضور کی خدمت میں شکایت لے کر آئے، اسی واقعے کے متعلق اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ فَلاَ وَرَبِّکَ لاَیُؤْ مِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ أَنْفُسِھِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً ﴾ (تفسیر ابن کثیر:۵۲۱/۱)

(پس آپ کے رب کی قسم ہے! کہ وہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ مانیں اور آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور بلا چوں وچرا قبول نہ کرلیں۔)

معلوم ہوا کہ دین کی بعض باتوں کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا منافقوں کی علامت ہے اور کامل مومن وہ ہے، جو ہر بات میں رسول کی اطاعت کرے۔

ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں، جو نماز روزہ و دیگر عبادات میں تو قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں؛ لیکن جب مسئلہ مال و دولت کا اور اپنے ذاتی یا خاندانی مفادات کا آتا ہے، تو وہاں نہ اللہ یاد آتا ہے، نہ رسول کی پرواہ ہوتی ہے، نہ لوگوں ہی سے کوئی شرم وحیا ہوتی ہے؛ بل کہ سب سے بالاتر ہوکر وہ اپنے مفاد کے لیے کوشش کرتے ہیں، چاہے اللہ راضی ہو یا نہ ہو، اللہ کا رسول خوش ہو یا ناخوش ہو۔

## حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اور اطاعتِ رسول

قرآن میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا وحضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ایک قصہ آیا ہے، جو اس سلسلے میں ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ ایک آیت ہے:

﴿مَاکَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَامُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْراً أَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِھِمْ﴾ (الأحزاب:۳۶)

(کسی مومن مرد وعورت کے لیے اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ
اور اللہ کے رسول کا فیصلہ آجانے کے بعد اپنا اختیار استعمال کرے۔)

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی، جب کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کا مسئلہ درپیش تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے علاقے میں انتہائی خوبصورت مانی جاتی تھیں، خاندان بھی اعلیٰ وارفع یعنی قریش کا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان عرب میں سب سے اونچا خاندان تھا، اسی اثنا میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رشتہ بھیجا۔ وہ رشتہ کیا تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منھ بولے بیٹے تھے، جن کا نام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھا، یہی وہ ''زید'' ہیں، جن کا قرآن میں نام آیا ہے، ان کے سوا کسی اور صحابی کا نام قرآن میں نہیں ہے، اگر چہ کہ ان سے بڑے بڑے صحابہ ہیں، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہم؛ مگر کسی کا نام قرآن میں نہیں ہے، صرف حضرت زید کا نام قرآن میں آیا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے لیے ان کا رشتہ بھیجا اور ان کے بھائیوں کو اس سلسلے میں متوجہ کیا۔

لیکن ان کے گھر والوں کو یہ رشتہ پسند نہیں آیا؛ اس لیے کہ حضرت زید ایک تو تھے غلام، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان کا کوئی خاص نسب نہیں تھا اور عرب میں نسب کا بہت اعتبار ہوتا تھا اور تیسرے یہ کہ وہ کوئی بہت خوبصورت حسین وجمیل بھی نہیں تھے۔ ان تینوں اعتبار سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان سے بہت ہی اعلیٰ وارفع تھیں؛ اس لیے ان کے خاندان والوں کو یہ رشتہ پسند نہ آیا اور تذبذب میں پڑ گئے کہ مانیں کہ نہ مانیں؟

اس وقت اللہ نے قرآن میں یہ آیت نازل فرمائی کہ کسی بھی معاملے میں، چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی، چاہے وہ تمھاری عبادات سے متعلق ہو یا معاملات سے، دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا کوئی مسئلہ ہو، کسی بھی قسم کا معاملہ ہو، جب اس میں اللہ اور اللہ کے نبی کا کوئی حکم آجائے، تو کسی کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنا بس چلائیں اور اپنی مرضی پر چلیں۔

دیکھیے! یہاں شادی کا مسئلہ تھا، پسند ناپسند کا مسئلہ تھا، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کہہ دیا کہ یہ رشتہ ہے، اس کو قبول کرو، دوسری جانب سے کچھ تذبذب کا معاملہ آگیا، تو قرآن میں آیت نازل ہوگئی کہ اللہ کے رسول کی طرف سے ایک بات تجویز ہو اور ان کی تجویز کو تم ٹھکرا کر اپنی مرضی پر تم چلنا چاہو، تو اس کا مومن کو بالکل اختیار نہیں ہے۔

## حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا کمال اتباع

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حج کیا اور حج کے بعد واپسی میں ہم لوگ ساتھ تھے، آپ اونٹ پر سوار ہوئے اور چلتے رہے اور ہم بھی ساتھ چلتے رہے، درمیان راستے میں ایک جگہ اونٹ والے سے کہا کہ اونٹ کو بٹھادو، اس نے اونٹ کو بٹھادیا، آپ اترے اور ذرا دور چلے گئے، پھر ایک جگہ اس طرح بیٹھ گئے، جیسے کوئی پیشاب کرنے بیٹھتا ہے، اس کے بعد واپس آئے اور فرمایا کہ چلو۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ نے کہا کہ حضرت ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ آپ نے پیشاب کیا ہے، تو وضو بھی کریں گے اور دو چار رکعتیں پڑھیں گے؟ فرمایا کہ میں نے تو پیشاب نہیں کیا، میرا تو وضو ہے، اس پر لوگوں کو اور تعجب ہوا، تو عرض کیا کہ حضرت! آپ نے تو ابھی اُدھر جا کر پیشاب کیا تھا؟ کہا کہ

نہیں؛ بل کہ بات یہ ہے کہ میں ایک دفعہ نبیٔ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ساتھ اسی راستے پر تھا سے گزر رہا تھا،تو آپ کو پیشاب کی ضرورت ہوئی اور آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اسی جگہ پیشاب فرمایا تھا، جہاں میں جا کر بیٹھا تھا، مجھے اس وقت پیشاب تو نہیں آیا؛ مگر میں نے سوچا کہ آپ کی اس میں بھی اتباع کروں، لہٰذا مشابہتِ نبی کے لیے صرف وہاں جا کر بیٹھ کر آ گیا۔ (مفتاح الجنة للسيوطي:٣٩-٤٠)

یہ ہے محبت کا کرشمہ اور اس کو ''عشق'' کہتے ہیں کہ اتباع و مشابہتِ نبی کامل طور پر ہو اور ہر ہر چیز میں ہو۔

## ایک صحابی کا حیرت انگیز جذبۂ اطاعت

امام ابوداؤد رَحِمَهُ اللّٰهُ نے ایک انصاری صحابی کا عجیب واقعہ بیان کیا ہے، جو ان کے عشقِ رسول پر دلیل ہونے کے ساتھ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اصل محبت و عشق وہی ہے، جس میں اطاعت و فرماں برداری ہو اور مخالفت و نافرمانی نہ ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رسولِ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم باہر تشریف لے گئے تو راستے میں ایک بلند قبہ بنا ہوا دیکھا اور صحابۂ کرام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ صحابۂ کرام نے بتایا کہ یہ قبہ فلاں انصاری شخص کا ہے، حضور یہ سن کر خاموش ہوگئے، پھر وہ انصاری صحابی جن کا وہ مکان تھا، خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا، تو آپ نے منہ پھیر لیا اور کئی دفعہ ایسا ہی کیا، اس سے ان صحابی کو آپ کا ناراض ہونا معلوم ہوا، تو صحابۂ کرام سے معاملہ پوچھا، صحابہ نے فرمایا کہ حضور نے تمھارا قبہ دیکھا تھا۔ یہ سن کر صحابی نے سمجھا کہ شاید آپ اسی قبے کے بنانے سے ناراض ہیں اور واپس گئے اور اپنا مکان منہدم کر دیا اور زمین کے برابر کر دیا، پھر کسی وقت اللہ کے نبی اس طرف سے گزرے

اور اس قبے کو نہ پا کر سوال کیا کہ قبہ کیا ہوا؟ تب صحابہ نے پورا واقعہ آپ کو سنایا۔
(أبو داود: ۲/۷۱۱، رقم: ۵۲۳۷)

یہ ہے سچی محبت اور سچا عشق!! کہ محبوب کی اتباع واطاعت کرنے کی دھن اور فکر لگی رہے اور اس کو ناراض کرنے والی ادنیٰ سی حرکت بھی گوارا نہ کرے اور جیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لیے آپ کی اطاعت لازم ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے بھی لازم ہے۔

## حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کی ہجرت

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾ (البقرۃ: ۲۰۷)

(لوگوں میں بعض وہ ہیں، جو اپنے آپ کو بیچ دیتے ہیں اللہ کی رضا تلاش کرتے ہوئے اور اللہ کی ذات بندوں پر بڑی رحیم کریم ہے۔)

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ان میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام ذکر کیے گئے ہیں۔ حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی آتا ہے کہ جب انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا اور اس ارادے سے نکلے، تو کافروں نے ان کو ایک جگہ پر گھراؤ میں لے لیا، کہنے لگے: صہیب! تم روم کے آدمی ہو، مکے کے نہیں! تم مکے میں آئے تھے، تو تمھارے جسم پر کپڑا بھی نہیں تھا، جیب میں ایک پائی بھی نہیں تھی، تم مکہ آئے، یہاں آکر تم نے کمایا اور جمع کیا۔ اب اس کو پونجی بنا کر یہاں سے لے جانا چاہتے ہو؟ یہاں کی ایک پائی ہم باہر جانے نہیں دیں گے، اگر تم کو جانا ہو تو تم تنہا جاؤ گے، تمھارے ساتھ کوئی چیز نہیں جائے گی۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پہلے ان کو دھمکی دی اور کہا: میرے ترکش میں تیر بھرے ہوئے ہیں اور میں بہت بڑا تیر انداز ہوں، تم لوگ مجھے جانتے ہو، اگر تم لوگ میرے قریب آئے، تو تیروں کی بوچھار کردوں گا اور اتنے تیر برساؤں گا کہ تم میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا، اس پر وہ لوگ سہم گئے؛ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ بہت بڑے تیر انداز ہیں؛ لیکن دور ہی کھڑے رہے، جانے کا راستہ نہیں دے رہے تھے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا بہت سا مال میں اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا ہوں، جو مکے میں چھوڑ دیا ہے، فلاں فلاں جگہ پر میں نے جمع کر کے رکھ دیا ہے، میں تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ تم سب وہ سارا مال لے لو، بس یہ سن کر سارے کافر وہاں سے چلے گئے اور واقعتاً انھوں نے مال چھوڑا بھی تھا۔ چناں چہ کفار و مشرکین اسے لینے چلے گئے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ''مدینہ طیبہ'' پہنچ گئے، اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

(تفسير القرطبي:۳/۲۰)

## محبتِ رسول کا تقاضہ-اطاعت

جو بات نبی بیان کر دے یا اس پر عمل کرے، وہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے بلا چوں و چرا اس کو ماننا ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ جو ''صلحِ حدیبیہ'' کے موقعے پر پیش آیا، بڑی عبرت کی چیز ہے۔ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ میں چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرے کی نیت سے مکے کی طرف روانہ ہوئے، تو حدیبیہ مقام پر کفار نے آپ کو روک دیا کہ آپ عمرے کے لیے مکے میں داخل نہیں ہو سکتے، پھر طرفین سے سفارت جاری ہوئی اور آخر کار چند شرائط پر دس سال کے لیے ایک معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے میں جو شرائط طے ہوئیں بہ ظاہر ایسا لگتا تھا کہ مسلمانوں کو

ان میں دبایا گیا ہے، شرائط برابر درجے کی نہیں ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی پریشانی ہوئی اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ ابوبکر! کیا ہم مسلمان حق پر نہیں ہیں؟ انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ پھر دب کر صلح کیوں کی گئی؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عجیب جواب دیا فرمایا: تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتے ہو؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک! بہ دل وجان مانتا ہوں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول مان لیا، تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے یہ خدا کے حکم سے ہو رہا ہے؛ پھر چون و چرا کی کیا گنجائش؟ حضرت عمر، پھر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہی سوالات پیش کیے، حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر کیا میں رسول نہیں ہوں؟ جب میں رسول ہوں، تو سمجھو کہ خدا کے حکم سے یہ سب ہو رہا ہے۔
(ابن ہشام)

بتانا یہ ہے کہ محبتِ رسول کا تقاضہ یہ ہے کہ بلا چوں و چرا آپ کی اطاعت کی جائے۔

# ایثار وسخاوت میں
# اسلاف کی مسابقت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات سے زیادہ رمضان میں سخی ہوجاتے تھے، جب جبرئیل آپ سے ملتے تھے، اور جبرئیل رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملتے تھے، یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں قرآن سنایا کرتے تھے۔ غرض جب جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملتے تھے، تو آپ تیز ہوا سے بھی زیادہ نیکی میں سخی ہوجاتے تھے۔

(البخاري:۱۷۶۹، مسلم:۴۲۶۸، النسائي:۲۰۶۸، أحمد:۳۲۵۰، ابن خزیمة: ۱۹۴/۳، ابن حبان:۲۲۵/۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ رمضان میں سخاوت وخیرات بہت زیادہ کرتے تھے۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے مثال سخاوت

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں فاقہ تھا، کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں تھی، آپ نے اس موقعے پر ایک رات کسی کے باغ کو پانی سینچ کر ڈالنے کی مزدوری کی اور اس کام پر صبح کو باغ والے نے کچھ ''جو'' دیے، آپ اس کو لے کر آئے اور گھر میں اس ''جو'' کے تین حصے بنا کر ایک حصہ چکی میں پسوایا اور اس سے ''خزیرہ'' نام کا ایک کھانا پکایا گیا اور کھانے کے لیے بیٹھے، تو ایک مسکین آیا اور دستک دی کہ اللہ کے نام

پر کچھ دے دو، آپ نے اور گھر کے افراد نے وہ سارا کھانا فقیر کو دے دیا، پھر باقی آٹے میں سے کچھ نکال کر پکایا اور کھانے بیٹھے، تو ایک یتیم آیا کہ اللہ کے نام پر کچھ دے دو، آپ نے یہ کھانا بھی اللہ کے نام پر اس یتیم کو دے دیا اور آٹے کے آخری بچے ہوئے حصہ کو لے کر اس کو پکایا اور کھانے بیٹھے، تو ایک قیدی آیا اور سوال کیا، آپ نے یہ بھی اللہ کے نام پر دے دیا۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّأَسِيْرًا﴾ (الإنسان: ۸)

(وہ اللہ کی محبت میں مسکین و یتیم و قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔)

(أسباب النزول لو احدي:۴۰۷)

بھائیو! یہ اللہ کا کرم ہی ہوتا ہے کہ کوئی سخاوت کا کام کیا کرے اور یہ کرم حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اللہ کا بے حد تھا؛ اس لیے وہ حضرات حیرت انگیز قسم کی سخاوت بھی کرتے تھے۔ جس کا ایک نمونہ یہ ہے۔

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک لاکھ اسی ہزار کی سخاوت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو بوریوں میں ایک لاکھ اسی ہزار درہم بھیجے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک طباق منگوایا اور یہ ساری رقم لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا، جب شام ہوئی تو اپنی باندی سے فرمایا کہ میری افطاری لاؤ، باندی نے ایک روٹی اور زیتون کا تیل پیش کیا، حضرت عائشہ کی ایک خادمہ ”ام درہ“ تھیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ کیا آپ نے جو مال تقسیم کیا، اس میں ایک درہم کا گوشت ہمارے لیے نہیں خرید ا جا سکتا تھا، جس سے ہم لوگ افطار کرتے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر تم نے مجھے یاد دلایا ہوتا تو میں خرید لیتی۔

یہ حیرت انگیز قسم کی سخاوت ہے کہ خود تو یا د نہیں رہے اور ساری دنیا پر لٹادیا اور رقم بھی کوئی معمولی نہیں؛ بل کہ ایک لاکھ اسی ہزار درہم! کیا ٹھکانہ ہے اس سخاوت کا!

## حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سخاوت

ایک واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کتابوں میں لکھا ہے، وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس شہرِ ''بصرہ'' کے چند علما آئے، اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر تھے، انھوں نے کہا کہ ہمارے پڑوس میں ایک صاحب رہتے ہیں، جو ''صوام وقوام'' یعنی دن بھر روزہ رکھنے والے اور رات بھر نماز پڑھنے والے بڑے عابد وزاہد اور اللہ والے ہیں، ہم میں سے ہر شخص کی خواہش ہے کہ ان جیسے بن جائیں، انھوں نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے ایک غریب بھتیجے سے کردیا ہے اور وہ اس قابل نہیں کہ اپنی بیٹی کی رخصتی کا انتظام کرسکیں۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان علما کو اپنے گھر لے گئے اور ایک صندوق کھول کر اس میں سے درہموں کی چھ تھیلیاں نکالیں اور فرمایا کہ یہ لے جاؤ، پھر کہنے لگے کہ ٹھیرو! یہ کوئی انصاف کی بات نہیں کہ ہم ایک شخص کی عبادت میں خلل ڈال دیں؛ لہٰذا مجھے بھی ساتھ لیتے چلو؛ تاکہ ہم سب اس کی بیٹی کی رخصتی میں اس کی مدد کریں، دنیا اتنی قابلِ قدر نہیں کہ مومن کی عبادت میں اس سے خلل ڈالا جائے اور ہم اتنے بڑے نہیں کہ اولیاء اللہ کی خدمت نہ کریں۔

بھائیو! ایک بات یہاں اور جان لیں کہ ایثار وسخاوت کا اعلیٰ درجہ ہے اور ایثار کہتے ہیں خود پر دوسروں کو ترجیح دینا، خود کو بھوک لگی ہے؛ مگر خود نہیں کھاتا دوسروں کو کھلاتا ہے، خود پیاسا ہے؛ مگر دوسروں کو پلاتا ہے۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی خصوصیت تھی کہ وہ محض سخی نہیں تھے؛ بل کہ ایثار کرتے تھے؛ اسی لیے قرآن نے ان کی تعریف میں فرمایا:

﴿ وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر: ۹)
(وہ حضرات اپنے پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگر چہ خود ان کو تنگی ہو۔)
یعنی خود کو بھوک و پیاس وغیرہ کی پریشانی ہے؛ مگر اس کے باوجود وہ حضرات دوسروں کو دیتے ہیں اور خود صبر کر لیتے ہیں۔

## حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بے نظیر ایثار

حدیث و تفاسیر کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے سخت فاقہ لگا ہے۔ آپ نے اپنی عورتوں سے معلوم کیا کہ کوئی چیز تم لوگوں کے پاس ہے؟ لیکن کسی جگہ بھی کوئی کھانے کی چیز نہیں تھی۔ آپ نے اعلان کیا کہ کوئی ہے جو ہمارے مہمان کی آج رات مہمان نوازی کرے؟ تو حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، انھوں نے کہا کہ میں ان کی مہمان نوازی کروں گا۔ پھر ان کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ مہمانِ رسول کی خاطر داری میں کوئی کسر نہ چھوڑنا، ان کی بیوی نے کہا کہ آج ہمارے گھر سوائے بچوں کے کھانے کے کوئی چیز نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دو اور ہم بھی آج اللہ کے نبی کے مہمان کی خاطر بھوکے رہ جائیں گے اور جو کھانا ہے، اس کو لے آؤ اور جب ہم کھانے بیٹھیں، تو کسی بہانے سے چراغ بجھا دو، تا کہ مہمان سمجھیں کہ ہم بھی ان کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ چناں چہ ان کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔ اس طرح مہمان کو سارا کھانا کھلا دیا اور خود وہ اور ان کے بیوی بچے سب بھوکے رہ گئے۔ جب صبح ہوئی اور یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے، تو آپ نے فرمایا کہ فلاں مرد و فلاں عورت سے اللہ نے تعجب کیا اور ان کے بارے میں آیت نازل

کی ہے۔پھر یہ آیت سنائی:

﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر:۹)

(وہ حضرات اپنے پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگر چہ خود ان کو تنگی ہو۔)

(الدر المنثور:۸/۱۰۷،الکشف و البیان للنیسابوري:۹/۲۶۹)

## ایک بکری کی سری، سات گھروں کا چکر۔صحابہ کا انوکھا ایثار

﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ کے شانِ نزول میں بعض مفسرینِ کرام نے یہ واقعہ بھی روایت کیا ہے کہ ایک صحابی کو کسی نے بکری کی سری ہدیے میں بھیجی۔ان صحابی نے کہا کہ فلاں بھائی صاحبِ اولاد ہیں، وہ مجھ سے زیادہ اس کے محتاج ہیں؛لہٰذا ان کو دے دو۔اس طرح وہ سری ان کے گھر بھیج دی گئی وہ دوسرے صحابی کہنے لگے کہ میرے سے فلاں صاحب محتاج ہیں،لہٰذا ان کو دے دو۔ وہ سری وہاں سے ایک تیسرے صحابی کے پاس پہنچی ،اس طرح ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے گھر ہوتی ہوتی سات گھروں کا چکر لگا کر اور بعض روایات میں ہے کہ نو گھروں کا چکر لگا کر وہ سری پھر پہلے صحابی کے پاس ہی آ گئی۔اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (الدر المنثور:۸/۱۰۸،الکشف و البیان للنیسابوري:۹/۲۶۹)

## نزع کی حالت میں پانی کا ایثار

ایک حیرت انگیز واقعہ تاریخ نے محفوظ کیا ہے، وہ یہ کہ حضرت ابوجہم بن حذیفہ ﷛ ایک صحابی ہیں اور انھوں نے بڑی لمبی عمر پائی تھی ، زمانۂ جاہلیت بھی دیکھا اور زمانۂ اسلام بھی دیکھا تھا، وہ کہتے ہیں کہ جنگِ یرموک میں میرے چچا زاد بھائی کو تلاش کرنے نکلا اور ساتھ میں ایک پانی کا مشکیزہ لے لیا؛ تا کہ اگر وہ مل جائیں اور

پانی کی ضرورت پڑے تو پریشانی نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو ایک جگہ پالیا، وہ نزع کی حالت میں زخمی پڑے ہوئے تھے، میں نے ان سے کہا کہ کیا میں تمھیں پانی پلاؤں؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! اتنے میں ان کے قریب ایک اور شخص زخمی حالت میں پڑے ہوئے تھے، انھوں نے آہ کی، میرے چچازاد بھائی نے کہا کہ پہلے ان کو پانی پلاؤ، دیکھا تو وہ حضرت عمرو بن العاص ﷛ کے بھائی ہشام بن العاص ﷛ تھے، میں ان کے پاس پہنچا اور کہا کہ کیا پانی پلاؤں؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں! اتنے میں ایک اور شخص کے کراہنے کی آواز آئی، تو ہشام کہنے لگے کہ اس کو پہلے پلادو، حضرت ابوجہم ﷛ کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس پہنچا، تو ان کا انتقال ہو چکا تھا؛ لہٰذا میں ہشام کے پاس آیا، دیکھا تو ان کا بھی انتقال ہوگیا ہے، یہ دیکھ کر میں اپنے چچا زاد بھائی کے پاس آیا کہ ان کو پانی پلادوں؛ مگر جب ان کے پاس پہنچا، تو ان کا بھی وصال ہو چکا تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق:۱۴۲/۸)

یہ تھے حضرات صحابہ ﷡!! جن کے دلوں میں اللہ ورسول کی محبت اس طرح سمائی گئی تھی، کہ وہ ہر چیز کو اس کے لیے قربان کر سکتے تھے۔ یہ اللہ ورسول کے عاشقین بھی تھے اور محبوبین بھی تھے۔

## ایک اللہ والے غلام کا کتے پر ایثار

صحابہ تو بہ ہر حال صحابہ تھے، ان کے علاوہ بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جنھوں نے بے مثال سخاوت وایثار کا ریکارڈ قائم کردیا ہے۔ مجھے ایک غلام کا قصہ یاد آیا کہ عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنی ایک زمین کے سلسلے میں ایک مقام پر گیا، وہاں ایک صاحب کے باغ میں بیٹھا تھا، دیکھا کہ ایک کالا غلام وہاں موجود ہے اور کھانا کھا رہا ہے، اس کے پاس تین روٹیاں تھیں، اتنے میں ایک کتا آیا اور اس

غلام نے اس کتے کو ایک روٹی ڈال دی، کتا وہ روٹی کھا کر پھر آیا، اس غلام نے ایک اور روٹی اس کو ڈال دی، کتے نے وہ بھی کھالی اور پھر آ کھڑا ہوا، اس غلام نے آخری روٹی بھی اس کو ڈال دی۔ عبد اللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ میں یہ سارا ماجرا ایک طرف بیٹھ کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس غلام سے پوچھا کہ روزانہ تجھے کتنی خوراک ملتی ہے؟ اس نے کہا کہ یہی جو آپ نے دیکھی یعنی تین روٹیاں۔ عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تو نے تو ساری روٹیاں کتے کو ڈال دیں، اب تو کیا کھائے گا؟ اس نے کہا کہ میں بس بھوکا رہ جاؤں گا۔ میں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو وہ کہنے لگا کہ اصل یہ ہے کہ یہ علاقہ کوئی کتوں کا نہیں ہے، یہ کتا کہیں دور سے بھوکا آیا ہے، میں نے یہ اچھا نہیں سمجھا کہ میں تو کھالوں اور کتا کھڑا دیکھتا رہے۔

اللہ اکبر! یہ حیرت انگیز سخاوت وایثار ہے، جس کی نظیر ملنی مشکل ہے کہ خود بھوکا رہ کر کتے کو سارا کھانا کھلا دیا، آج لوگ اپنے بھائیوں تک کی طرف نظر نہیں کرتے، سگا بھائی پریشان ہے، خود فضول خرچی کرتے ہیں؛ مگر اپنے بھائی کے کھانے پینے اور دوا دارو کا بھی خیال نہیں کرتے۔ ہمارے اسلاف کے یہ واقعات بتاتے ہیں کہ انھوں نے سخاوت کے ذریعے مال لٹا کر محبت الٰہی کا خزانہ پالیا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ اگر ایک شخص کو اللہ کی محبت اپنا مال خرچ کر کے مل جائے، تو اس سے سستا سودا کوئی نہیں۔

## خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کا انجام بد

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے والے لوگوں کے مال کو تباہ وہلاک کر دیا جاتا ہے، چناں چہ قرآن میں باغ والوں کا قصہ نقل کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصۂ تفسیر یہ ہے کہ ملکِ ''یمن'' میں ''حبشہ'' میں ایک شخص کا باغ تھا، وہ

اس باغ کے پھل کا ایک بڑا حصہ غریبوں مسکینوں میں صرف کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا اور اس کی اولاد اس کی وارث ہوئی، تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارا باپ احمق تھا کہ اس قدر آمدنی مسکینوں کو دے دیتا تھا؛ اگر یہ سب باقی رہے تو کس قدر فراغت ہوگی۔ چناں چہ ایک مرتبہ قسم کھا کر یہ کہنے لگے کہ کل صبح چل کر باغ کا پھل ضرور توڑ لیں گے۔ "ان شاء اللہ" بھی نہ کہا اور سو گئے، صبح اٹھ کر ایک دوسرے کو چلنے کے لیے پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو، اگر تم کو پھل توڑنا ہے۔ پھر آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے آئے کہ تم تک کوئی مسکین نہ آنے پائے، جب باغ کے پاس پہنچے اور یہ دیکھا کہ باغ تو پورا صاف ہو گیا ہے اور کوئی چیز موجود نہیں ہے اور ایسا لگ رہا ہے جیسے کھیت کو کاٹ لینے کے بعد جلا کر صاف کر دیا جاتا ہے، تو کہنے لگے ہم راستہ بھول کر کسی اور جگہ آ گئے ہیں، پھر جب غور کرنے کے بعد یقین ہوا کہ یہی ہمارے باغ کی جگہ ہے، ہم بھولے نہیں ہیں؛ تو کہنے لگے کہ ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴾ کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی ہے، پھر آپس میں ایک دوسرے پر ملامت کرنے لگے۔

(القلم: ۱۷-۳۲، تفسير القرطبي: ۲۰/۲۴۰، روح المعاني: ۲۹/۲۳-۲۴، معارف القرآن: ۸/۵۲۶)

علما نے تصریح کی ہے کہ ان پر یہ عذاب اسی لیے آیا کہ انھوں نے مساکین کا حق، جو اللہ نے فرض کیا ہے، وہ ادا نہیں کیا۔ علامہ قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ فرماتے ہیں: یہ سزا اس سبب سے ہوئی ہے کہ انھوں نے مساکین (کا حق دینے سے) انکار کا ارادہ کیا تھا۔ (تفسير القرطبي: ۲۰/۲۴۰)

حاصل یہ ہے کہ ہمارے اموال کی تباہی اور دوسروں کا ان پر قبضہ کر لینا، یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ زکوۃ جیسا اہم فریضہ ہماری کوتاہی و غفلت کی نذر ہو جاتا ہے۔

## زکوۃ نہ دینے والوں کا انجام

زکوۃ نہ دینے والے پر عذابِ قبر کا ایک عجیب واقعہ علامہ ذہبی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے لکھا ہے کہ علامہ یوسف فریابی رَحِمَہُ اللّٰہُ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابوسنان رَحِمَہُ اللّٰہُ کی زیارت کے لیے گئے، ابوسنان نے فرمایا کہ چلو ہمارے پڑوسی کے بھائی کا انتقال ہوگیا ہے، ان کی تعزیت کر آئیں۔ کہتے ہیں کہ جب اس پڑوسی کے پاس گئے، تو دیکھا کہ وہ بہت رو رہا ہے اور ہماری تعزیت کو بھی قبول نہیں کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ کیا تو جانتا نہیں کہ موت کے بغیر چارہ نہیں؟ کہنے لگا: ہاں جانتا ہوں؛ مگر میں اس لیے رو رہا ہوں کہ میرا بھائی صبح و شام عذاب میں مبتلا ہے۔ کہتے ہیں: ہم نے پوچھا کہ تجھ کو کیسے معلوم ہوا؟ کیا تجھ کو غیب پر خدا نے اطلاع دی ہے؟ اس نے کہا نہیں؛ لیکن جب میں نے میرے بھائی کو دفن کر دیا اور اس پر مٹی ہموار کر دی اور لوگ چلے گئے، تو میں نے قبر سے اچانک ایک آواز سنی کہ آہ! مجھ کو انھوں نے تنہا بٹھا دیا ہے کہ میں عذاب کا اندازہ کروں، میں تو نماز پڑھتا تھا، روزے رکھتا تھا۔ یہ سن کر مجھ کو بھی رونا آ گیا، میں نے اس کی قبر سے مٹی ہٹائی تو دیکھا، کہ قبر آگ کے شعلے بھڑکا رہی ہے اور میرے بھائی کے گلے میں آگ کا طوق ہے۔ بھائی کی محبت نے مجھے ابھارا اور میں نے اس کی گردن سے طوق اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو وہ جل گئے۔ محمد بن یوسف فرماتے ہیں کہ اس نے ہم کو اپنا ہاتھ دکھایا کہ وہ جل کر کالا ہوگیا ہے، پھر اس نے کہا: کہ اب میں اس کے حال پر کیوں غم نہ کروں اور کیسے نہ روؤں؟ محمد فریابی رَحِمَہُ اللّٰہُ کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا کہ تیرے بھائی کا عمل کیا تھا؟ اس نے کہا: وہ اپنے مال کی زکوۃ نہیں دیتا تھا۔

(کتاب الکبائر: ۳۶-۳۷)

## زکوٰۃ کی برکت-ایک انگریز کا مشاہدہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رَحِمَهُ اللّٰهُ نے ’’آپ بیتی‘‘ میں اپنے والد حضرت مولانا یحییٰ صاحب رَحِمَهُ اللّٰهُ اور بعض لوگوں کے حوالے سے یہ واقعہ لکھا ہے، جو نہایت ہی حیرت انگیز اور قابل عبرت ہے۔ وہ یہ کہ ضلع ’’سہارنپور‘‘ میں ’’بہٹ‘‘ سے آگے انگریزوں کی کچھ کوٹھیاں تھیں، اس کے قرب وجوار میں بہت سی کوٹھیاں کاروباری تھیں، جن میں ان انگریزوں کے کاروبار ہوتے تھے اور ان کے پاس مسلمان ملازم کام کیا کرتے تھے اور وہ انگریز دہلی، کلکتہ وغیرہ بڑے شہروں میں رہتے تھے، کبھی کبھی معائنے کے طور پر آکر اپنے کاروبار کو دیکھ جاتے تھے، ایک دفعہ اس جنگل میں آگ لگی اور قریب قریب ساری کوٹھیاں جل گئیں۔ ایک کوٹھی کا ملازم اپنے انگریز آقا کے پاس دہلی بھاگا ہوا گیا اور جا کر واقعہ سنایا کہ ’’حضور! سب کی کوٹھیاں جل گئیں اور آپ کی بھی جل گئی۔‘‘ وہ انگریز کچھ لکھ رہا تھا، نہایت اطمینان سے لکھتا رہا، اس نے التفات بھی نہیں کیا۔ ملازم نے دوبارہ زور سے کہا کہ ’’حضور! سب جل گیا۔‘‘ اس نے دوسری دفعہ بھی لا پرواہی سے جواب دے دیا کہ میری کوٹھی نہیں جلی اور بے فکر لکھتا رہا۔ ملازم نے جب تیسری دفعہ کہا، تو انگریز نے کہا ’’میں مسلمانوں کے طریقے پر زکوٰۃ ادا کرتا ہوں؛ اس لیے میرے مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔‘‘ وہ ملازم تو جواب دہی کے خوف کے مارے بھاگا ہوا گیا تھا کہ صاحب کہیں گے کہ ہمیں خبر بھی نہیں کی، وہ انگریز کے اس لاپرواہی سے جواب کو سن کر واپس آ گیا، آکر دیکھا تو واقع میں سب کوٹھیاں جل چکی تھیں؛ مگر اس انگریز کی کوٹھی باقی تھی۔

(آپ بیتی:۲/۸۰)

## یہ تالا تمھارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹنے کا

ایک واقعہ حضرت شیخ الحدیث زکریا صاحب رحمۃ اللہ نے نہایت حیرت انگیز بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''مظاہر علوم، سہارنپور کے ابتدائی محسنین میں سے ایک صاحب حافظ فضل حق تھے، ان کا تکیہ کلام تھا ''اللہ کے فضل سے'' ہر بات میں یہی کہا کرتے تھے کہ اللہ کے فضل سے یہ ہوا اللہ کے فضل سے وہ ہوا۔ ایک مرتبہ انھوں نے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب رحمۃ اللہ سے صبح کو یہ عرض کیا کہ حضرت جی! رات تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا۔ حضرت بھی یہ فقرہ سن کے ہنس پڑے اور دریافت کیا کہ حافظ جی! اللہ کے فضل سے اللہ کا کیا غضب ہو گیا؟ انھوں نے عرض کیا کہ رات میں سو رہا تھا اور مکان میں میں اکیلا ہی تھا، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ تین چار آدمی میرے کوٹھے کے کواڑوں کو چمٹ رہے ہیں، میں نے ان سے بیٹھ کر پوچھا کہ ابے تم چور ہو؟ کہنے لگے ہاں ہم چور ہیں۔ میں نے کہا کہ سنو، میں شہر کے رؤسا میں سے ہوں اور مدرسے کا خزانہ بھی میرے پاس ہے اور سارا کا سارا اسی کوٹھے میں ہے اور یہ تالا جو اس کو لگ رہا ہے چھ پیسے کا ہے، تمھارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹنے کا، تم تو تین چار ہو، دس بارہ کو اور بلا لو اور اس تالے کو ٹھکتے رہو، یہ ٹوٹنے کا نہیں۔ میں نے حضرت جی (حضرت مولانا مظہر صاحب) سے سن رکھا ہے کہ جس مال کی زکاۃ دے دی جائے، وہ اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے، میں نے اس مال کی زکوٰۃ جتنی واجب ہے، اس سے زیادہ دے دی ہے؛ اس لیے مجھے اس کی حفاظت کی ضرورت نہیں، اللہ میاں اپنے آپ حفاظت کریں گے۔ حضرت جی! اللہ کے فضل سے میں تو یہ کہہ کر سو گیا، میں جب پچھلے پہر کو اُٹھا، تو وہ لپٹ رہے تھے، میں نے کہا کہ ارے میں نے تو کہہ دیا تھا کہ دس بارہ کو اور بلا لو، تو اللہ کے فضل سے ٹوٹنے

کا نہیں۔حضرت جی! یہ کہہ کر میں تو اللہ کے فضل سے نماز میں لگ گیا اور جب اذان ہوگئی، تو میں ان سے یہ کہہ کر کہ میں تو نماز کو جا رہا ہوں، تم اس کو لپٹتے رہو۔پھر حضرت جی! اللہ کے فضل سے وہ سب بھاگ گئے۔ (آپ بیتی:۲/۷۸-۷۹)

## کروڑ پتی فقیر بن گیا

حضرت مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے۔ایک فقیر بھیک مانگنے ایک مکان پر دستک دیا،اس مکان میں میاں بیوی کھانا کھا رہے تھے،بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ فقیر کو کھانے کے لیے کچھ دے دو۔تو شوہر نے کہا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے،دینے کی چھوڑو،وہ تو ویسے ہی مانگتے رہتے ہیں۔

بہ ہر حال وہ فقیر چلا گیا،اس کے بعد اس شوہر کے حالات بگڑنے لگے اور وہ مال داری کی سیڑھی سے فقیری کی طرف اترنے لگا،یہاں تک اس کی نوبت آئی کہ وہ اپنے گھر کے سامان بیچ دیا۔پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں اب تم کو اپنے پاس رکھنے کی اور نفقے کی طاقت نہیں رکھتا؛اس لیے میں تم کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔

چناں چہ اس نے اس بیوی کو چھوڑ دیا، اس کے بعد اس عورت کی شادی کسی اور گھر میں کردی گئی، وہ دونوں آپس میں ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔کچھ دنوں بعد ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ وہ دونوں بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے،تو ایک فقیر دروازے کے پاس آیا اور دستک دینے لگا،تو شوہر نے بیوی سے کہا کہ کچھ دے دو۔عورت دینے کے لیے گئی،تو فقیر کو دیکھتے ہی زار و قطار رونے لگی۔اس کے شوہر نے پوچھا: کیوں کچھ چھیڑ چھاڑ تو نہیں ہوئی؟ وہ کچھ بولی نہیں صرف رو رہی تھی؛ پھر اس نے کہا بات یہ ہے کہ جو مانگنے کے لیے آیا تھا،وہ اصل میں میرا پہلا شوہر تھا۔ایک مرتبہ ہم دونوں کھانا کھا رہے تھے،ایک فقیر آیا مانگنے کے لیے، میں نے اس سے کہا تھا کہ فقیر کو کچھ

دے دو؛ لیکن وہ نہیں مانا، تو وہ فقیر چلا گیا، جس کی وجہ سے آج اللہ نے خود اسے فقیر بنادیا ہے۔ اس کے بعد اس دوسرے شوہر نے بیوی سے کہا کہ اس دن جو فقیر تمھارے دروازے پر مانگنے آیا تھا، وہ میں ہی تھا۔ اللہ نے مجھے امیر بنادیا اور اسے میرے دروازے پر فقیر بنا کر بھیج دیا۔ اللہ اکبر!!

بھائیو! اس واقعے میں بڑی عبرت ہے کہ اللہ جسے چاہتے ہیں؛ امیر بناتے ہیں، جسے چاہتے ہیں سیکنڈوں میں فقیر بنا دیتے ہیں۔ واقعی اللہ بڑی قدرت والے ہیں؛ لہٰذا مال داروں کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور زکوۃ وخیرات سے فقیروں کی امداد کرنا چاہیے اور فقیروں کو ڈانٹنے اور جھڑکنے سے بچنا چاہیے۔

## بھیک جتنی، دروازہ بھی اتنا

ایک مرتبہ ایک فقیر بھیک مانگتے مانگتے ایک دروازے سے دوسرے دروازے پر پہنچتا رہا، یہاں تک کہ ایک بہت بڑے دروزاہ کے پاس گیا۔ اور یہ خیال کیا کہ جب دروازہ اتنا بڑا ہے، تو یہ گھر بھی بہت بڑا ہے اور کسی رئیس یا حاکم کا محل ہوگا؛ اس لیے یہاں بھیک بھی زیادہ ملے گی۔ یہ سوچ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ بہت دیر کے بعد دروازہ کھلا اور اس کو اس دروازے سے دس پیسے دیے گئے، اس نے وہ دس پیسے لے کر ایک طرف کو رکھ دیا اور کلہاڑی لے کر دروازہ کو اکھاڑنا شروع کردیا۔ جب اکھاڑنے کی آوازیں آنے لگیں، تو گھر والے باہر آئے اور یہ منظر دیکھ کر انھوں نے اس سے پوچھا کہ ارے یہ کیا کر رہا ہے؟ کیوں دروازہ اکھاڑ رہا ہے؟ تو اس فقیر نے بڑا عجیب جواب دیا اور کہا کہ میں یہاں اس قدر بڑا دروازہ دیکھ کر اس لیے آیا تھا کہ دروازے کے برابر بھیک ملے گی؛ مگر میں نے دیکھا کہ اتنا بڑا دروازہ اور بھیک اتنی کم؟ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ یا تو بھیک جتنی ہے، دروازہ بھی اتنا ہی

ہو جائے ، یا دروازہ جتنا بڑا ہے، بھیک بھی اتنی ہی ہو جائے۔ لہٰذا تم بھیک بڑھا دو یا میں دروازہ کو چھوٹا کردوں گا۔ یہ سن کر گھر والے شرمندہ ہوئے اور انھوں نے بھیک بڑھادی۔

اس سے ہمیں بڑا سبق مل رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بندوں کی حیثیت دیکھ کر ان کو دیتا، تو ان کی حیثیت ہی کیا ہے؛ لہٰذا بہت کم دیتا؛ لیکن اللہ اپنی رحمت کو دیکھ کر بندوں کو دیتا ہے۔ یہی صفت ہمارے اندر بھی ہونا چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ خرچ کریں۔

# شیطانی مکروفریب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# شیطان کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش

شیطان کی عیاری و مکاری بڑی خطرناک ہوتی ہے، وہ کسی کو بھی نہیں چھوڑتا؛ حتیٰ کہ حضراتِ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی نہیں چھوڑتا۔

ایک دفعہ شیطان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور آکر کہنے لگا: آپ تو وہ ہیں کہ اپنی ربوبیت سے شیر خوارگی میں آپ نے کلام کیا، جب کہ کوئی اور ایسا نہیں کرسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ربوبیت و الوہیت، تو اس اللہ کے لیے ہے، جس نے مجھے قوتِ گویائی دی۔

پھر وہ کہنے لگا کہ اے وہ ذات! کہ جس نے اپنی الوہیت سے مردوں کو زندہ کیا ہے، اے وہ ذات! جس نے اپنی الوہیت سے مختلف پرندوں کو بنا کر زندہ چھوڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہنے لگے ''لاحول و لاقوۃ إلا باللّٰہ'' میں کہاں کا خدا! میرے اندر کہاں الوہیت؟! الوہیت تو اس اللہ کے اندر ہے، جو مجھے بھی زندگی اور موت دیتا ہے۔ (مکائد الشیطان لابن أبي الدنیا:٧٦)

دراصل شیطان ان باتوں سے ان کو بہکانے کے لیے آیا تھا؛ تاکہ ان کے ذہن میں یہ ڈال دے کہ جیسے لوگ سمجھتے ہیں، اسی طرح یہ الوہیت کے حامل ہیں۔ یعنی خدائی صفات ان کے اندر ہیں، تو خدائی صفات کا حامل بتایا اور ان کے ذہن میں یہ بات ڈالنی چاہی؛ تاکہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ گمراہ ہوجائیں؛ لیکن اللہ

تو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حفاظت کرتا ہے اور اپنی عصمت سے ان کونوازتا ہے؛ اس لیے حضرت عیسیٰ نے فوراً یہ جواب دیا۔

معلوم ہوا کہ شیطان بڑا مکار ہے، عیار ہے اور اسی لیے وہ چیزوں کو مزین کرتا ہے اور باتوں کو اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ انسان بہک جاتا ہے۔

## حضرت نوح علیہ السلام کا شیطان سے ایک سوال

حضرت سیدنا نوح طوفان کے موقعے پر جب سفینے میں سوار تھے، تو وہاں اچانک ان کو شیطان نظر آیا، انھوں نے کہا کہ تو یہاں بھی پہنچ گیا؟ اب میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، جب تک کہ تیرا راز نہ معلوم کرلوں۔ اس کو حضرت نوح علیہ السلام نے پکڑلیا اور فرمایا کہ تیرا راز مجھ کو بتا کہ تو گمراہ جو کرتا ہے، وہ کس راستے سے کرتا ہے؟

تو اس نے کہا کہ پانچ باتیں ہیں؛ لیکن پانچ میں سے میں آپ کو تین بتاتا ہوں، دو نہیں بتاتا۔ حضرت نوح کو اللہ کی طرف سے وحی آئی، کہ اس مردود سے کہو کہ ہمیں ان تین کی ضرورت نہیں ہے، وہ دو ہی ہم کو بتادے؛ اس لیے کہ اصل تو وہی ہے راز۔ تو حضرت سیدنا نوح نے کہا کہ مجھے ان تین حربوں کی ضرورت نہیں ہے، وہ دو بتا، جو تو نہیں بتانا چاہتا۔ تو اب مجبور ہو گیا اور کہنے لگا کہ وہ دو باتیں جس سے میں لوگوں کو گمراہ کرتا ہوں اور آپ کو بتانا نہیں چاہتا تھا، وہ آپ سن لیجیے! ایک حسد اور ایک حرص۔ پھر شیطان کہنے لگا کہ حسد سے مَیں گرا اور حرص سے حضرت آدم علیہ السلام گر گئے۔

اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو بنایا اور ان کو علم عطا فرمایا اور ان کی شان وشوکت کو فرشتوں کے سامنے ظاہر فرمایا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو فرشتے تو سجدے میں گر گئے، ابلیس کو تکبر نے روکا، تکبر کے بعد حسد پیدا ہوا،

حسد اس لیے پیدا ہوا کہ ان کی وجہ سے میں اللہ کی نگاہ میں گر گیا ہوں، اب کسی نہ کسی طرح ان کو بھی گرانا ہے، یہ ہے حسد!۔ جب کسی کے پاس کوئی کمال دیکھے، جب کسی کے پاس حسن و جمال دیکھے، جب کسی کا عطا و نوال دیکھے، جب کسی کے اندر بڑائی دیکھے، جب کسی کے اندر علم دیکھے، جب کسی کے اندر مال و دولت کی فراوانی دیکھے، اس وقت دل کے اندر یہ خواہش کا ہونا کہ اس سے ساری چیزیں چھن جائیں، چاہے مجھے ملیں کہ نہ ملیں، اس کے پاس بھی نہ رہیں، یہ ہے حسد کی بیماری، یہ حسد اللہ کی نگاہ میں بہت بری چیز ہے۔

شیطان نے سوچا کہ اللہ نے اُن کو اتنا اونچا بنایا ہے، ان کو بھی گراؤں گا، میں جیسے گر گیا ان کو بھی گراؤں گا، اس کے بعد اس حسد میں مبتلا ہو کر وہ فکر میں رہا کہ کس طرح ان کو میں ذلیل و خوار کرنے میں کامیاب ہو جاؤں؟ یہ ہے حسد جس کی وجہ سے شیطان گمراہ ہوا۔

اور حضرت آدم کو جس درخت سے منع کیا گیا تھا، جا کر اس کو کھا لیا تھا؛ اس لیے کہ شیطان نے قسم کھا کھا کر ان سے کہا تھا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اس درخت کو کھانے کا بہت بڑا فائدہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ آپ اس کو کھا لیں گے، تو کبھی نہیں مریں گے، ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ انھوں نے کہا کہ بہت اچھا، کھا لیں گے، تو حرص میں آ کر کھا گئے، اس کو شیطان نے کہا کہ حسد نے مجھے تباہ کیا اور حرص کی بیماری نے حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَامُ کو گرا کر رکھ دیا۔

## حضرت یحییٰ کی شیطان سے ملاقات

امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اپنی کتاب ”مکاشفۃ القلوب“ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے ایک مرتبہ شیطان کو دیکھا کہ وہ کچھ اٹھائے ہوئے

ہے، آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟اس نے کہا کہ یہ ''شہوات'' ہیں اور نفسانی خواہشات ہیں، جن سے میں لوگوں کو قید کرتا ہوں۔حضرت یحییٰ نے فرمایا کہ اچھا میرے لیے بھی تیرے پاس کوئی پھندا ہے؟شیطان نے کہا کہ ایک پھندا ہے، وہ یہ کہ ایک رات آپ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا،تو اس سے نماز میں سستی ہوگئی تھی۔یہ سن کر یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ میں آئندہ کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔

(مكاشفة القلوب:٦٠)

## مال و دولت شیطان کا حربہ

ایک دفعہ ایک آدمی نے دیکھا کہ ایک جگہ درخت ہے اور لوگ اس درخت کی پوجا کررہے ہیں،تو اس آدمی کے دل کے اندر ایک عزم، ایک حوصلہ پیدا ہوا کہ اس درخت کو اکھاڑ دینا چاہیے؛اس لیے کہ یہ درخت لوگوں کو، اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف آنے سے مانع بن رہا ہے اور اس کے بہ جائے شرک وگمراہی اور کفر میں پھنسنے کا ذریعہ بن رہا ہے۔

چناں چہ وہ شخص کچھ ہتھیار لے کر گیا اور درخت کو اکھاڑنا شروع کیا،شیطان آیا اور کہنے لگا کہ کیا کررہے ہو؟تو اس نے کہا کہ میں اس درخت کو اکھاڑنا چاہتا ہوں؛ اس لیے کہ اس درخت کی وجہ سے بہت سے اللہ کے بندے کفر میں پھنس رہے ہیں اور شرک کا ارتکاب کررہے ہیں۔شیطان نے کہا کہ نہیں نہیں! تم ایسا مت کرو، اس کو یہاں کے لوگوں نے اب تک پالا اور بڑھایا ہے اور اس کے پیچھے ہم نے محنت کی ہے؛مگر اس شخص نے کہا کہ نہیں نہیں ، میں تو اللہ کے لیے آیا ہوں اور یہ کام میں کرکے رہوں گا۔اس نے اپنا پورا عزم بتایا، پورا حوصلہ بتایا۔جب شیطان نے اس کا یہ عزم دیکھا،تو اس کی ہمت اور طاقت کے مقابلے میں شیطان مجبور ہوگیا؛اس

لیے کہ اخلاص کے ساتھ جب عمل ہوتا ہے، تو اس کے اندر بڑی قوت ہوتی ہے اور شیطان اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، تو شیطان عاجز آ گیا۔ پھر سوچنے لگا کہ کس طرح اس کو اس نیکی سے روکوں؟ اس کی سمجھ میں ایک بات آ گئی، شیطان نے اس سے عاجزی سے کہا کہ میری ایک درخواست ہے اس کو سن لیں۔

اس نے کہا کیا درخواست ہے؟ شیطان نے کہا کہ درخواست یہ ہے کہ تم اس کام کو چھوڑ دو، تو میں روزانہ تمھیں دو درہم دے دیا کروں گا، دو درہم روزانہ بغیر کسی محنت مزدوری گھر بیٹھے مل جائیں گے۔

یہ سنا تو دل میں دنیا کی لالچ آ گئی، اس نے کہا کہ اچھا دو درہم مجھے روزانہ ملیں گے، کون اسکا ذمے دار ہوگا؟ شیطان نے کہا میں ذمے دار ہوں، میں تجھے پیش کروں گا اور پیش بھی اس طرح کروں گا کہ روزانہ فجر کی نماز پڑھ کر مصلے سے اٹھیں گے، تو تمھارے مصلے کے نیچے مل جائیں گے۔

اس نے کہا ٹھیک ہے، دیکھتے ہیں۔ اب جو عزم لے کر آیا تھا، مال پیسے کی وجہ سے وہ ختم ہو گیا اور واپس اپنے گھر چلا گیا، رات سو کر صبح اٹھا، فجر کی نماز پڑھی اور اس کے دل ودماغ میں وہی دو درہم تھے، مصلے کے پاس گیا اور دیکھا تو واقعی مصلے کے پاس دو درہم اس کو مل گئے، اٹھایا اور جیب میں ڈال لیا اور اس کے بعد دن بھر اپنے کام میں مصروف رہا، پھر دوسرا دن ہوا، اسی طرح فجر کے بعد مصلے کے پاس دو درہم مل گئے۔

اب روزانہ یہی تماشا ہوتا ہے کہ فجر پڑھ کے وہاں جاتا ہے، دو درہم مل جاتے ہیں، مہینہ دو مہینہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا، اس کے بعد شیطان نے درہم دینا بند کر دیا۔ اب جب دو درہم نہیں ملے، تو یہ شخص پھر اپنے ہتھیار وغیرہ لے کر وہاں پہنچا کہ درخت کو اکھاڑ دوں گا، شیطان بھی وہاں موجود تھا، جب اس نے وہ درخت اکھاڑنا

چاہا، تو شیطان نے کہا: کیا کر رہے ہو؟ کہا: درخت اکھاڑوں گا؛ اس لیے کہ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ دو دو درہم دیا کروں گا، کئی دنوں سے تم نے دیا نہیں، اب میں پھر وہی کام کروں گا جو پہلے کرنے آیا تھا۔ شیطان نے کہا کہ کرلے جو کرنا ہے؛ لیکن تجھے اس پر کوئی قدرت نہ ہوگی۔ اس نے کہا کہ کیوں؟ کہا کہ تو پہلے آیا تھا اللہ کے لیے، اب آیا ہے پیسے کے لیے، وہاں اخلاص موجود تھا اور یہاں اخلاص موجود نہیں ہے، اب تو اس میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد وہ آدمی اپنا منھ لے کر رہ گیا۔

بھائیو! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کس طرح اپنے پھندے میں پھانسنے کے لیے لوگوں کو مال سے، پیسے سے، اپنی طرف مائل کرتا ہے۔

## جاہل پر شیطان کا داؤ

ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں، امام ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ، انھوں نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم'' میں ایک قصہ لکھا ہے کہ شیطان کے چیلوں نے شیطان سے کہا کہ جب کسی عالم کا انتقال ہوتا ہے، تو آپ بہت خوش ہوتے ہیں، کسی عابد وزاہد کی موت پر اتنا خوش نہیں ہوتے۔ کیا بات ہے؟

شیطان نے کہا کہ آؤ میں تم کو اس کی وجہ بتاتا ہوں، اس کے بعد شیطان اپنے چیلوں کو لے کر ایک عابد کے پاس گیا، جو جاہل تھا اور سلام کیا، خیر خیریت پوچھی، شیطان نے اس سے کہا کہ آپ بڑے اچھے آدمی لگتے ہیں، میرے دل میں ایک وسوسہ ہے، خیال ہے، سوال ہے، میں اس کے بارے میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ عابد نے کہا کہ پوچھیے! اگر مجھے معلوم ہوگا؛ تو جواب دے دوں گا، اگر معلوم نہیں تو آپ کسی اور سے پوچھ لیجیے۔

شیطان نے کہا کہ میرے دل میں ایک سوال پیدا ہو رہا ہے، وہ یہ کہ کیا اللہ

تعالیٰ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ ایک انڈے میں زمین کو، آسمان کو، چاند کو، سورج کو، پوری کائنات کو داخل کردے؟ اس حالت میں کہ انڈا جتنا ہے اتنا ہی رہے، اس میں اضافہ نہ ہو اور یہ زمین وآسمان جتنی بڑی ہیں، اس میں کوئی کمی نہ ہو۔

یہ ذہن میں ایک سوال آرہا ہے، اس کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

بھائیو! ذرا اندازہ کیجیے سوال کا، وسوسے کا، کہ کس قدر خطرناک ہے۔ اب وہ عابد تو جاہل وبے وقوف تھا ہی، صرف نماز روزے کی باتیں تو جانتا تھا، باقی اتنا بڑا علم تو تھا نہیں، تو اس نے کچھ دیر سوچا، اس کے بعد کہنے لگا کہ انڈا اتنا ہی رہے اور زمین بھی اتنی ہی رہے اور آسمان بھی اتنا رہے پھر انڈے میں یہ سب داخل ہو جائیں؟ کیسے ہوسکتا ہے؟ یعنی شک کے لہجے میں، تعجب کے انداز میں اس نے یہ سوال دہرایا، پھر کہنے لگا کہ نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔

شیطان کے چیلے وہیں موجود تھے، شیطان نے ان سے کہا کہ میں نے اس کے دل میں شک کا بیج داخل کردیا ہے، جو اسے کفر تک پہنچادے گا۔ دیکھا کہ میں نے ایک منٹ میں اس عابد وزاہد کو کافر بنادیا، یا کفر کی دہلیز پر بٹھادیا۔ اس طرح کے لوگ زندہ رہیں یا مرجائیں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس کے بعد شیطان ایک عالم سے ملا، اس سے بھی یہی سوال کیا اور کہا کہ جناب آپ عالم ہیں، فاضل ہیں، میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوگیا ہے، اس کا جواب دریافت کرنے آیا ہوں؟ انھوں نے کہا کہ کیا سوال؟ کہا کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک انڈے میں زمین وآسمان کو ڈال دیں؟ تو ان عالم نے کہا کہ اس میں کیا تعجب کی بات ہے کہ انڈا اپنی حالت پر اسی طرح ہو، زمین اور آسمان بھی اسی طرح ہوں، پھر اللہ تعالیٰ انڈے میں ان کو داخل کردیں؟ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اللہ کی ذات تو وہ ہے کہ جب ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا تو ''کُنْ'' فرماتا ہے اور وہ

چیز ہو جاتی ہے۔

﴿إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ (آل عمران :۴۷)

(اور جب وہ (اللہ) کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے ''کن'' (ہو جا) کہتا ہے، تو وہ ہو جاتی ہے) اس لئے مجھے یقین ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے، اس میں کوئی بات شک وشبہ کی نہیں۔

شیطان نے اپنے چیلوں کو دیکھ کر کہا کہ دیکھو اس کا علم ایسا ہے کہ یہ ہمارے داؤ میں نہیں پھنس سکتا اور اس کو بہکانا ہمارے لیے آسان نہیں؛ اس لیے ان لوگوں کے زندہ رہنے سے مجھے پریشانی ہوتی ہے اور یہ لوگ مرتے ہیں، تو میں جشن مناتا ہوں اور عابد کا حال ایسا کہ اسے جب چاہیں ہم اِدھر سے اُدھر کر سکتے ہیں اور اس کی جہالت کی وجہ سے جب چاہے، اس کو صرف معصیت میں نہیں، کفر میں بھی مبتلا کر سکتے ہیں۔

(جامع بیان العلم: )

اس واقعے سے اندازہ کیجیے کہ جب آدمی کے اندر جہالت ہوتی ہے، علم شرع سے ناواقف ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے جاہ وجلال سے ناواقف ہوتا ہے، تو اس کے نتیجے میں انسان کس طرح کفر کے دلدل میں پھنس جاتا ہے؟ اس لیے علما نے لکھا ہے کہ جہالت سب سے بڑی بیماری ہے۔

## نماز معاف ہوگئی! ایک جاہل پر شیطان کا مکر

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے ایک جگہ بیان کیا ہے کہ ان کے گاؤں میں ایک آدمی تھا، بڑا عابد تھا؛ لیکن علم دین سے واقف نہیں تھا۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہاں کے کچھ لڑکوں نے اس کا مذاق بنانا چاہا اور سوچا کہ اس آدمی کی بے وقوفی ظاہر کی جائے، ایک دن وہ اپنے گھر میں سو رہا تھا، رات کا وقت تھا، تو محلے کے

دو چار لڑکے اس کی چھت پر چڑھ گئے اور بناوٹی آواز میں اس کا نام لے کر ایک خاص لب و لہجے میں اس کو پکارا۔ وہ چونکا اور پوچھنے لگا کہ کون ہے؟ ایک لڑکے نے آواز بنائی اور کہا کہ میں تمھارا خدا بول رہا ہوں۔ یہ سنتے ہی وہ جاہل اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے بعد کہنے لگا کہ اے باری تعالیٰ! کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ تو اس نے کہا کہ تیری عبادت مجھے بہت پسند آ گئی، اس لیے آج سے ہم نے تیرے سے نماز معاف کر دی ہے۔ یہ کہہ کر وہ لڑکے تو غائب ہو گئے۔

اب یہ جاہل عابد سمجھا کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ ہی کی آواز ہے؛ اس لیے اس کو یقین آ گیا کہ نماز معاف ہو گئی۔ اب اس کے بعد جو تہجد تھی وہ بھی ختم، فرائض تھے وہ بھی ختم، نماز کے لیے مسجد کو آنا بند کر دیا۔ اس طرح دو چار دن ہو گئے اور وہ نماز کو نہیں آیا تو محلے کے لوگوں نے سوچا کہ بیمار تو نہیں ہو گیا؟ چلو جا کر دریافت کریں، کچھ لوگ وفد کی شکل میں اس کے گھر پہنچے، خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد پوچھا کہ طبیعت تو اچھی ہے؟ کہا کہ ہاں الحمد للہ! بہت اچھا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کہ پھر نماز کو کیوں نہیں آ رہے ہو؟ بہت دن ہو گئے آپ نماز کو نہیں آئے، کیا بات ہے؟ تو کہنے لگا کہ آپ کو خبر ہوئی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سے خوش ہو کر میرے سے نماز معاف کر دی۔ لا حول و لا قوة إلا بالله!!

دیکھیے! شیطان جاہل لوگوں کو کس طرح بہکانے لگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان جہالت سے لوگوں کے اوپر تسلط قائم کر لیتا ہے۔

## علم نے نہیں، اللہ نے مجھے بچایا ہے

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رَحِمَہُ اللّٰہُ جیسا کہ ہم جانتے ہیں بہت بڑے عالم تھے، محدث بھی تھے، بہت بڑے صوفی اور بزرگ بھی تھے۔ ان کا واقعہ ہے کہ

ایک دفعہ ان کے سامنے ایک ابر چھا گیا اور اس میں سے چمک ظاہر ہوئی، انھوں نے اس کی طرف دیکھا، تو اس کے اندر سے ایک آواز آنے لگی، آواز کی طرف متوجہ ہوئے، تو اس آواز میں ان سے کہا گیا کہ آپ کی عبادت آپ کا زہد، ریاضت، آپ کے مجاہدات سے ہم بہت خوش ہو گئے، اس لیے آپ سے نماز معاف کر دی جاتی ہے۔

انھوں نے یہ سنتے ہی سوچا کہ نماز اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے معاف نہیں ہوئی، جب کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عبادت و ریاضت کا جو حال تھا، وہ سب کو معلوم ہے، تو میرے سے کیسے معاف ہو سکتی ہے؟۔ لہٰذا یہ دراصل شیطان کی آواز ہے، پھر "لاحول ولا قوة إلا بالله" پڑھا۔ یہ پڑھنا تھا کہ وہ ابر جو نظر آ رہا تھا اور اس کے اندر سے چمک ظاہر ہو رہی تھی، وہ دُھویں کی شکل میں تبدیل ہو کر غائب ہو گئے، حضرت سمجھ گئے کہ دراصل شیطان کی آواز تھی، پھر کچھ دیر بعد اسی طرح ہوا اور اس کے اندر سے کہا گیا کہ آپ کو آپ کے علم نے بچا لیا۔ حضرت نے فوراً اس کے جواب میں فرمایا کہ میرے علم نے نہیں، میرے خدا نے مجھے بچا لیا۔

دیکھا آپ نے؟! کہ علم انسان کی رہنمائی کرتا ہے، لیکن بچانے والی ذات تو اللہ ہی کی ہوتی ہے، اگر خدا بچانا نہ چاہے، تو وہ عالموں کو بھی گمراہ کر دے، جیسے بہت سے ہو جاتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رَحِمَہُ اللّٰہُ کے ساتھ ایک اور واقعہ بھی پیش آیا، کہ آپ ایک مرتبہ بڑی شدت سے پیاس محسوس کر رہے تھے، حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ نے جنگلات میں کئی سالوں تک زندگی گزاری ہے، ریاضت کے لیے، مجاہدات کے لیے، تو اس زمانے میں پانی ایک دفعہ نہیں ملا، بڑی شدت کی پیاس لگ رہی تھی، دور دور تک پانی کا نام و نشان نہیں تھا۔ اسی وقت ایک ہاتھ ظاہر ہوا اور اس ہاتھ میں ایک گلاس تھا، جو سونے یا چاندی کا تھا اور اس کے اندر پانی بھی تھا اور آواز آ رہی تھی کہ آپ کے

لیے یہ جنت سے بھیجا جارہا ہے، آپ اس کو لیجیے، استعمال کیجیے۔ حضرت نے سمجھ لیا کہ یہ شیطان کی مکاری ہے؛ لہٰذا'' لاحول و لا قوّۃ الا باللّٰہ'' پڑھا، حضرت کو یہ بات کیسے سمجھ میں آئی کہ یہ شیطان کی مکاری وعیاری ہے؟ یہ بات سمجھ میں آئی شریعت کے علم سے؛ کیوں کہ یہ سونے اور چاندی کا گلاس تھا اور سونے اور چاندی کا استعمال اللہ کے نبی علیہ السلام کی شریعت میں ممنوع ہے، حرام ہے، ناجائز ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے جنت سے وہ چیز دی جائے، جو خود شریعت کے اندر حرام ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

شیطان نے بہکانے کی کوشش کی، لیکن حضرت سمجھ گئے، ''لاحول و لاقوۃ'' پڑھا، تو شیطان کہنے لگا آپ کے علم نے آپ کو بچالیا۔ حضرت نے فرمایا کہ علم نے نہیں؛ بل کہ میرے خدا نے مجھ کو بچالیا۔ تو اس طرح علم رہنمائی کرتا ہے، جس کی وجہ سے شیطان کے مکر کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

## حضرت جنید بغدادی رَحمہُ اللہُ سے شیطان کا عجیب سوال

حضرت جنید بغدادی رَحمہُ اللہُ کا نام کون نہیں جانتا! آپ کا واقعہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی نے ایک مرتبہ دل میں خیال کیا کہ اگر شیطان سے ملاقات ہوجائے، تو ایک سوال کروں گا اور انھوں نے ایک دن اللہ سے دعا بھی کردی کہ اے اللہ! کبھی شیطان سے ملاقات کرادے؛ تاکہ اس سے سوال کرلوں۔ ایک دن نماز پڑھ کر مسجد کے باہر نکلے، تو ایک بوڑھا آدمی جھک کر سلام کرنے لگا۔ حضرت جنید رَحمہُ اللہُ نے اس کو دیکھ کر کہا کہ کون ہو تم؟ کہنے لگا کہ میں وہی ہوں، جس سے ملنے کی آپ کو آرزو اور تمنا تھی۔

حضرت سمجھ گئے کہ یہ اصل میں شیطان ہے۔ شیطان نے کہا کہ آپ مجھ سے

کیوں ملنا چاہتے تھے؟ حضرت جنید رَحِمَہُ اللہ نے کہا کہ میرے ذہن میں تیرے متعلق ایک سوال ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تجھے حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تجھے کس چیز نے اللہ کے حکم کی تعمیل سے منع کیا؟ کیوں تو نے سجدہ نہیں کیا، کیا اللہ کی عظمت کو نہیں جانتا تھا؟ ارے تجھے اللہ کی معرفت حاصل تھی، اللہ تعالیٰ کی عظمتوں اور جلالتوں سے تو واقف تھا، اس قدر اللہ کی قربت رکھنے کے باجود جب اللہ نے تجھے حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کر۔ تو تو نے آخر کیوں سجدہ نہیں کیا؟

اس پر شیطان کا جواب کیا تھا، وہ سننے کے قابل ہے، اس کے جواب نے کچھ دیر کے لیے حضرت جنید رَحِمَہُ اللہ کے ہوش اُڑا دیے۔ اس نے کہا کہ جنید! آپ جیسا توحید پرست آدمی اور یہ مشرکانہ سوال؟ آپ جیسا توحید پرست ایک اللہ کو ماننے والا، ایک اللہ کی پوجا کرنے والا اور آپ کے ذہن میں سوال آرہا ہے مشرکانہ سوال کہ میں نے غیر اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ کہنے لگا کہ آدم تو غیرِ خدا تھے، خدا تو نہیں تھے، میں غیر اللہ کو کیوں سجدہ کر لیتا۔ آپ جیسا توحید پرست آدمی ایسا مشرکانہ سوال میرے سے کر رہا ہے، بڑے افسوس کی بات ہے۔

حضرت جنید رَحِمَہُ اللہ کہتے ہیں کہ جب اس نے یہ بات میرے سے کہی تو مجھے لگا کہ ہاں! یہ تو ٹھیک کہہ رہا ہے اور پھر تھوڑی دیر کے لیے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرا ایمان سلب ہو رہا ہے؛ اس لیے میں سناٹے میں پڑ گیا، ہوش و حواس باقی نہ رہے، میں سوچنے لگا کہ اس کو کیا جواب دے سکتا ہوں۔ اس لیے کہ جب وہ کہہ رہا ہے کہ تم ایک اللہ کو ماننے والے ہو اور مجھے پوچھتے ہو کہ آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت جنید کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں جواب نہیں آیا۔ فوراً اللہ کی طرف سے الہام ہوا اور مجھ سے کہا گیا کہ اس سے یہ پوچھو کہ حکم دینے والا کون تھا؟ حکم

دینے والا جب خود کہہ رہا ہے کہ فلاں چیز کو سجدہ کرو، تو توحید اسی کا نام ہے کہ اس کی بات کو مان لیا جائے۔ حضرت جنید کہتے ہیں کہ اس الہام کے بعد میرا ایمان برقرار رہا؛ ورنہ تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے ایمان میں تزلزل پیدا ہوگیا ہے۔

بھائیو! یہ ہے شیطان کی مکاری اور عیاری!! نہ ولیوں کو چھوڑا، نہ غوث وقطب وابدال کو چھوڑا، نہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو چھوڑا۔ غور کرو کہ شیطان باتوں کو اور چیزوں کو کس طرح مزین کرتا ہے اور گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس کا ذرا اندازہ اس واقعے سے آپ کر لیجیے؛ اس لیے کبھی بھی شیطان سے بے فکر نہیں ہونا چاہیے، شیطان کی عیاری اور مکاری سے بسا اوقات انسان بے ایمان بھی ہو جاتا ہے؛ لیکن اُسے خبر نہیں رہتی کہ میں بے ایمان ہو گیا ہوں۔ شیطان کفر کو مزین کر دیتا ہے۔

# آئینہ تصوف وسلوک

میری زندگی کا حاصل میری زیست کا سہارا
تیرے عاشقوں میں مرنا تیرے عاشقوں میں جینا
مجھے کچھ خبر نہیں تھی ترا درد کیا ہے یا رب
تیرے عاشقوں سے سیکھا تیرے سنگ در پہ مرنا
کسی اہلِ دل کی صحبت جو ملی کسی کو اختر
اسے آگیا ہے جینا اسے آگیا ہے مرنا
(حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مولانا روم رحمہ اللہ کی کایا کب پلٹی؟

پیر شمس تبریزی رحمہ اللہ ، جو حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کے شیخ تھے، اپنے زمانے کے بہت بڑے اولیاء اللہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، بڑے صاحبِ کرامت بزرگ تھے، ان کی ایک کرامت یہ لکھی ہے کہ کبھی مچھلی پکڑتے اور سورج کے قریب اپنا ہاتھ لے جاتے اور وہ مچھلی سورج کی تپش سے بھنی جاتی اور اس کو کھالیا کرتے ، اتنے بڑے صاحبِ کرامت بزرگ؛ لیکن ان کی پوری زندگی اس طرح گزری کہ وہ تو ''اللہ، اللہ'' کرتے رہتے اور لوگ جو ان کو بزرگ مانتے تھے، وہ اس لیے ان کے پاس آتے تھے کہ حضرت! ہمارے لیے دعا کر دیجیے، فلاں مقدمہ چل رہا ہے، تجارت ٹھپ ہوگئی ہے وغیرہ وغیرہ، یعنی صرف دنیا کے لیے آتے، حتیٰ کہ حضرت کی عمر کا آخری زمانہ آ گیا۔

ایک دن بیٹھ کر آہ کرنے لگے اور کہنے لگے، اے اللہ! میرے سینے میں تیرے عشق کی جو آگ بھڑک رہی ہے، کوئی بندہ اسے لینے آج تک میرے پاس آیا نہیں، ایک عجیب جذبے کے ساتھ تڑپ کر کہا اور کہا: اے اللہ میرے دنیا سے جانے کا وقت شاید قریب آ رہا ہے، اس سے قبل کہ میں دنیا سے جاؤں، کسی ایک کو تو میں تیری یہ محبت دے کر جاؤں، اس کا کوئی انتظام فرما، اللہ نے دعا قبول کی۔

اس کے بعد وہ ایک مرتبہ ''دریائے دجلہ'' کے کنارے ٹہلتے ہوئے جا رہے

تھے، اللہ کے ذکر میں زبان لبریز تھی، چلتے چلتے جب دوسرے کنارے پر پہنچے، تو دیکھا کہ مولانا روم ٹہلنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ اِدھر اِنھوں نے اُن کو دیکھا اور اُدھر اِن کو اُنھوں نے دیکھا، دل دل میں یہ کہا کہ اگر یہ بندہ مجھے مل جائے، تو اس بندے کے دل میں اللہ کی محبت کی آگ منتقل کر دوں، اللہ نے فوراً دعا قبول کی، وہیں سے مولانا روم کے دل میں یہ بات آ گئی کہ ایک اللہ کا ولی یہاں آیا ہوا ہے، اس کی خدمت میں جا کر کچھ فیض حاصل کرنا چاہیے، انھوں نے دوسرے کنارے سے اس کنارے آ کر حضرت پیر شمس تبریزی رَحِمَہُ اللّٰہُ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مولانا روم کی طبیعت اسی وقت بدلنی شروع ہو گئی۔

مولانا روم رَحِمَہُ اللّٰہُ اس زمانے کے بہت بڑے عالم تھے اور وہ اس زمانے کے بادشاہ کے نواسے تھے، مولانا روم ''خوارزم مملکت'' کے بادشاہ کے نواسے ہوتے ہیں، جب وہ باہر نکلتے تھے، تو ان کے ساتھ ایک لشکر ہوتا تھا، بڑی شان وشوکت کے ساتھ سوار ہو کر نکلتے تھے، بڑے بڑے علما ان کی رکاب پکڑ کر چلتے تھے اور اس زمانے میں انھوں نے اپنے علم کا لوہا منوالیا، ہزاروں مناظرے ومباحثے کیے، بڑی بڑی تقریریں کی، علم کی دنیا میں ان کا نام ایک روشن ستارہ کے مانند مانا جاتا تھا۔

لیکن مولانا روم رَحِمَہُ اللّٰہُ کہتے ہیں: جب تک شمس تبریزی رَحِمَہُ اللّٰہُ کے ہاتھ پر میں نے بیعت نہیں کی اور جب تک ان کی جوتیاں سیدھی نہیں کی، مجھے علم کا چسکہ بھی نہیں معلوم ہوا، آج مجھے معلوم ہوا کہ علم کیا ہوتا ہے؟ اللہ کے عشق اور اس کی معرفت کے بغیر سب کچھ یوں ہی بے کار ضائع ہوتا ہے، نماز روزہ ودیگر عبادات میں وہ لذت نہیں ملتی، جو ان چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔

مولانا روم نے ''مثنوی شریف'' لکھی، ان کی کوئی کتاب مثنوی کے علاوہ

دنیا میں مشہور نہیں ہے، حال آں کہ ان کی اور بہت ساری کتابیں ہیں؛ مگر اللہ نے مثنوی کو جو مقام دیا، وہ کسی اور کتاب کو نہیں دیا، حتیٰ کہ بعض علما کہتے ہیں کہ یوں سمجھو کہ یہ مثنوی درحقیقت فارسی کا قرآن ہے، قرآن کے تمام علوم واسرار، معارف ودقائق کو اس کے اندر کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، اتنا عظیم علم جوان کو اللہ نے دیا، یہ دراصل شمس تبریزی رحمہ اللہ کی برکت تھی۔

## حضرت گنگوہی حاجی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں

بیعت ہونے سے بزرگوں کے سلسلے کی برکات بھی نصیب ہوتی ہیں اور انسان کے لیے مجاہدہ وعمل آسان ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے اور ان کو خلافت صرف چالیس دن میں ملی، صرف چالیس دن میں وہ منزلیں طے کرتے کرتے نسبت مع اللہ کی دولت سے مشرف ہو گئے تھے، ان کا قصہ عجیب ہے۔

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ ''تھانہ بھون'' کی خانقاہ میں رہتے تھے، رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ جوان آدمی تھے، جوانی کا بڑا جوش وجذبہ تھا، تھانہ بھون میں ایک بہت بڑے عالم شیخ محمد تھانوی رحمہ اللہ رہتے تھے، کسی مسئلے میں ان بزرگ سے مولانا کو اختلاف تھا، تو ان سے مناظرہ کرنے کی نیت سے وہ تھانہ بھون گئے، راستے میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کی خانقاہ نظر آئی، تو سوچنے لگے کہ حاجی صاحب یہاں رہتے ہیں، بزرگ آدمی ہیں، ملاقات کر لینا چاہیے، تو ملاقات کرنے چلے گئے، حاجی صاحب نے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ کہا کہ ''گنگوہ'' سے آیا ہوں، پوچھا کیوں آئے؟ کہا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب سے فلاں مسئلے میں مناظرہ ومباحثہ کرنے کے لیے آیا ہوں۔

حاجی صاحب نے کہا کہ بھائی ! وہ تو تمھارے سے بڑے عالم ہیں، مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ تم ان سے مناظرہ کرو؛ لٰہذا یہ خیال ترک کردو۔ حضرت حاجی صاحب کی بات ان کے دل میں آگئی، تو کہا کہ ٹھیک ہے، جب ایک بزرگ کہہ رہے ہیں، تو مان لیتا ہوں، کہ ان سے مناظرہ نہیں کروں گا۔ پھر وہیں خانقاہ میں رات میں ٹھیر گئے ۔ جب صبح سحری کا وقت ہوا، تو دیکھا کہ حاجی صاحب کے مریدین اور بہت سارے ذاکرین، شاغلین ، طالبین موجود ہیں اور ذکر و دعا، نماز و تلاوت وغیرہ عبادات میں مشغول ہیں اور ایک عجیب کیفیت وسماں نظر آنے لگا، جب یہ دیکھا، تو دل میں یہ خیال آیا کہ مجھے بھی بیعت ہوجانا چاہیے، پھر حاجی صاحب سے بیعت کی درخواست کی کہ حضرت مجھے بیعت کرلیجیے!۔ حضرت نے کہا کہ بہت اچھا اور بیعت کرانے تیار ہوگئے ۔اس لیے کہ حاجی صاحب سے جو بھی بیعت کی درخواست کرتا، تو اسے فوراً قبول کرلیتے تھے۔

کسی کے پوچھنے پر کہ حضرت ! آپ ہر ایک کو فوراً کیوں بیعت کرلیتے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں !اس لیے کرلیتا ہوں کہ معلوم نہیں کون سا اللہ کا بندہ نیک اور مقبول ہوگا، اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دے گا، تو میری مغفرت ہوجائے گی۔ اللہ اکبر! کیا عاجزی، کیا سادگی ہے!!۔

الغرض حاجی صاحب نے بیعت کی ،اب بیعت کے وقت بزرگوں کا معمول ہے کہ وہ کچھ معمولات بتاتے ہیں، حاجی صاحب بتانے جارہے تھے کہ مولانا رشید احمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت !میری ایک درخواست ہے، وہ یہ کہ مجھے صبح تہجد کے لیے اٹھا نہیں جاتا؛ اس لیے وہ ایک کام چھوڑ کر دوسرا جو چاہے حکم کیجیے ۔ حضرت نے کہا ٹھیک ہے! جو تم کرسکتے ہو کرلینا؛ لیکن میں نے تمھاری ایک شرط مان

لی، تم بھی میری ایک شرط مان لو، وہ یہ کہ میرے پاس چالیس دن قیام کرو۔ مولانا رشید احمد صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ اب چالیس دن کی نیت کر کے خانقاہ میں رہ گئے، جب دوسرے دن صبح ہوئی تو سالکین ذکر وفکر میں اور رونے دھونے میں مشغول ہیں، کوئی نماز پڑھ رہا ہے، کوئی ذکر کر رہا ہے، کوئی دعا میں ہے، کوئی تلاوت کر رہا ہے۔ اب ان کو نیند کہاں آئے گی؟ دو چار منٹ بستر پر پڑے کروٹیں بدلتے رہے، پھر ان کو بھی شرم آنے لگی کہ سب تو ذکر و عبادت میں ہوں اور تو پڑا رہے! تو خود ہی اٹھ کر تہجد پڑھنے لگے اور ذکر میں مشغول ہو گئے، اب روز ایسا ہی ہونے لگا اور دو چار دن بعد خود ہی طبیعت کے اندر داعیہ پیدا ہونے لگا کہ صبح اٹھو اور عبادت کا چسکہ پاؤ۔ لہٰذا سب سے پہلے اٹھنا شروع کر دیا، حال آں کہ بیعت کے وقت تو یہ شرط لگائی تھی، کہ صبح کو نہیں اٹھوں گا؛ لیکن صحبتِ اولیا کی برکت سے سب سے پہلے اٹھنا شروع کر دیا، پہلے تو جبراً اٹھتے تھے؛ لیکن پھر قصداً اٹھنا شروع کر دیا، جب اسی طرح چالیس دن گزر گئے، تو حاجی صاحب نے خلافت عطا کر دی۔

جب تھانہ بھون سے رخصت ہوئے اور اپنے وطن گنگوہ پہنچ گئے، تو کئی مہینے ہو گئے اور حاجی صاحب کو ان کے حالات کا کچھ پتہ ہی نہ چلا، نہ خیر خیریت، نہ حال واحوال، تو حاجی صاحب نے مولانا کے نام ایک خط بھیجا، اس میں لکھا کہ تمھاری کوئی خبر نہیں معلوم ہوئی، بندہ کو تشویش ہوئی؛ اس لیے اپنے حالات سے مطلع کیجیے!۔ یہ خط پہنچا، تو اس کو پڑھا اور جواب لکھا کہ حضرت! میں نے اپنے حالات اس لیے نہیں لکھے کہ بندہ کا کوئی حال ہے ہی نہیں، تو کیا لکھوں؟ اس کے بعد لکھا کہ بس اتنا میں اپنے اندر محسوس کرتا ہوں کہ کسی کی کوئی مدح وذم کا کوئی اثر بندے پر نہیں ہوتا، دوسری بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں آئی ہوئی تعلیمات میں کسی جگہ کسی قسم

کا شک نہیں ہوتا۔

بھائیو! بیعت کی برکت اور اہمیت وضرورت کا اندازہ کرو کہ بزرگوں کی نظر انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔

## ''مرید'' کسے کہتے ہیں؟

ایک طالب علم سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ کی خدمت میں آکر کہنے لگا کہ حضرت! میں آپ کا مرید ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ مرید ہونے آئے ہو؟ اچھا یہ بتاؤ کہ ''مرید'' کے معنی کیا ہے؟ طالبِ علم تھا، ''عربی صَرف'' پڑھا ہوا تھا، اس نے ''گردان'' شروع کردی، ''أَرَادَ، یُرِیْدُ، اِرَادَۃً فھو مُرِیْدٌ'' اس نے کہا کہ حضرت! کسی کام کے ارداہ کرنے والے کو ''مرید'' کہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ غلط ہے، صحیح نہیں! اب بیچارہ سوچنے لگا کہ اس میں کیا غلط ہے؟ ہمارے اساتذہ نے یہی پڑھایا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ ''فصولِ اکبری'' بھی پڑھی ہے؟ (''فصولِ اکبری'' عربی صرف کی ایک کتاب ہے، اس کے اندر بہت سے مضامین کے ساتھ خاصیات ابواب کا بیان بہت تفصیل کے ساتھ آیا ہے) تو اس طالبِ علم نے جواب دیا، جی ہاں! پڑھی ہے، فرمایا کہ ''بابِ افعال'' کی خصوصیات کیا ہیں؟ اب اس نے گنانا شروع کیا، اس میں ایک خصوصیت یہ گنائی کہ ''سلبِ ماخذ''۔ حضرت نے کہا کہ کیا مطلب ہے؟ کہا کہ ماخذ کو سلب کرلینا اور ماخذ کی نفی کردینا، کہا کہ ٹھیک ہے، اب اس خصوصیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ''مرید'' کا معنی یہ ہوتا ہیکہ ارادے کو سلب کرلینا یعنی ارادہ نہیں کرنا۔ تو ''مرید'' کے معنی ہوئے ارادہ نہیں کرنے والا۔

حضرت نے کہا کہ مرید کون ہوتا ہے؟ جو ارادہ نہیں کرتا یعنی اپنی مرضی و

ارادے سے کوئی کام نہیں کرتا؛ اس لیے کہ اس نے اللہ کی مرضی پر سب کچھ چھوڑ دیا ہے، جس نے بیعت کرتے ہوئے سب کچھ اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیا، اس نے گویا یہ کہہ دیا کہ اے میرے مالک وخالق میں نے اپنی جان و مال کو تیرے حوالے کر دیا اور تجھے بیچ دیا، اب اس میں میری مرضی نہیں چلے گی، جو چلے گا، وہ تیرا ارادہ اور تیری مشیت چلے گی۔

فرمایا کہ یہ معنیٰ سمجھ کر جو بیعت کرتا ہے کہ مجھے کسی کام کا ارادہ نہیں کرنا ہے؛ بل کہ شیخ کی جانب سے اس راہ کے بارے میں جو کہا جائے اس پر عمل کرتے رہنا ہے، وہ ہوتا ہے حقیقی مرید اور جو ارادے پر ارادے کرتا ہے، شیخ ایک کہتا ہے اور اس کا ارادہ الگ ہوتا ہے، قرآن وحدیث ایک کہتی ہے، اس کا ارادہ الگ، تو بھائی یہ مرید نہیں ہے، یہ تو مراد ہو گیا۔

الغرض جو شخص کسی سے بیعت ہو کر اپنی اصلاح کرانا چاہتا ہے؛ اس کو چاہیے کہ وہ اپنے شیخ کی اتباع کرے اور اس کے مشورے پر قائم رہے۔

## بدنظری کا حکیمانہ نسخہ

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ کے ایک مرید تھے، انھوں نے ایک دفعہ آپ کو خط لکھا کہ میری آنکھیں بے اختیار غلط چیز یعنی نامحرموں کی طرف اٹھ جاتی ہیں؛ لہٰذا کوئی علاج بتائیں۔ حضرت تھانوی نے جواب لکھا کہ اگر بے اختیار اٹھ جاتی ہیں، تو آپ کو فکر کی کیا ضرورت ہے، آپ پریشان کیوں ہیں؟ اٹھنے دیجیے؛ کیوں کہ غیر اختیاری کام پر کوئی گناہ لازم نہیں آتا۔

اس جواب سے ان کو احساس ہوا کہ میں نے غلط بیانی کی ہے، بے اختیار آنکھیں نہیں اُٹھتیں؛ بل کہ اختیار سے ہی اُٹھتی ہیں؛ لہٰذا دوسرا خط لکھا کہ حضرت!

بے اختیار تونہیں، اختیار سے ہی اٹھتی ہیں؛ لیکن نگاہ اٹھنے کے بعد نیچی کرنے کی طاقت نہیں پاتا۔ اس کا جواب حضرت نے لکھا کہ یہ بات بھی تمھاری غلط ہے، اس لیے کہ فلسفے کا یہ مانا ہوا اصول ہے، کہ کسی بھی چیز کا اختیار دونوں طرف سے متعلق ہوتا ہے، طرفین سے متعلق ہوتا ہے یعنی آدمی اگر کوئی کام کرسکتا ہے، تو وہ اس کام کو نہ کرنے کی بھی طاقت رکھتا ہے، ایسا نہیں کہ کرتو سکے؛ لیکن نہ کرنے کی طاقت نہ رہے، ایسا نہیں ہوسکتا، میں یہ چیز اٹھا رہا ہوں، اگر چاہوں تو نہ اٹھاؤں، دونوں باتیں اختیار میں ہوتی ہیں، یہ کیسے کہ نگاہ اٹھ تو گئی، اب نیچی نہیں کرسکتا۔

اس پر ان صاحب کو پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا اور تیسرا خط حضرت کو لکھا، اس میں انھوں نے لکھا کہ حضرت! معافی چاہتا ہوں، پھر غلطی ہوئی، نگاہ کو بچانے کی طاقت تو ہوتی ہے، لیکن ہمت نہیں ہوتی ہے۔

حضرت نے کہا کہ ہاں! یہ صحیح ہے، بہت سے لوگوں کو طاقت تو ہوتی ہے، لیکن ہمت نہیں کرتے اور ہمت ہی سے تو سب کچھ ہوتا ہے، آدمی ہمت کرے تو پہاڑ کو ریزہ ریزہ کردے، اگر آدمی کوشش کرے اور ہمت کرے تو معلوم نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جائے، یہ ہمت ہی تو ہے کہ آج پوری دنیا کہاں سے کہاں پہنچی ہوئی ہے، اگر ہمت نہ کرتے؛ تو یہ دنیا یہاں تک کیسے پہنچتی اور اس کے اندر اتنی تبدیلی کہاں سے آتی، تو ہمت سے بہت کچھ ہوتا ہے۔

الغرض حضرت نے ان کو لکھا کہ آپ کی اصل بیماری ''ہمت میں کمی'' ہے، اچھا ٹھیک ہے، لیکن یہ فرمایئے کہ اگر میں بھی اس وقت تمھارے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں، تب بھی ایسا ہی ہوگا؟ کہ غیر محرموں کو دیکھتے رہوگے اور یہ کہوگے کہ بچنے کی ہمت نہیں ہوتی، نگاہ نیچے کرنے کی ہمت نہیں ہوتی؟

اس پر ان صاحب کا خط آیا کہ حضرت! اگر آپ ساتھ ہوں، تو ایسا نہیں ہوگا؛ بل کہ پھر تو نگاہیں نیچی ہو جائیں گی۔ پھر حضرت نے ان کو جواب لکھا کہ جب میرے ساتھ ہونے کے خیال سے تمھاری نگاہیں نیچی ہو سکتی ہیں؛ تو خالقِ دوجہاں کے ساتھ ہونے کے تصور سے نگاہ کیوں نیچی نہیں ہو سکتی؟

یہ ہے اصلاح کا طریقہ، عجیب وغریب طریقے سے اصلاح ہوتی ہے، اگرچہ کئی کئی خطوط کا تبادلہ ہوتا تھا؛ لیکن بات دل میں اچھی طرح پیوست ہو جاتی تھی، تو بتانے کی بات یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ان سے اصلاح کے نسخے معلوم ہوں گے اور ہم اپنی اصلاح کرنے میں اور گناہوں سے بچنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

## تو میرا خدا نہیں، میں تیرا بندہ نہیں

''دہلی'' کی ''جامع مسجد'' میں ایک مرتبہ ایک بزرگ فجر کی نماز کے بعد سیڑھیوں پر بیٹھ گئے اور یہ کہنے لگے کہ ''تو میرا خدا نہیں، میں تیرا بندہ نہیں، پھر میں تیری کیوں مانوں؟''۔

دیکھنے والے لوگ کہنے لگے یہ کافر ہو گئے، کسی نے کہا پاگل ہو گئے، جب نماز کا وقت آتا، تو یہ بزرگ اندر جا کر نماز پڑھتے اور باہر آ کر بیٹھ جاتے اور پھر یہی بات کہنے لگتے، مغرب کے قریب ایک شخص وہاں سے گذرتا ہوا، ان کی بات سنا اور کھڑا ہو گیا اور پوچھا کہ حضرت! یہ ''تو'' کا مخاطب کون ہے اور یہ بات آپ کس سے کہہ رہے ہیں؟ اس پر ان بزرگ کو ہنسی آ گئی اور کہنے لگے ''دہلی جیسے شہر میں ایک ہی عقلمند نظر آیا، کسی نے مجھے پوچھا ہی نہیں کہ میرے اس ''تو'' کا مخاطب کون ہے اور میں کس سے یہ کہہ رہا ہوں، خود ہی سمجھ لیا کہ میں اپنے اللہ سے یہ بات کہہ رہا ہوں،

حال آں کہ میں اللہ سے نہیں کہہ رہا ہوں، پھر اس شخص سے کہنے لگے: ''تو نے بڑی عقلمندی کا کام کیا کہ مجھ سے پوچھ لیا، دراصل میرا مخاطب میرا نفس ہے اور میں نفس سے مخاطب ہوں کہ اے نفس! تو میرا خدا نہیں ہے، میں تیرا بندہ اور غلام نہیں ہوں؛ اس لیے میں تیری کیوں مانوں؟ میں تو خدا کی مانوں گا۔

اس نے کہا کہ یہ بات آپ کیوں فرما رہے تھے؟ اس پر ان بزرگ نے کہا: بات یہ ہے کہ آج فجر کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد سے نکل رہا تھا، تو نفس نے شدت سے تقاضا کیا کہ آج ناشتے میں ''حلوے پراٹھے'' کھلاؤ، تو میں نے اس سے کہنا شروع کر دیا کہ تو میرا خدا نہیں ہے اور میں تیرا بندہ نہیں ہوں؛ اس لیے میں تیری کیوں مانوں؟ میں تو میرے اللہ کی مانوں گا اور جب بھی وہ مجھ سے یہ مطالبہ کرتا ہے، میں یہی جواب دیتا ہوں۔

یہ واقعہ بڑا عبرت انگیز ہے اور اصلاحِ نفس کی فکر کرنے والوں کو ایک عمدہ سبق فراہم کرتا ہے، بزرگانِ دین کہتے ہیں کہ ناجائز چیزوں میں بالکلیہ پرہیز کرنا چاہیے اور جو جائز چیزیں ہوں، مثلاً کھانے پینے کی حلال چیزیں، ان میں پابندی نہیں ہے؛ لیکن ان میں تقلیل اور کمی کرنا چاہیے، کہ کبھی نفس کو دے دو، کبھی کہہ دو کہ بھائی اب نہیں تب ملے گا، اس سے نفس کنٹرول میں رہے گا، اگر اس کی ہر جائز و حلال خواہش پوری کی گئی، تو وہ سر پر بیٹھ جائے گا۔

## یہ تو تمھارے ماتم کا دن ہوگا!

میں نے ایک مرتبہ اپنے شیخ و مرشد و استاذ حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ کو خط لکھا، جس میں میں نے پوچھا کہ حضرت! کتنا ہی خشوع و خضوع و دل جمعی کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں، مگر پھر بھی نماز کے بعد دل میں

یہ خیال آتا ہے، کہ نماز جیسی پڑھنی تھی ویسی نہیں پڑھ سکا، ابھی کچھ نقص باقی ہے، تو حضرت نے بہت ہی عجیب جواب لکھا جس میں فرمایا: کہ یہ خیال تو ٹھیک ہے اور جس دن یہ خیال کرلیا کہ آج میں نے نماز کما حقہ ادا کی ہے، وہ تو تمھارے ماتم کا دن ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی کو کبھی اپنی عبادت وریاضت پر ناز نہ ہونا چاہیے؛ بل کہ ہر وقت یہی خیال کرنا چاہیے کہ ہم سے اللہ کے شایانِ شان کچھ نہ ہوسکا اور اگر کسی نے یہ سمجھا کہ میں نے بڑی شاندار عبادت کی ہے اور اس پر اترانے لگا اور بڑائی کرنے لگا، تو یہ اس کے لیے رسوائی کا سبب ہوگا۔

## گناہ نیکی کی روشنی بجھا دیتے ہیں

مولانا رومی رحمۃ اللہ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ دو چور ایک گھر میں داخل ہوئے اور انھوں نے یہ طے کیا کہ جب گھر کا مالک روشنی کے لیے ''چقماق'' کو رگڑ کر روشنی جلائے گا، تو ان میں سے ایک انگلی رکھ کر اس کو بجھا دے گا اور یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب کہ بجلی کا کوئی انتظام نہیں تھا، چقماق کے پتھر ہوتے تھے، جن کو ایک دوسرے پر رگڑتے، تو آگ پیدا ہوجاتی تھی، تو دو چوروں نے یہ طے کیا کہ ہم لوٹنا شروع کریں گے اور جب گھر والا جاگ کر، بیدار ہوکر، چقماق سے روشنی جلانا چاہے گا، تو ایسی صورت میں ایک چور صرف یہ کام کرے کہ جیسے ہی وہ آگ جلائے، اس پر ہاتھ رکھ دینا، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ چقماق کا پتھر کبھی جلنے کا نہیں اور اس وقت تک دوسرا چور سب لوٹ لے گا، چناں چہ ایسا ہی کیا اور گھر کو ان چوروں نے لوٹ لیا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ نے کہا کہ شیطان بھی اسی طرح بعض سالکین کے دل پر انگلی رکھ دیتا ہے، تا کہ نور ختم ہوجائے، سالک اگر کوئی نیکی کر رہا ہے، تو یوں سمجھو کہ وہ چقماق کا پتھر رگڑ رہا ہے اور شیطان اس پر انگلی رکھ دیتا ہے، یہ انگلی وہی معصیت

اور گناہ ہے، جب گناہ ہوتا ہے، تو وہ نیکی کی روشنی بجھ جاتی ہے، سالک نے ''اللہ، اللہ'' کی، تلاوت وذکر کیا، شیطان نے فوراً ہی اس کی آنکھوں سے کسی عورت کو دکھا دیا اور اس کے عشق میں اس کو مبتلا کر دیا، دل میں گندے خیالات پیدا کر دیا، اسی طرح گناہوں میں عمر گزر گئی اور یہ شخص صاحبِ نسبت بن نہ سکا۔

واقعی بڑی عبرت کی بات ہے، ہر سالک کو اس پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے، بعض سالکین رات دن خانقاہوں میں رہتے ہیں، اولیاء اللہ کی صحبت میں ہیں، ذکر وتلاوت بھی کرتے ہیں؛ لیکن گناہوں سے نہیں بچتے اور ان کا نور تام نہیں ہوتا اور یہ محروم رہ جاتے ہیں۔

## ہم تو سنار تھے، لوگوں نے لوہار سمجھ لیا

میں ایک مرتبہ میرے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت وہاں اور کوئی نہیں تھا، صرف میں تھا۔ اسی درمیان میں ایک آدمی آیا اور حضرت سے تعویذ مانگنے لگا۔ حضرت نے کہا کہ میں تعویذ نہیں دیا کرتا۔ جاؤ بھائی جان سے لے لو! (بھائی جان سے مراد حضرت والا کے صاحب زادے ہیں، جن کو طلبا اور عوام سب بھائی جان کہتے ہیں) وہ شخص باہر گیا، پھر تھوڑی دیر بعد آ کر کہنے لگا، حضرت! آپ ہی دیدیجیے، حضرت والا رحمۃ اللہ نے پھر فرمایا: میں تعویذ نہیں دیا کرتا، بھائی جان سے لے لو۔ وہ شخص پھر باہر گیا اور کچھ دیر کے بعد پھر آ کر اسی طرح کہا کہ حضرت! تعویذ آپ ہی دیدیجیے، حضرت نے پھر وہی جواب دیا اور اس کو بھیج دیا اور میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے: بھائی! ہم تو سنار تھے، لوگوں نے ہمیں لوہار سمجھ لیا، یعنی کوئی سنار کے پاس لوہے کا کچھ کام بنانے لے جائے

تو یہ" وضع الشيء في غير محله" کی قبیل سے ہوگا، اسی طرح آج لوگ اللہ والوں کے پاس بہ جائے اپنی اصلاح کرانے کے اور معرفت الٰہی حاصل کرنے کے، دینی باتیں معلوم کرنے کے، وصول الی اللہ کے طرق معلوم کرنے کے، تعویذ کے بارے میں پوچھنے جاتے ہیں، دنیا کے بارے میں معلوم کرنے جاتے ہیں کہ حضرت میرا فلاں کام رک گیا ہے، حل کر دیجیے وغیرہ وغیرہ۔

ایک مرتبہ حضرت شاہ ابرار الحق صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ جب بیمار ہو کر ممبئی میں زیرِ علاج تھے، میں وہاں حضرت کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، بعد عصر لوگ زیارت وملاقات کے لیے حاضری دیتے تھے اور حضرت والا کبھی خود پانچ دس منٹ بیان کرتے اور کبھی کوئی مہمان عالم ہوتے، تو ان کو وعظ کہنے کا حکم دیتے تھے، اس دن مجھ سے فرمایا کہ آج آپ کچھ دینی باتیں لوگوں کو بتا دیں، تعمیل حکم میں میں بیان کر رہا تھا کہ حضرت والا بھی اوپر سے جہاں قیام تھا تشریف لے آئے اور اس میں میں نے حضرت مسیح الامت کا یہی واقعہ بھی سنایا، تو حضرت والا اس سے بہت متأثر ہوئے اور فرمایا کہ مولانا نے بڑی خوب بات فرمائی، بڑی خوب بات فرمائی۔

## حسنِ فانی کے پرستاروں کے لیے عبرت

میں نے حضرت مسیح الامت رَحِمَہُ اللّٰہُ سے یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک مرید خانقاہ میں تھا، اسے کھانا پہنچانے ایک لڑکی آتی تھی، جب جب بھی وہ لڑکی کھانا دینے کے لیے آتی، تو وہ مرید اس لڑکی پر نظرِ بد ڈالتا تھا اور اس کو گھور گھور کر دیکھتا تھا، شیخ کو معلوم ہوا، تو انھوں نے اس لڑکی کو دست آور گولیاں دیں، جس کی وجہ سے اس کو دست شروع ہو گئے اور شیخ نے اس کی غلاظت ایک جگہ کسی چیز میں جمع کرنے کا حکم دیا، ان کے خدام اس کی غلاظت کو جمع کرتے رہے، دستوں کی وجہ سے وہ لڑکی نہایت ضعیف

ونحیف ہوگئی، اس کی طبیعت نڈھال ہوگئی، چہرے پھیکا پڑگیا اور مرجھا گیا، اب شیخ نے اس لڑکی کو اس مرید کے سامنے بلایا؛ مگر اب وہ مرید اُسے دیکھتا ہی نہیں، اس کی طرف کوئی التفات ہی نہیں، شیخ نے اپنے خدام سے فرمایا کہ وہ جمع شدہ غلاظت اُٹھا کر لاؤ، جب وہ لائی گئی، تو شیخ نے اس مرید سے کہا کہ تم درحقیقت اس لڑکی پر اور اس کے حسن پر فریفتہ نہیں تھے؛ بل کہ اس کے اندر کی اس غلاظت پر فریفتہ تھے، اس لیے جب تک یہ غلاظت اس کے اندر تھی، تم اس کو گھور گھور کر دیکھتے تھے اور جب وہ باہر نکل گئی، تو اب دیکھنے تیار نہیں ہو۔

واقعی عجیب طرح دنیا کی مادی و فانی محبتوں کا علاج کیا ہے، اگر یہ نسخہ یاد ہوگیا، تو پھر کبھی بھی انسان دنیا کہ ان فانی محبتوں کے پیچھے نہیں جائے گا۔

## اولیاء اللہ سے تعلق رائیگاں نہیں جاتا

امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ کا نام آپ نے سنا ہوگا کہ ایک جلیل القدر عالم، فاضل، مفسر اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ بہت بڑے فلسفی منطقی تھے، آپ نے محبتِ خداوندی کی خاطر ایک اللہ والے سے بیعت کی، شیخ نے اذکار و وظائف بتائے رات میں اٹھ کر تہجد پڑھنے کو کہا، ذکر کرنے کا حکم دیا۔

امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ حکم کے مطابق جب ذکر کے لیے رات میں بیٹھتے، تو ان کو ایسا محسوس ہوتا تھا، کہ ان کے اندر سے ایک دھواں نکل رہا ہے، انھوں نے چند دن تو دیکھا، اس کے بعد اپنے شیخ کے پاس جا کر شکایت کی کہ حضرت! میں ذکر کرتا ہوں، تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے دل کے اندر ایک آگ ہے، اس کا دھواں نکل کر میرے منہ سے باہر جارہا ہے۔

شیخ نے کہا کہ یہ اللہ کی محبت کی آگ ہے، جو دل میں لگ رہی ہے اور تمھارے

فلسفہ اور منطق کے علوم کو جلا رہی ہے، اسی کا یہ دھواں ہے۔ امام رازی کو یہ سن کر بڑا افسوس ہوا؛ اس لیے کہ ان علوم کے پیچھے تو عمر لگائی تھی، زندگی کھپائی تھی، بڑا پیسہ خرچ کیا تھا، رات رات جاگتے رہے تھے، اپنا سارا آرام اور عیش اس کے پیچھے گنوا ڈالا تھا، یہاں تک کہ دنیا میں منطقیوں اور فلسفیوں کے امام قرار پائے۔

تو امام رازی نے کہا کہ اتنا سارا علم جو میں نے اتنی محنت اور مجاہدے سے حاصل کیا ہے، اگر وہ جل کر خاک ہو جاتا ہے، تو یہ مجھے منظور نہیں ہے۔ اس لیے واپس چلے آئے، لیکن آگ تو اندر لگ چکی تھی، وہ ایک چنگاری کی شکل میں اندر دبی رہی، زمانہ گزرتا رہا، گزرتا رہا، پھر ایک وقت وہ آیا جو ہر انسان کے لیے اللہ نے مقدر کر رکھا ہے یعنی موت کا وقت۔ موت کے وقت شیطان بہکانے کے لیے آیا اور اس نے امام رازی سے بحث شروع کر دی کہ تم اللہ کو ایک مانتے ہو؟ بتاؤ کیا دلیل ہے؟ امام رازی نے اپنے دماغ سے ایک سو دلیلیں اللہ کی وحدانیت پر فلسفیانہ منطقیانہ تیار کی تھیں۔

امام رازی نے دلیل پیش کی، لیکن شیطان تو ان سے بھی بڑا فلسفی تھا، اس نے اس دلیل میں نقص و عیب نکال دیا، امام رازی نے کہا کہ یہ دلیل چھوڑو، دوسری لو۔ اس نے اس دلیل میں بھی کوئی کسر نکال دی۔ انھوں نے تیسری دلیل پیش کی، شیطان نے اس کے اندر بھی کوئی کھوٹ نکال دیا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ انھوں نے ننانوے دلیلیں پیش کیں اور اس نے سب کو توڑ دیا۔ اب روح قبض ہونے والی ہے، شیطان ادھر بہکانے میں مشغول ہے، اسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے شیخ کو الہام کیا، وہ اس وقت وضو کر رہے تھے، ان کے قلب پر الہام ہوا کہ تمھارے وہ مرید جو آئے تھے، تمھارے پاس اور تم نے میری محبت کی آگ ان کے دل میں لگا دی تھی؛ لیکن وہ پھر بھی واپس ہو گئے تھے۔ آگ لگ جانے کے

بعد میں کسی کو محروم نہیں کیا کرتا، ذرا ان کی طرف آپ توجہ کریں۔امام رازی کی وہ گفتگو جو شیطان کے ساتھ چل رہی تھی، اللہ نے اِن بزرگ کو پہنچادی، شیخ کو آواز آئی اور وہ سن رہے تھے۔

شیخ نے کہا کہ یہ کیا بحث ومباحثہ میں مبتلا ہو، کیوں نہیں کہہ دیتے کہ میں بے دلیل خدا کو ایک مانتا ہوں۔ یہ دلیل، وہ دلیل، یہ کیا دلیلیں ہیں؟ اللہ نے کہہ دیا کافی ہے ہمارے لیے، اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔امام رازی کو اللہ نے شیخ کی آواز سنائی، شیخ کی وہ آواز کان میں آتے ہی امام رازی کی زبان سے نکلا کہ میں بے دلیل خدا کو ایک مانتا ہوں۔جب یہ کہا تو اسی وقت ان کی روح قبض ہوگئی اور شیطان بھاگ گیا۔

معلوم ہوا کہ اولیاءاللہ سے تعلق ومحبت رکھنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے ہمیں نواز دیتے ہیں اور ایمان محفوظ رہتا ہے۔ جو اس راستے پر چل پڑا، جو اس راستے میں داخلہ لے لیا، وہ کبھی محروم نہیں ہوگا، اللہ کبھی نہ کبھی اس کو پہنچا ہی دیتے ہیں۔

## اللہ کے ولی کا ادب باعثِ مغفرت

بزرگوں کے واقعات میں لکھا ہے کہ امام احمد ابن حنبل رَحِمَہُ اللہُ کے زمانے میں ایک شخص کا انتقال ہوا۔کسی کے خواب میں وہ شخص آیا، تو اس نے پوچھا کہ بھائی! تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ ہوا؟ تو اس نے کہا کہ اللہ کے فضل سے میری مغفرت ہوگئی۔ پوچھا کہ کس بنیاد پر مغفرت ہوئی؟ کہا کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مجھے وضو کرنے کی ضرورت پڑی تو میں وضو کرنے کے لیے ایک نہر کے کنارے پہنچا، میں نے دیکھا کہ نیچے کی طرف امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللہُ بیٹھ کر وضو کر رہے ہیں، تو میں نے یہ خیال کیا کہ وہ وہاں وضو کر رہے ہیں، مجھے بھی وضو کرنا ہے، اگر میں یہاں بیٹھ کر

وضو کروں گا، تو میرا غسالہ (اعضا کا دھویا ہوا پانی) ان کی طرف جائے گا اور ان کے وضو کے پانی میں ملے گا، یہ ادب کے خلاف ہے؛ اس لیے مجھے وہ جہاں بیٹھے ہیں، اس سے نیچے بیٹھ کر وضو کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر میں وہاں سے اٹھا اور امام احمد بن حنبل جہاں بیٹھے تھے، اس کے نیچے جا کر میں نے وضو کیا؛ تا کہ ان کا غسالہ میری طرف آئے گا، تو مجھے بھی کچھ تبرک حاصل ہوگا۔ کہتے ہیں کہ اس ادب پر میری بخشش ہوگئی۔

اس واقعے میں غور کیجیے کہ اللہ والے کا ایک معمولی ادب کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مغفرت جیسی عظیم دولت عطا فرمادی، جو شخص ہمیشہ ان کی اتباع کرے، تو اسے کیا کچھ اللہ تعالیٰ نہیں دیں گے۔ اسی لیے بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ'' (یہ اولیاء اللہ کی قوم، وہ قوم ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا۔)

(البخاري:٦٤٠٨)

اے اللہ کو چاہنے والو! اگر تم واقعۃً اللہ کے طالب ہو، تو جاؤ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو۔ اس سے اللہ کی محبت تم میں بھی منتقل ہو جائے گی۔

## صحبت کا اثر کیسے ہوتا ہے؟

حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ کے ایک مرید تھے، انھوں نے ایک دفعہ حضرت تھانوی کے پاس خط لکھا کہ حضرت! میرے اندر غصہ بہت زیادہ ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو جائے؛ لہٰذا اس کے لیے کوئی نسخہ تجویز فرمادیں۔ وہ صاحب لکھنؤ سے قریب کے رہنے والے تھے۔

حضرت نے ان کو جواب لکھا کہ لکھنؤ میں میرے خلیفہ فلاں حکیم صاحب رہتے ہیں، فلاں جگہ پر ان کا مطب، کلینک ہے، تم ان سے اجازت لے کر ان کے پاس

بیٹھ جایا کرو، وہ تو اپنے کام میں مشغول رہیں گے؛ لیکن تم ان کے پاس جا کر بیٹھ جایا کرو اور یہ بھی لکھا کہ پندرہ دن تک بیٹھنے کے بعد مجھے خط لکھنا کہ کیا اثر ہوا۔

چناں چہ وہ صاحب پتہ تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچے، حکیم صاحب کی کلینک مل گئی اور ان سے ملاقات کی اور کہا کہ حضرت نے مجھے ایسا لکھا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں بیٹھا کروں، اگر آپ اجازت دیں تو یہاں بیٹھ جایا کروں گا۔ انھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ وہ حکیم صاحب تو اپنے کام میں مشغول رہتے، بیماروں کی نبض دیکھتے، دوائیاں تجویز کرتے تھے اور یہ صاحب ان کے قریب بیٹھے رہتے تھے۔ پندرہ دن کے بعد انھوں نے حضرت تھانوی کو خط لکھا کہ اللہ کا فضل ہے کہ غصہ بالکل کافور ہو گیا، انھوں نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ حضرت! غصہ تو میرا کافور ہو گیا؛ لیکن ایک سوال ذہن میں آ گیا ہے کہ حکیم صاحب نے نہ مجھے کچھ کہا اور نہ میں نے ان سے کچھ کہا، صرف ان کے پاس بیٹھنے سے میرا غصہ کیسے ختم ہو گیا؟ یہ فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت کے پاس خط آیا، تو اس کا جواب لکھا کہ جی! نہ انھوں نے کچھ کہا، نہ تم نے کچھ کہا؛ لیکن ان کے دل میں جو حلم کا مادہ ہے، صحبت کی تاثیر سے وہ منتقل ہو کر تمھارے دل میں آ گیا۔ اللہ اکبر! یہ ہے تاثیر صحبتِ اولیا کی۔

نیک لوگوں کی مصاحبت و مجالست بہت ضروری ہے، مجالست ایک بڑا ذریعہ و وسیلہ ہے اللہ کی معرفت کو پانے کا، اللہ کی محبت کو پانے کا۔

## سالک میں سچی طلب کامیابی کی ضمانت

ایک ڈاکو تھا، اس کا مشغلہ ہی ڈاکہ ڈالنا تھا اور ڈاکہ ڈالتے ڈالتے اس کو ایک زمانے کے بعد اس پر بڑھاپا آ گیا۔ اس زمانے میں ڈاکہ نہیں ڈال سکتا تھا، اس لیے اس نے سوچا کہ چلو کسی اور طریقے سے ڈاکہ ڈالیں، اس نے صوفیانہ طور طریقے

اختیار کرلیا، ایک بڑا کرتا پہن لیا، ٹوپی اوڑھ لی اور ہاتھ میں تسبیح لے لی اور مسجد کے کونے میں ایک جگہ جا کر بیٹھ گیا اور عبادت و ریاضت اور ذکر و وظائف شروع کر دیا اور ہر وقت مسجد ہی میں رہتا تھا، یہاں تک کہ لوگوں میں اس کی شہرت ہوگئی کہ یہاں ایک اللہ والے رہتے ہیں؛ اس لیے لوگ اس کے پاس آنے جانے لگے اور اس کو اللہ والا سمجھ کر تحائف و ہدایا دینے لگے اور اس طرح وہ روپیہ پیسہ کمانا شروع کر دیا، گویا کہ ایک دوسرے انداز کا ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیا۔ الغرض جب اس کا چرچا دور دور تک پھیل گیا، تو ایک مرتبہ اس ڈاکو کے پاس دو آدمی آئے، جو اللہ کو اور اللہ کی محبت کو پانا چاہتے تھے، انھوں نے اس سے بیعت کی درخواست کی اور بیعت ہو کر اس کی خدمت میں رہنا شروع کر دیا، اپنی اصلاح کی فکر میں لگے رہے، وقتاً فوقتاً اصلاحی سوالات بھی کرتے۔ اس پیر کو تو کچھ آتا جاتا نہ تھا، لیکن وہ اللہ والوں کی کچھ کتابیں دیکھ کر اصلاحی نسخے ان کو بتا دیا کرتا اور وہ دو آدمی اس کو بزرگ سمجھ کر اس کی باتوں پر عمل کرتے رہے، یہ سلسلہ برابر چلتا رہا؛ یہاں تک کہ ماشاء اللہ وہ دونوں ولایت سے نوازے گئے اور بڑے اونچے مرتبے پر فائز ہو گئے؛ حتی کہ صاحبِ کشف و کرامات بن گئے۔

ایک مرتبہ ان دونوں نے سوچا کہ اللہ نے ہمیں اس بزرگ کی برکت سے یہ مقام عطا کیا، تو دیکھنا چاہیے کہ ہمارے شیخ کا اللہ کے یہاں کیا مقام ہے؟ ان دونوں نے مراقبے میں بیٹھ کر اپنے شیخ کا مرتبہ دیکھنا چاہا، تو بہت دیکھنے کے بعد بھی ان کو دور دور تک اپنی اس شیخ کا کوئی مقام نظر نہ آیا۔ جب کوئی مقام تھا ہی نہیں، تو کہاں سے نظر آتا؛ بالآخر وہ دونوں شیخ سے بدظن ہونے کے بہ جائے آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے شیخ بہت ہی اونچے مقام کے ہیں اور وہاں تک ہماری روحانی سیر کی رسائی

نہیں ہوسکتی؛ اس لیے ہم کو نظر نہیں آرہا ہے۔ پھر فیصلہ کیا کہ چلو شیخ سے ہی پوچھ لیتے ہیں۔ شیخ کے پاس آکر عرض کیا کہ حضرت! ہم سے غلطی ہوگئی کہ ہم آپ کا مقام جاننے کے لیے مراقبہ میں بیٹھ گئے؛ لیکن بھلا ہماری کیا مجال؟ کہ ہم جناب کا مقام معلوم کرلیں، ہم سے نہ ہوسکا؛ کیوں کہ ہماری رسائی وہاں نہیں ہے؛ اس لیے آپ ہی بتادیجیے کہ آپ کا مقام کیا ہے؟

یہ سن کر وہ ڈاکو رونے لگا اور روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور کہنے لگا کہ بھائی! میرا کوئی مقام درحقیقت ہے ہی نہیں، میں تو اصل میں ایک ڈاکو تھا اور بڑھاپے کی وجہ سے جب یہ کام نہ ہوسکا، تو میں نے ڈاکہ ڈالنے کی ہی نیت سے یہ ڈھونگ رچایا ہے اور تم میری وجہ سے کوئی بلند مقام نہیں پائے ہو؛ بل کہ تمھاری نیت کے اخلاص اور سچی طلب کی وجہ سے تم کو یہ بلند مقام ملا ہے۔

ان مریدین نے جب یہ سنا، تو انھوں نے اپنے شیخ کے لیے دعا کی کہ اے اللہ! ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ جس کی وجہ سے ہمیں یہ مقام ملا، وہ خود محروم رہے؛ لہٰذا اسے بھی نواز دیجیے۔ تو اللہ نے ان کی دعا سے اسے بھی قبول کرلیا۔

بتانا یہ ہے کہ وہ دونوں ایک ڈاکو کی صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح نیت کی وجہ سے بلندی پاسکتے ہیں، تو کیا ہم لوگ دینی ماحول میں رہ کر اپنی اخلاص نیت سے بلندی نہیں پاسکتے۔ ایسا ہرگز نہیں! اگر ہم اخلاص کے ساتھ عمل کریں گے، ضرور مرتبہ پاسکتے ہیں۔ دوسری بات اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ اخلاص کی وجہ سے سالک کو منزل ضرور ملتی ہے، چاہے شیخ جیسا بھی ہو؛ لیکن اگر اخلاص نہ تو بہت بڑے شیخ کے پاس جاکر بھی محرومی کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

# ”میں آپ کے اور آپ میرے ہاتھ چاٹ رہے ہیں!“

## دنیادار پیروں کا حال

ایک قصہ یاد آیا کہ ایک مرید نے ایک عجیب خواب دیکھا اور اپنے شیخ سے جاکر بتایا؛ تا کہ اس کی تعبیر معلوم ہو جائے، اس نے کہا کہ حضرت! میں نے آج خواب میں دیکھا کہ میرے سامنے دو برتن ہیں اور ایک برتن میں شہد ہے اور ایک برتن میں نجاست ہے، پھر دیکھا کہ آپ کے ہاتھ شہد والے برتن میں ڈوبے ہوئے ہیں اور میرے ہاتھ نجاست والے برتن میں پڑے ہوئے ہیں، یہ سن کر وہ شیخ صاحب کہنے لگے کہ اس کی تعبیر تو واضح ہے کہ ہمارے ہاتھ شہد میں ہیں یعنی دین میں ڈوبے ہوئے ہیں، اس میں ہمارے دین دار ہونے کی اشارہ ہے اور تمھارے ہاتھ نجاست میں ڈوبے ہوئے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دنیا دار رہو، دنیا کی مثال پاخانے کی طرح ہے؛ اس لیے تمھارے ہاتھ پاخانہ میں ڈوبے نظر آئے تھے، اور ہمارے ہاتھ شہد ڈوبے ہوئے نظر آئے تھے، اس مرید نے کہا: حضرت! آپ کی تعبیر تو صحیح ہے؛ مگر ابھی خواب پورا نہیں ہوا، پورا خواب سن لیجیے، کہ میں نے آگے خواب میں یہ بھی دیکھا کہ آپ کی شہد میں ڈوبی ہوئی اُنگلیاں میں چاٹ رہا ہوں اور میری نجاست میں ڈوبی ہوئی انگلیاں آپ چاٹ رہے ہیں، یہ سن کر وہ شیخ غصے میں آ گیا اور اُس کو بھگا دیا۔ حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ کہتے ہیں: خواب کے اس آخری حصے کی تعبیر میں دیتا ہوں، وہ یہ کہ اُس مرید کے ہاتھ واقعی دنیا میں ڈوبے تھے؛ مگر وہ دین لینے کے لیے شیخ کے پاس آیا تھا؛ اس لیے شیخ کے ہاتھ سے شہد چاٹ رہا تھا؛ مگر وہ پیر مرید کو دین پہنچانے کے بہ جائے، اُس سے دنیا حاصل کرتا تھا؛ اس لیے وہ اس مرید کی نجاست سے آلودہ اُنگلیاں چاٹ رہا تھا۔

افسوس کہ یہ حال ہے آج مقتداؤں کا؛ اس لیے دنیا داروں سے بچنا چاہیے؛ اس لیے کہ دنیادار کی اتباع سے دنیا ملتی ہے، دین دار کی اتباع سے اللہ ملتا ہے۔

## اتباعِ سنت وشریعت-اہل اللہ کی پہچان

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے شہر میں ایک بزرگ کے آنے کی خبر پھیلی، لوگ ان سے ملنے جا رہے تھے، تو وہ بزرگ بھی اپنے شاگردوں کے ساتھ ان سے ملنے کے لیے نکلے، جب وہاں پہنچے، تو وہ صاحب وضو کر رہے تھے، جانے والے بزرگ دور ہی سے کھڑے ہو کر ان کو دیکھ رہے تھے، جب وہ وضو سے فارغ ہو گئے، تو یہ بغیر ملاقات ہی واپس جانے لگے، ملاقات نہیں کی، شاگردوں نے پوچھا حضرت! آپ ملاقات کرنے آئے تھے اور بغیر ملاقات کے جا رہے ہیں، کیا بات ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں ان کے وضو کے طریقے کو دیکھ رہا تھا، جو خلافِ سنت تھا، جسے وضو کی سنتیں معلوم نہ ہوں، وہ اللہ کا ولی کیسے ہو سکتا ہے؟

دیکھیے! صرف خلافِ سنت وضو کرنے کی وجہ سے اللہ والا ماننے تیار نہیں اور ہم ہیں کہ گناہگاروں کو بھی پیر سمجھتے ہیں۔

## سنت پر استقامت سب سے بڑی کرامت

بزرگوں نے فرمایا کہ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ احکامِ خداوندی اور سنتِ نبوی کا اہتمام کیا جائے، اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا، جو میں نے مرشدی حضرت اقدس شاہ مسیح اللہ خان صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ سے بارہا سنا ہے کہ ایک شخص نے حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللّٰہُ کی شہرت سنی، تو ان کی خدمت میں پہنچا اور ان کی خانقاہ میں دس سال رہا، ایک دن آ کر حضرت سے کہا کہ حضرت میں واپس جانا چاہتا ہوں،

حضرت نے فرمایا کہ تم دس سال تک جو یہاں رہے، اس کا کیا مقصد تھا اور کیا وہ مقصد تم کو حاصل ہوگیا؟ اس نے کہا کہ میں اس لیے آیا تھا کہ میں نے لوگوں سے آپ کا ذکر سنا تھا کہ آپ ولی اللہ ہیں، تو میں نے یہ سوچا کہ آپ سے بڑی بڑی کرامتیں ہوتی ہوں گی، لہٰذا آپ کی خدمت میں رہنے آیا؛ تا کہ آپ کی کرامت دیکھوں؛ مگر اب اس لیے جارہا ہوں کہ میں نے آپ سے اس عرصے میں ایک کرامت بھی نہیں دیکھی۔

یہ سن کر حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللّٰہُ کو جوش آ گیا اور فرمایا کہ اچھا بتاؤ! تم نے دس سال کے عرصے میں مجھے کبھی خلافِ سنت کوئی کام کرتے دیکھا ہے؟ اس نے اب غور کیا اور کچھ دیر کے بعد کہا کہ نہیں، آپ سے کبھی بھی خلافِ سنت کوئی کام ہوتے نہیں دیکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ جنید کی اس سے بڑی کرامت کیا دیکھنا چاہتے ہو؟ کہ اس نے دس سال میں ایک لمحے کے لیے بھی اپنے خدا کو ناراض نہیں کیا، کیوں کہ کوئی کام خلافِ سنت نہیں کیا۔

اللہ اکبر! دیکھیے اللہ والے ایسے ہوتے ہیں، جن سے گناہ تو درکنار سنت بھی کبھی ترک نہیں ہوتی اور یہی اصل کرامت ہے۔

## فضول گفتگو سے بچنے کی تدبیر

ایک بزرگ تھے دیوبند میں جن کا نام ہے، حضرت مولانا میاں صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ ، دارالعلوم دیوبند کے محدث تھے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ کے بھی اساتذہ میں سے ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ان کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ان کی مجلس ہوتی تھی اور اس میں علما، صلحا اور طلبا سب جمع ہوتے تھے اور کوئی مسئلہ پوچھتا، کوئی مشورہ لیتا، حضرت کبھی کچھ بیان فرماتے اور کبھی مسائل

کی تحقیق ہوتی مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہتیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت نے فرمایا کہ بھائی کل سے ہماری مجلس میں گفتگو صرف عربی زبان میں ہوگی اردو میں نہیں، اس کے بعد مجلس برخاست ہوگئی اور لوگ چلے گئے، دوسرا دن ہوا تو لوگ آئے، آنے کے بعد سب خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، کوئی بولتا نہیں، کوئی کچھ پوچھتا ہی نہیں، اگر چہ وہ علما تھے، طلبا تھے؛ لیکن عام طور پر عربی زبان میں گفتگو کی مشق چوں کہ نہیں ہوتی ہے، تو وہ جیسے اردو سر سر بول لیتے ہیں، اس طرح نہیں بول پاتے اور سب کے سب خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، بہت دیر کے بعد کسی نے کہا کہ حضرت ایک مسئلہ ہے، عربی میں اس نے ایک جملہ بہت ہی جچا تلا استعمال کیا، اب حضرت نے اس کا جچا تلا عربی میں جواب دیا، پھر مجلس پر خاموشی طاری ہوگئی، پھر کچھ دیر کے بعد کسی نے سوال کیا، پھر اسی طرح جواب ہوگیا؛ پھر خاموشی طاری ہوگئی، دو چار ہی باتیں ہوئیں تھیں کہ عصر سے مغرب تک کا وقت ختم ہوگیا اور لوگ چلے گئے۔

دوسرا دن ہوا، وہی کیفیت، تیسرا دن ہوا، وہی کیفیت، کوئی کچھ بولتا ہی نہیں، دو تین دن کے بعد کسی نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت! آپ نے یہ عربی والی قید لگا کر ہم لوگوں کو بڑی مشکل میں ڈال دیا اور استفادے کا دروازہ بند کر دیا، افادے کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی میں دیکھ رہا تھا کہ لوگ ایک چھوٹی سی بات ہوتی ہے؛ لیکن اس چھوٹی سی بات کے لیے بہت سے فضول الفاظ استعمال کرتے ہیں، پانچ لفظوں میں جو بات پوری ہوسکتی ہے، اس کے لیے دس لفظ استعمال کرتے ہیں، جو بات دس لفظوں میں پوری ہوسکتی ہے؛ اس کے لیے چالیس پچاس لفظ استعمال کرتے ہیں، وہ سب فضول

ہوتے ہیں؛ اس لیے میں نے سوچا کہ ہماری اتنی عمریں ہو چکی ہیں، میری عمر پچاس برس کی ہوگئی ہے، کسی کی عمر چالیس برس ہوگئی، کسی کی عمر پینتالیس برس ہوگئی، کسی کی عمر بیس برس ہوگئی ہے اور لوگ لمبی لمبی گفتگو کر کے اپنا وقت برباد کرتے ہیں، میں نے سوچا کہ یہ فضول گوئی میں جو وقت گزر رہا ہے، اس سے ان لوگوں کو بچاؤں، اس لیے میں نے یہ قید لگادی کہ عربی میں بولو، اب عربی میں بولے گا تو نپے تلے الفاظ میں بولے گا، بے کار کوئی لفظ استعمال نہیں کرے گا، جیسے اردو میں آدمی بکواس کر لیتا ہے، اس لیے وہاں بڑا سوچ سمجھ کر بولے گا، ضرورت ہی کا لفظ بولے گا؛ بل کہ جتنا ضروری ہے، وہ بھی پورا نہیں بول سکے گا، اس میں بھی کچھ گھٹ ہی جائے گا۔ اس لیے میں نے یہ قید لگائی ہے۔

بھائیو! یہ تھی ہمارے بزرگوں کی نظر کہ ہمارا وقت خراب نہ ہو اور اس وقت کو بچا بچا کر رکھے، اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے سامان تیار کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے عشق کو دل میں بسانے کے لیے تدبیریں کی جائیں اور وہ سارا وقت اسی کے لیے صرف ہو جائے۔ اللہ والے مختلف طریقوں سے اصلاح کرتے ہیں۔

## تاجر بھی ولی بن سکتا ہے

حضرت امام غزالی رَحِمَہُ اللہ نے ''إحیاء العلوم'' میں ایک قصہ لکھا ہے کہ بغداد کے علاقے میں ایک شخص رہتے تھے، جن کا نام تھا ''شیخ منکدر'' اور ان کی ایک دکان تھی، تجارت پیشہ آدمی تھے، انھوں نے اپنے خادموں سے ایک دفعہ کہہ دیا کہ بھائی دیکھو! یہ کپڑا اتنے کا ہے اور وہ کپڑا اتنے کا ہے، یہ لبادہ اتنے کا ہے، فلاں لبادہ اتنے کا ہے۔ اس سے زیادہ قیمت میں فروخت نہ کرنا اور ایک کپڑے کے بارے میں بتایا کہ یہ دو دینار کا ہے اور ایک کے بارے میں کہا کہ یہ تین دینار کا ہے، اس

طرح تاکید کردی۔

ایک مرتبہ اپنے کسی کام سے جا رہے تھے، راستے میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی، جو اعرابی و دیہاتی تھا، دیکھا تو اس کے پاس ایک لبادہ ہے، انھوں نے پوچھا کہ بھائی! یہ لبادہ کہاں سے خریدا؟ تو اس نے کہا کہ ادھر ایک دکان ہے، وہاں سے خریدا ہے۔ پھر پوچھا کہ کتنے میں خریدا؟ تو اس نے کہا کہ میں نے تین دینار میں خریدا ہے۔

تو انھوں نے اسے لے کر الٹ پلٹ کر کے دیکھا اور اس کے بعد میں کہا کہ یہ تو دو دینار کا ہے، تم نے تین دے دیئے، ایک دینار تم نے زائد دے دیا ہے، اس لیے چلو، اس کو واپس کر دو، یا تو اپنی قیمت واپس لے لو، یا نہیں تو اپنا ایک دینار واپس لے لو۔

تو اس نے کہا کہ آپ کون ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں اسی دکان کا مالک ہوں، تو شیخ منکدر اس دیہاتی کو لے کر واپس پہنچے اور اپنے خادم سے کہا کہ تم نے یہ غلط حرکت کیوں کی؟ اس کا ایک دینار واپس کرو، یا نہیں تو اسے تین دینار والا لبادہ دے دو۔ خادم نے اس شخص سے پوچھا کہ کیا چاہتے ہیں؟ اس دیہاتی نے کہا کہ ایک دینار واپس کر دو۔ چناں چہ ایک دینار واپس کر دیا گیا اور وہ دیہاتی واپس جانے لگا، چلتے چلتے کچھ آس پاس کے لوگوں سے پوچھا کہ بھائی یہ کون صاحب ہیں؟ بڑے امانت دار معلوم ہوتے ہیں کہ ایسا ایسا واقعہ میرے ساتھ پیش آیا ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ آپ نہیں جانتے ان کو؟ یہ شیخ منکدر ہیں۔

تو اب اس دیہاتی نے کہا کہ اچھا یہ ہیں شیخ منکدر! ہم لوگ اپنے علاقے میں جب کبھی بارش بند ہو جاتی ہے، تو شیخ منکدر کا واسطہ دے کر دعائیں مانگا کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہم کو بارش دے دیتا ہے، اس نے کہا یہ تو وہ آدمی ہیں، مجھے پتہ نہیں تھا اور کہنے لگا کہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ شیخ منکدر کوئی صاحب جبہ و دستار

شخصیت ہوگی، جو کسی خانقاہ میں بیٹھ کر تسبیح گھماتے ہوں گے؛ لیکن یہاں آکر پتہ چلا کہ یہ تو تاجر آدمی ہیں، تجارت کر رہے ہیں؛ لیکن مقام ایسا ہے اللہ کے نزدیک، کہ اللہ ان کے نام کی یہ دولت، ان کے واسطے کی وجہ سے بارشیں نازل کر رہا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر راستے سے خدا کو پایا جا سکتا ہے۔

## بادشاہ بھی ولی اللہ ہوسکتا ہے

حضرت شجاع رَحِمَہُ اللہُ ''کرمان'' کے بادشاہ تھے، یہ کرمان ایک بستی ہے، حضرت شجاع اس بستی کے بادشاہ تھے اور ساتھ ہی بہت بڑے اللہ کے ولی تھے، ان کا ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ وہ مسجد تشریف لائے، نماز پڑھنے کے بعد دیکھا کہ ایک طالبِ علم نماز پڑھ رہے ہیں، بڑے خشوع کے ساتھ، بڑے اطمینان کے ساتھ اور ایسی اچھی نماز کہ انھوں نے خال خال ہی کسی کو ایسا نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

تو ان کا دل اندر سے کہنے لگا کہ یہ طالبِ علم جو نماز پڑھ رہا ہے، اتنی شاندار نماز، یہ اس قابل ہے کہ میں اس کو اپنا داماد بنالوں، انھوں نے مال نہیں دیکھا، انھوں اس کی دنیوی حیثیت نہیں دیکھی، اس کا حسب ونسب نہیں دیکھا، اس لیے کہ ان چیزوں سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے، تو شیخ کرمانی کے دل میں آیا کہ کیوں نہ میں اس کو اپنا داماد بنالوں، وہ طالبِ علم نماز سے فارغ ہوا، تو انھوں نے اپنے وزیر سے کہا کہ اس طالبِ علم کو بلا کر لاؤ، وزیر نے جا کر اس کو بلایا، وزیر کے بلانے پر وہ بیچارہ کانپ گیا کہ بادشاہ بلا رہے ہیں، پتہ نہیں کیا بات ہے؟ اب وہ آیا ڈرتے ہوئے، کانپتے ہوئے کہ معلوم نہیں میرے سے کیا خطا ہوگئی، لغزش ہوگئی ہوگی یا معلوم نہیں کہ کیا سوال کرلیا جائے اور میں جواب دے سکوں کہ نہ دے سکوں؟ جب وہ حاضر ہوا، تو بادشاہ نے اسے بٹھایا اور بٹھانے کے بعد کہا کہ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا

ہوں، وہ یہ کہ میرے دل میں یہ خواہش گزری کہ میں تم کو اپنا داماد بنالوں، تمھاری اگر شادی نہیں ہوئی ہے، تو تم اگر شادی کرنا چاہو، تو میری لڑکی سے شادی کرلو، بس جناب یہ سننا تھا کہ ان کا دماغ چکرانے لگا؛ اس لیے کہ باشادہ کی بیٹی کو یہ فقیر شادی کرکے کیا کرے گا؟ کہاں رکھے گا؟ کیا کھلائے گا؟ کیسے اس کی خواہشات پوری کرے گا؟ اسے ہوسکتا ہے کہ دن میں پچاس جوڑوں کی ضرورت ہو، اب بے چارہ چکر میں آ گیا، ہاں کہوں تو مشکل، نہ کہوں تو بھی مشکل، ہاں کہنے میں یہ مصیبت، نہ کہنے میں یہ کہ بادشاہ کہیں ناراض ہوجائے کہ میری طرف سے یہ پیغام دیا جارہا ہے اور تو ٹھکرا رہا ہے۔

بالآخر اس نے قبول کرلیا، اس کے بعد شادی کا وقت آیا، شادی ہوگئی، شادی ہونے کے بعد رخصتی ہوئی، یہ اپنے جھونپڑے میں لے گیا شہزادی کو اور کھانے پینے کا مختصر انتظام ایک دو وقت کے لیے اس نے بنا رکھا تھا، جب کھانے کا وقت آیا تو میاں بیوی کھانے کے لیے بیٹھے، شرما شرمی میں کچھ زیادہ نہیں کھایا گیا اور کچھ کھانا بچ گیا، اس طالب علم نے اپنی بیوی سے جو کہ شہزادی تھی کہا کہ اس بچے ہوئے کھانے کو کو اُٹھا کر رکھ دینا، صبح ہمیں ناشتے میں کام آئے گا، اس نے اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا اور رونے بیٹھ گئی، اب رو رہی ہے، رو رہی ہے، طالبِ علم بہت پریشان کہ آخر کیا ماجرا ہے؟ اس نے اس سے بار بار پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کیوں روتی ہو؟ مگر اس نے کوئی جواب ہی نہیں دیا، یہ کہنے لگا کہ میں نے تمھارے والد سے پہلے ہی کہا تھا کہ میں آپ کی بیٹی کو کیسے سنبھالوں گا، میری جھونپڑی اسے کیسے پسند آئے گی، میری رہائش کا انداز اسے کیسے پسند آئے گا، میرا سوکھا موکھا کھانا اسے کیسے پسند آئے گا؛ لیکن آپ کے والد نے بڑی غلطی کی کہ میرے سے آپ کی شادی کردی اور آپ کے تمام جذبات اور تمام خواہشات کو انھوں نے بالکل پیس کر رکھ دیا، یہ آپ

کے والد کی غلطی ہے، میری غلطی نہیں ہے، شاید تم کو میرا یہ جھونپڑا اور یہ سوکھا کھانا پسند نہیں آیا؛ اس لیے رو رہی ہو؟

شہزادی نے کہا کہ میں اس لیے نہیں رو رہی ہوں کہ مجھے جھونپڑے میں رکھا گیا یا سوکھا کھانا کھلایا گیا؛ بل کہ اس لیے رو رہی ہوں کہ میرے والد نے مجھے یہ کہا تھا کہ میں ایک متقی پرہیز گار اور اللہ والے سے تیرا رشتہ کر رہا ہوں، جو توکل علی اللہ کی دولت سے مالا مال ہے؛ لیکن میں نے یہاں پر آ کر آپ میں توکل نہیں دیکھا، آپ کہہ رہے ہیں کہ کھانا اٹھا کر کل کے لیے رکھو، جس خدا نے آج آپ کو دیا، وہ کیا کل نہیں دے سکتا؟ اس لیے مجھے رونا آ رہا ہے۔

اللہ اکبر! آپ سوچیے کہ وہ بادشاہ کیسا ہوگا اور بادشاہ کی بیٹی پر اس کی تربیت کیسی ہوگی؟ اس کا اندازہ کچھ دیر کے لیے آپ کو کرنا چاہیں، میں سمجھتا ہوں کہ صحیح طور پر نہیں کر پائیں گے، بادشاہ کا جو انداز ہوتا ہے، اس کے پاس جو طاقتیں ہوتی ہیں، جو چیزیں ہوتی ہیں، اس کے اندر دینی غیرت ایسی، توکل ایسا، اللہ سے تعلق ایسا پیدا کرنے کی اس نے اگر کوشش کی ہے تو کیا کیا نہ کیا ہوگا؟

معلوم ہوا کہ ایک آدمی بادشاہ ہوتے ہوئے خدا کا ولی ہوسکتا ہے، شہزادی خدا کی ولی ہوسکتی ہے، شہزادہ خدا کا ولی ہوسکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تک پہنچنے کے لیے ہزاروں راستے ہیں، کروڑوں ہیں، جس راستے سے چاہے آدمی پہنچ سکتا ہے، کوئی چیز اسے اللہ تک پہنچنے سے روک نہیں سکتی، جیسا کہ آپ کو یہ مثالیں بتا رہی ہیں۔

## ایک دربان کا مقام ولایت

ایک واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک آدمی جنگل سے گزر کر شہر کی طرف آ رہا تھا، تو ایک بوڑھے سے ملاقات ہوئی، تو ان بوڑھے صاحب نے اس سے

پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ تو کہا کہ میں شہر کی طرف جارہا ہوں، تو کہا کہ اچھا دیکھو، اگر فلاں محلے میں آپ کا جانا ہو، تو عبداللہ نام کے ایک صاحب فلاں جگہ پر رہتے ہیں، ان کو عبداللہ حاجب کہتے ہیں، وہ ایک رئیس کے دربان ہیں، ان سے میرا سلام سنا دینا۔

جب یہ صاحب اس محلے میں آئے تو ان کو یاد آیا، تو انھوں نے تلاش کیا کہ یہاں عبداللہ حاجب کون ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں جگہ پر رہتے ہیں اور ایک امیر کے دربان ہیں، دربان کیا؟ گیٹ کیپر، کوئی بڑا عہدہ نہیں ہے۔

اب وہاں پہنچے اور ان کو جا کر کہا کہ میں فلاں جگہ سے فلاں دن آرہا تھا، راستے میں ایک بزرگ شخصیت سے ملاقات ہوئی، انھوں نے آپ کو سلام بھیجا ہے، عبداللہ حاجب نے ''وعلیک وعلیہ السلام'' کہا۔ اس کے بعد اس آدمی نے پوچھا کہ وہ بزرگ کون تھے، جو آپ کو سلام سنا رہے تھے، تو عبداللہ حاجب نے کہا کہ آپ کو اس سے کیا غرض ہے؟ مگر وہ آدمی اصرار کرتا رہا کہ بتا دیجئے! کیوں کہ ان کا چہرہ بہت نورانی تھا، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی شخصیت ہے۔

تو انھوں نے کہا کہ وہ اصل میں حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اس آدمی کے دل میں آیا کہ حضرت خضر علیہ السلام خصوصیت کے ساتھ اس آدمی کو سلام کیوں بھیج رہے ہیں؟ جب کہ اس شہر میں اتنے لوگ ہیں، مسجدوں کے امام بھی ہوں گے اور مدارس کے معلمین و مدرسین بھی ہوں گے، بڑی بڑی خانقاہوں کے شیوخ بھی ہوں گے، علما و مفتیان بھی ہو ں گے؛ لیکن ان سب کو چھوڑ کر حضرت خضر علیہ السلام اس کو کیوں سلام پہنچا رہے ہیں، وہ بھی ایک دربان کو، کیا بات ہے؟ تو اس نے پوچھا کہ میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آخر حضرت خضر علیہ السلام آپ کو خصوصیت کے ساتھ سلام کیوں سنائے ہیں؟ تو وہ صاحب کہنے لگے کہ بس

ہمارا اوران کا ایک تعلق ہے؛ اس لیے انھوں نے سلام کہا ہے۔

اس آدمی نے کہا کہ کیا آپ کوئی مخصوص عمل کرتے ہیں؟ تو عبداللہ حاجب نے کہا کہ کسی بھی کام میں لگتا ہوں، تو میرا دل خدا سے غافل نہیں ہوتا، پھر انھوں نے اپنی تفصیل سنائی کہ صبح اٹھتا ہوں، اس کے بعد یہ کرتا ہوں، اس کے بعد یہ کرتا ہوں، اس کے بعد امیر کے پاس جاتا ہوں، اس کی یہ خدمت کرتا ہوں اور یوں رہتا ہوں، لیکن جو کچھ بھی کرتا ہوں؛ لیکن خدا سے کبھی دل غافل نہیں ہوتا ہے۔

## اللہ والے کہاں ملیں گے؟

بہت سے اللہ والے ہمارے بغل میں ہی رہتے ہیں؛ مگر ہم اُن کو نہیں پہچانتے، ہمارے ساتھ ہوتے ہیں، ہم نہیں جانتے، آپ نے سنا ہوگا کہ شاہ جہاں کا جب آخری وقت آیا، تو اُن کی اولاد میں ایک ”دارہ شکوہ“، دوسرے: ”اورنگ زیب“ تھے، دونوں حکومت چاہتے تھے، اورنگ زیب نیک انسان تھے، وہ حکومت سے دین کو تقویت دینا چاہتے تھے۔

ایک مرتبہ دہلی میں ایک بزرگ آئے، جب معلوم ہوا تو دعا کروانے پہلے دارہ شکوہ گئے، بزرگ صاحب سے ملاقات کی، اُنھوں نے کہا: میری گدی پر بیٹھ جاؤ؛ مگر دارہ شکوہ نے انکار کر دیا، پھر جاتے وقت دارہ شکوہ نے کہا: حضرت دعا کیجیے کہ حکومت مل جائے، بزرگ کہنے لگے، ہم نے تو اپنی گدی دینی چاہی، آپ نے انکار کر دیا، اب حکومت نہیں ملے گی، وہ افسوس کرتے ہوئے چلے گئے، کچھ دیر بعد اورنگ زیب آئے، بزرگ صاحب نے اُن کو بھی گدی پر بیٹھنے کا حکم فرمایا، پہلے تو انکار کیا، پھر حکم ہوا، تو بیٹھ گئے، پھر اورنگ زیب نے بھی کہا: دعا کیجیے کہ تخت و تاج مل جائے، انھوں نے کہا: تخت پر تو ہم نے اللہ کے حکم سے بٹھا دیا؛ مگر تاج میں نہیں

دے سکتا، بل کہ تاج آپ کا غلام جو آپ کو روزانہ وضو کراتا ہے، وہ اگر آپ کے سر پر عمامہ رکھ دے، تو تاج بھی مل جائے گا، اورنگ زیب نے تعجب سے کہا: میرا غلام جو میری جوتیاں سیدھی کرتا ہے، کیا وہ اتنا بڑا اللہ والا ہے؟ گھر گئے اور وضو کے بعد غلام کو حکم دیا کہ عمامہ پہنا دو، غلام نے کہا: حضور میں آپ کے سر پر کیسے رکھ سکتا ہوں، گستاخی ہوگی، اورنگ زیب نے کہا: میرا حکم ہے رکھ دو، اُس نے رکھ تو دیا؛ مگر سمجھ گیا کہ میرا راز فاش ہوگیا ہے، اُس کے بعد وہ وہاں سے غائب ہوگیا۔

دیکھیے! جسے غلام اور نوکر سمجھا جاتا رہا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کتنا بڑا مقام تھا؟ لہٰذا آج بھی اللہ والے موجود ہیں، مگر پہچاننے والی آنکھ چاہیے۔

## جذبۂ شکر پیدا کرنے کا طریقہ

ایک مرتبہ شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہ گھر سے نکلے، تو پیر میں پہننے کے لیے جوتے نہیں تھے، دل ہی دل میں کہنے لگے کہ اللہ نے مجھے جوتے بھی نہیں دیئے ہیں، پھر پیدل تھوڑی دور گئے، تو دیکھا کہ ایک فقیر بھیک مانگ رہا ہے، جس کے دونوں پیر رانوں تک کٹے ہوئے ہیں، یہ منظر دیکھ کر شیخ سعدی نادم ہوئے اور اللہ سے کہنے لگے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ مجھے صرف جوتے نہیں دیئے، اس بیچارہ کو تو پیر ہی نہیں دیئے ہیں، اگر تو مجھے بھی اس جیسا بناتا تو میں کیا کرسکتا تھا؟

آدمی ہمیشہ ہر دنیوی چیز میں اپنے سے نیچے کے طبقے والوں کو دیکھے، تو شکر کرے گا، اگر اپنے سے اونچے طبقے والوں کی طرف نظر کرے گا؛ تو ناشکری میں مبتلا ہوگا یعنی اگر کوئی متوسط درجے کا مال دار ہے، تو وہ غریبوں کو دیکھے اور شکر ادا کرے کہ اللہ نے مجھے اس سے اچھا رکھا ہے، اسی طرح کسی کو اللہ نے معمولی سا گھر دیا ہے، تو وہ جھونپڑی میں رہنے والے کی طرف نظر کرکے شکر ادا کرے کہ اللہ نے مجھے

مکان تو دیا ہے، اس کے برخلاف اگر متوسط درجے کا مال دار اپنے سے بڑے مال دار کی طرف نظر کرے گا، تو حرص میں، یا حسد میں مبتلا ہوگا اور ناشکری کرے گا کہ اللہ نے اس کو اتنا مال دیا ہے اور مجھے نہیں دیا۔

## نیکیوں کی توفیق سب سے بڑی نعمت ہے

ایک بزرگ ایک بستی سے دوسری بستی کو جا رہے تھے، جب دوسرے شہر کے قریب ہوئے، تو دیکھا کہ شہر پناہ کے دروازے بند ہیں اور دن کا وقت ہے، ان کو بڑا تعجب ہوا کہ دن میں شہر کا دروازہ کیوں بند ہے؟ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس شہر کے بادشاہ کا ایک پالتو پرندہ ''باز'' اُڑ گیا ہے، جس کی تلاش جاری ہے اور دروازے بند اسی لیے ہیں؛ تاکہ باز شہر کے اندر ہی رہے اور دروازہ سے کہیں باہر نہ چلا جائے۔ ان بزرگ نے سوچا کہ کتنا بڑا بے وقوف بادشاہ ہے؟! کہ باز تو اُوپر، جو کھلی فضا ہے، وہاں سے بھی جا سکتا ہے، اسے اتنی بھی عقل نہیں اور اس نے شہر پناہ کا دروازہ بند کروا دیا ہے۔

پھر وہ بزرگ اللہ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اے اللہ! تو نے حکومت وسلطنت اور مال و دولت اس بے وقوف بادشاہ کو دے دی ہے، جو عقل سے بالکل عاری ہے اور مجھ جیسے عاقل کو کچھ نہیں دیا، تو اللہ کی طرف سے الہام ہوا کہ کیا آپ اس پر راضی ہیں کہ اس کی بے وقوفی وحماقت کے ساتھ آپ کو یہ دولت وحشمت اور حکومت وسلطنت اور جاہ وجلال سب کچھ اس بادشاہ سے چھین کر آپ کو دے دی جائے اور آپ کی عقل مندی اور تقوی شعاری، نیکیاں اور طاعتیں سب اُس کو دے دی جائیں؟ تو ان بزرگ کو فوراً احساس ہوا اور اللہ سے معافی مانگی اور کہنے لگے کہ یا اللہ! مجھے تقوی والی دولت زیادہ پسند ہے، اگر چہ غریبی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو،

اور یہ حکومت وسلطنت اس کی بے قوفی و بے ایمانی سمیت لینے سے تو ایمان و عمل کے ساتھ فقر وفاقہ ہی بہتر ہے۔

لوگ عموماً نعمت، صرف مال و دولت کو سمجھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالی کی طرف سے کسی کو طاعت و عبادت کی توفیق مل جائے، تو یہ بہت بڑی دولت ہے، اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے؟ مگر لوگ اسکو نعمت سمجھتے ہی نہیں۔

## لقمان حکیم رحمہ اللہ کا شکر

لقمان حکیم کسی کے غلام تھے، ایک مرتبہ باغ میں ان کا آقا آیا اور ایک پھل کاٹ کر حضرت لقمان کو دیا، تو وہ مزہ لے کر کھانے لگے، جب ایک ٹکڑا وہ خود کھایا، تو معلوم ہوا کہ بڑا اکڑوا پھل ہے، اس نے تھوک دیا اور کہنے لگا کہ لقمان! تم کو یہ پھل کڑوا نہیں لگ رہا ہے؟ تو حضرت لقمان نے جواب دیا کہ آپ کے ہاتھ سے میں نے کتنی میٹھی میٹھی چیزیں کھائی ہیں، آج ایک مرتبہ آپ کڑوا پھل کھلا دیں، تو کیا میں شکوہ کروں؟

اللہ اکبر! کیسا عجیب جواب دیا، اگر ہم بھی اللہ کے بارے میں ایسا ہی خیال کریں، تو ہماری کیا حالت ہوگی؟ اللہ کو ناشکری پسند نہیں، اگر شکر کرو گے؛ تو نعمت میں اضافہ ہوگا۔ اگر اللہ مال دے دے؛ تو بھی خوش رہو اور نہ دے تو بھی خوش رہو اور صحت دے، تو بھی راضی رہو، بیماری دے؛ تو بھی خوش رہو۔

مگر آج لوگ اللہ کی ہزاروں نعمتوں کو تو بھول جاتے ہیں اور کبھی کوئی مصیبت آتی ہے؛ تو شکوہ شروع کر دیتے ہیں۔

## ایک گلاس پانی اللہ کی کتنی بڑی نعمت؟

خلیفہ منصور نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے نصیحت کرنے کی درخواست کی، تو انھوں نے پوچھا کہ اگر تمھیں سخت پیاس لگے اور پانی میسر نہ آئے،

جان جانے کا اندیشہ ہو، ایسے وقت میں اگر کوئی کہے کہ ایک گلاس پانی میں دیتا ہوں اور تمھاری آدھی سلطنت اس کے عوض میں دینا پڑے گا، تو تم کیا کرو گے؟ بادشاہ نے کہا کہ آدھی سلطنت دے کر ایک گلاس پانی لے لوں گا، تا کہ جان بچے۔

سفیان ثوری نے پھر پوچھا کہ اگر خدانخواستہ اس پانی کے پینے کے بعد تمھارا پیشاب بند ہو جائے اور اطبا کہیں کہ اس کا علاج ہو سکتا ہے، اگر آدھی سلطنت اس کے عوض میں ہمیں دے دو گے، تو علاج کر کے پیشاب جاری کریں گے، تم کیا کرو گے؟ بادشاہ نے کہا کہ آدھی سلطنت دے دوں گا اور علاج کراؤں گا؛ تا کہ جان بچ جائے، تو اب اُن بزرگ صاحب نے عجیب بات فرمائی کہ اس سے معلوم ہوا کہ تمھاری کل سلطنت کی قیمت صرف ایک گلاس پانی اور ایک کٹورا پیشاب کے برابر ہے، شکر کرو اُس اللہ کا، جو تمھیں روزانہ پچاسوں گلاس پانی مفت پلا رہا ہے اور غور کرو اس کی قدرت پر جس سے کتنا پیشاب بغیر کسی معاوضے کے بہ آسانی نکل جاتا ہے، اگر اللہ بھی اپنی نعمتیں عوضاً دینے لگے، تو انسان کا جینا مشکل ہو جائے۔

ہر شخص روزانہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو سوچا کرے اور اس کا شکر بہ جا لائے، اس سے ایک طرف اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور دوسری طرف نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

## آئینہ چینی شکست

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رَحِمَہُ اللّٰہُ جو بڑے اولیاء اللہ میں سے ہیں، ان کو کسی نے ''چینی'' کا بنا ہوا ایک آئینہ دیا، حضرت نے اس کو لے کر کہا ''الحمد للہ''، پھر انہوں نے اپنے خادم کو دیا کہ اس کو رکھو، جب ضرورت ہوگی لے کر اس میں چہرہ دیکھوں گا، اتفاق سے وہ ان کے خادم کے ہاتھ سے ٹوٹ گیا، تو اس نے خدمت میں

حاضر ہوکر ڈرتے ڈرتے کہا: ''از قضا آئینۂ چینی شکست'' (اللہ کی قضا و فیصلے سے چین کا آئینہ ٹوٹ گیا اور اس کو یہ خیال تھا کہ اس پر مجھے ڈانٹ پڑے گی، کہ تم نے اس کو کیوں توڑا؟ مگر حضرت نے اس کے جواب فرمایا کہ ''الحمدللہ کہ آلۂ خود بینی شکست'' (اللہ کا شکر ہے کہ خود بینی کا آلہ ٹوٹ گیا)۔ خادم نے کہا کہ حضرت! جب آئینہ آیا تھا، تب بھی آپ نے ''الحمدللہ'' کہا اور اب یہ ٹوٹا، تو بھی ''الحمدللہ'' کہا، فرمایا کہ ہاں! یہ اللہ ہی کا ہے، جب وہ دے، تو بھی الحمدللہ اور اس کا شکر ہے اور اگر وہ لے لے تو بھی ''الحمدللہ''۔

اولیاء اللہ کی نظر اشیا پر نہیں ہوتی؛ بل کہ خالقِ اشیا پر ہوتی ہے، وہ ہر وقت اسی پر نظر جمائے ہوئے ہوتے ہیں۔

# ذوقِ عبادت ومجاہدہ

کبھی طاعتوں کا سرور ہے، کبھی اعترافِ قصور ہے

ہے ملک کو نہیں جس کی خبر وہ حضور میرا حضور ہے

(احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# جان سے زیادہ نماز پیاری

اللہ ورسول کی محبت جن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، ان کو نیکی وطاعت میں کیسا لطف وکیف محسوس ہوتا ہے اور وہ اس سے کیسے سرشار ہوتے ہیں؟! اس کا اندازہ اس واقعے سے کیجیے کہ ایک دفعہ "غزوۂ ذات الرقاع" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ نکلے، راستے میں ایک جگہ آپ نے پڑاؤ ڈالا اور حضراتِ صحابہ سے پوچھا کہ کون آدمی ہمیں پہرہ دے گا؟ اس کے جواب میں دو حضرات نے اپنا نام پیش کیا، ایک انصاری صحابی تھے، جن کا نام عباد بن بشر رضی اللہ عنہ تھا اور دوسرے مہاجر صحابی تھے، جن کا نام عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھا، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں وادی کے اوپر والے حصے پر رہنا۔

چناں چہ یہ دونوں صحابہ وہاں پہنچے، پھر مہاجر صحابی تو لیٹ گئے اور انصاری صحابی عباد نے اللہ تعالیٰ کے سامنے راز ونیاز شروع کر دیا اور نماز میں مشغول ہو گئے، غالباً ان حضرات نے یہ طے کر لیا ہو گا کہ آدھی رات ایک شخص پہرہ دے اور پھر آدھی رات دوسرا پہرہ داری کرے۔ جب حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے سرگوشی ومناجات میں مشغول ہو گئے، تو ایک مشرک آدمی آیا اور چھپ کر ان پر تیر برسانے لگا، یہ صحابی برابر نماز میں مشغول رہے، اس مشرک نے تین تیر ان پر چلائے، ان صحابی نے تیر تو نکال کر پھینک دیا؛ مگر نماز نہیں توڑی، برابر نماز میں رہے

اور رکوع وسجدہ کر کے جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان صحابی کو بیدار کیا، جو بازو لیٹے ہوئے تھے، انھوں نے اٹھ کر دیکھا، تو یہ لہولہان ہیں، عرض کیا کہ سبحان اللہ! تم نے مجھے پہلے ہی کیوں نہ جگا دیا، فرمایا کہ میں ایک سورت پڑھ رہا تھا، میں نے نہیں چاہا کہ اس کو ادھورا چھوڑ دوں۔

بعض روایت میں ہے کہ ان صحابی نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھے حفاظت ونگرانی کی ذمے داری نہ دی ہوتی، تو میں قتل ہو جاتا؛ مگر اس سورتِ شریفہ کو ادھورا نہ چھوڑتا۔

(أبو داود:۱۹۸، مسند أحمد: ۳۴۳/۳، صحیح ابن حبان:۳۷۵/۳، صحیح ابن خزیمة:۲۴/۱،مستدرک:۲۵۸/۱)

اللہ اکبر! کیا لذت ولطف تھا؟ جو اُن صحابی کو تلاوت کلام اللہ اور نماز میں محسوس ہو رہا تھا، جس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو ہلاک کر لینے پر بھی راضی ہیں؛ مگر تلاوت ونماز کو قطع کرنے پر راضی نہیں۔ یہ حلاوتِ ایمانی ہے جو اللہ ورسول کی محبت کا صلہ وثمرہ ہے۔

## امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ کی عبادت

امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ دن بھر درس وتدریس، مسائل کا استنباط اور استخراج، قرآن میں حدیث میں غور وفکر، تدبر وتفکر، فقہ کی ترتیب وغیرہ میں مصروف رہتے اور جب شام ہوتی، عشا کا وقت ہوتا، لوگ عشا پڑھ کر چلے جاتے، تو امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ نماز کے لیے رکعت باندھ کر کھڑے ہو جاتے اور یہ رکعتوں کا سلسلہ چلتا رہتا تھا، یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو جاتا تھا۔

شروع شروع میں سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن کہیں جا رہے تھے، راستے میں ایک شخص نے ایک اپنے ساتھی سے امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ کو دکھا کر آہستہ

سے کہا کہ یہ جو بزرگ جارہے ہیں، یہ روزانہ پانچ سو رکعت پڑھا کرتے ہیں۔ وہ تو آہستہ سے کہہ رہا تھا؛ لیکن امام صاحب کے کانوں میں اس کی آواز پہنچ گئی۔ امام صاحب نے کہا کہ اللہ اکبر! یہ میرے بارے میں یہ خیال رکھتا ہے کہ میں پانچ سو رکعت روزانہ پڑھتا ہوں، جب کہ میں صرف سو ہی رکعت پڑھتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں قرآن کی اس آیت کا مصداق بن جاؤں: ﴿ وَيُحِبُّوْنَ أَنْ يُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ﴾ (آل عمران: ۱۸۸) (اور وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسی بات پر جو انھوں نے نہیں کی)

اگر میں اس کا مصداق بن جاؤں تو کیا ہوگا؟ جہنم کی سزا ہوگی۔ امام صاحب نے کہا کہ لوگ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ میں پانچ سو رکعت پڑھا کرتا ہوں، تو میں آج سے پانچ سو رکعت پڑھا کروں گا۔ اور اس کے بعد سے آپ کا یہی معمول ہوگیا۔

پھر اس کے بعد ایسا ہی واقعہ ہوا کہ ایک دفعہ جارہے تھے، تو کسی آدمی نے امام ابوحنیفہ کو دکھا کر کہا کہ یہ بزرگ روزانہ ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے ہیں، حال آں کہ اس وقت پانچ سو رکعت پڑھتے تھے۔ امام صاحب نے اس کی یہ بات سن لی اور کہا کہ اگر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ہزار رکعات پڑھتا ہوں؛ حال آں کہ میں صرف پانچ سو پڑھتا ہوں، تو مجھے اللہ کے سامنے جواب دینا ہوگا، اس لیے میں آج سے ہزار رکعت نماز پڑھوں گا اور زندگی بھر یہی معمول رہا، کتابوں کے اندر لکھا ہے کہ چالیس برس تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی، آپ کی پوری پوری رات عبادت کے اندر گزر جاتی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کا عجیب حال تھا۔ دیکھیے کس طرح اللہ کو مقصود بنا کر زندگی گزاری جاتی ہے۔ لہٰذا پڑھو، لکھو، تحقیق کرو، مطالعہ کرو اور

لوگوں کے لیے نیک کام کرو، ہمدردی اور غمخواری کے کام بھی کرو، دعوت وتبلیغ کے کام بھی کرو، لوگوں کو نصیحت کرو، عبرت کی باتیں بتاؤ، اللہ کی طرف ان کو متوجہ کرو، لیکن ان ساری چیزوں کے ساتھ کبھی اس کو نہ بھولو، کہ میں پیدا ہی ہوا ہوں اپنے رب کے لیے۔ وہی مقصود ہے، وہی مطلوب۔

## امام اوزاعی رحمۃ اللہ کے آنسو

حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ بہت بڑے عالم تھے، مجتہد تھے اور ان کا بھی مسلک بہت زمانے تک دنیا میں چلتا رہا تھا، جیسے امام ابوحنیفہ کا، امام شافعی کا، امام مالک کا، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مسلک آج چل رہا ہے۔ اسی طرح امام اوزاعی کا بھی مسلک چلتا تھا، لیکن جب ائمہ اربعہ کا مسلک بہت آگے بڑھ گیا، لوگوں کے اندر اس کو مقبولیت ہوگئی، تو پھر دوسرے ائمہ کے ماننے والے ختم ہوگئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی بہت بڑے مجتہد وامام تھے۔

ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ فجر کے بعد ان کے گھر پر پڑوس کی ایک عورت آئی، امام اوزاعی رحمۃ اللہ گھر میں موجود نہیں تھے، چھوٹا سا گھر تھا، ایک طرف مصلیٰ بچھا ہوا تھا، ایک طرف حضرت کی اہلیہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ عورت آکر ان کے بازو بیٹھ گئی اور کچھ باتیں کرنے لگی، اتنے میں اس کی نظر مصلیٰ پر پڑی، تو وہ عورت حضرت کی اہلیہ سے کہنے لگی: اماں جان! یہ دیکھیے! مصلیٰ بھیگا ہوا ہے، اس پر کسی بچے نے پیشاب کر دیا ہوگا۔

حضرت کی اہلیہ نے کہا کہ ہمارے یہاں تو کوئی بچہ ہے نہیں، ہم بوڑھا، بوڑھی دو ہی آدمی یہاں رہتے ہیں، ہمارے یہاں کوئی بچہ نہیں ہے۔ اس عورت نے کہا: اگر بچہ نہیں ہے، تو پھر پانی پڑ گیا ہوگا، یہ دیکھیے! مصلیٰ بھیگا ہوا ہے، تو حضرت کی اہلیہ نے

مصلے پر اپنا ہاتھ پھیرا، تو اس کے اوپر نمی تھی، یہ دیکھ کر کہا کہ یہ نہ پیشاب کی نمی ہے، نہ ہی پانی کی نمی ہے، بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے حضرت پوری رات اس مصلیٰ پر روتے رہتے ہیں، وہ تری ان کے آنسوؤں کی وجہ سے ہے، جو تم کو نظر آ رہی ہے۔

## حضرت مرۃ ہمدانی رَحِمَہُ اللہُ کا عجیب سجدہ

اسی طرح حضرت مرۃ بن شرحبیل ہمدانی رَحِمَہُ اللہُ بہت بڑے عالم گزرے ہیں، تابعی ہیں، قرآن کی تفسیر میں ان کا ذکر کثرت کے ساتھ آتا ہے، ان کی عبادت وریاضت کے بارے میں بہت سی عجیب باتیں منقول ہیں، حضرت حارث الغنوی کہتے ہیں کہ انھوں نے ایسا سجدہ کیا کہ زمین کی مٹی ان کی پیشانی کو کھا گئی۔

روزانہ چھ سو یا ایک ہزار رکعات پڑھا کرتے تھے، حضرت علاء بن عبد الکریم کہتے ہیں کہ ہم ان کی خدمت میں آتے، تو ان کے چہرے اور ہاتھ پیر پر سجدے کا اثر نظر آتا، وہ کچھ دیر ہمارے ساتھ بیٹھتے پھر کھڑے ہو جاتے اور بس نماز پڑھتے رہتے۔ (سیر أعلام النبلاء:۴/۷۵، حلیۃ الأولیاء:۴/۱۶۵)

## محمد بن کعب قرظی رَحِمَہُ اللہُ کا خوف

ایک بزرگ محمد بن کعب القرظی رَحِمَہُ اللہُ کا ذکر بھی سنتے چلیے ! وہ بھی بہت بڑے عالم تھے، تابعی تھے، بہت سے صحابہ سے علم حاصل کیا تھا، بہت متقی واللہ والے تھے، ان کی عبادت وآہ وبکا کا حال یہ تھا کہ رات بھر عبادت وریاضت کے ساتھ روتے رہتے تھے، بڑے بے چین ومضطرب نظر آتے تھے، ان کی والدہ نے ایک بار ان سے کہا کہ بیٹا! اگر میں نے بچپن سے اب تک تجھے نیک و پرہیزگار نہ دیکھتی، تو تیرا یہ رونا دھونا دیکھ کر کہتی کہ کوئی بڑا گناہ تجھ سے ہو گیا ہے؛ اس لیے کہ تو ایسا روتا ہے۔

اس پر حضرت محمد بن کعب رحمہ اللہ نے کہا کہ اے ماں! ہوسکتا ہے کہ اللہ نے مجھے اس وقت دیکھ لیا ہو، جب کہ میں کسی گناہ میں مبتلا تھا اور وہ مجھ سے یوں کہہ سکتا ہے کہ جامیں تیری مغفرت نہیں کروں گا۔

(صفة الصفوة:۱۳۲/۲،سیر أعلام النبلاء:۶۵/۵)

بھائیو! یہ تھے ہمارے اسلاف! جو ایک طرف علم کا پہاڑ وسمندر تھے اور علم کی نشر واشاعت ودعوت وتبلیغ، درس وتدریس میں لگے ہوئے تھے، تو دوسری جانب ان کی راتیں ایسی ہوتی تھیں، عبادت وریاضت کا یہ حال تھا۔ اسی لیے امام شافعی کا قول کئی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ میں علما کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ایک وقت اپنا محض اللہ کے لیے خاص کر کے رکھیں۔

## تہجد کی دو رکعتیں ہی کام آئیں

ایک مرتبہ کسی بزرگ نے اپنے خواب میں حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کو دیکھا اور انھوں نے ان سے پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرمایا کہ مجھے اللہ کے دربار میں پیش کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جاؤ! ہم نے تمھاری مغفرت کر دی، پوچھنے والے نے دریافت کیا کہ آپ کی بخشش کس بنیاد پر ہوئی؟

جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''طَاحَتْ تِلْکَ الْاِشَارَاتُ، وَغَابَتْ تِلْکَ الْعِبَارَاتُ، وَفَنِيَتْ تِلْکَ الْعُلُوْمُ،وَنَفِدَتْ تِلْکَ الرُّسُوْمُ، وَ مَا نَفَعَنَا اِلَّا رُکَيْعَاتٌ کُنَّا نَرْکَعُهَا بِالْأَسْحَارِ.''

(صفة الصفوة:۴۲۴/۲،سیر أعلام النبلاء:۲۵۰/۱۰)

(ساری کی ساری عبارتیں ختم ہوگئیں، وہ رموز ونکات ضائع ہو گئے، وہ علوم فنا کے گھاٹ اتر گئے، بس ہمارے حق میں سودمند ثابت ہوئیں، تو وہ الٹی پلٹی، ٹیڑھی میڑھی، غلط سلط، دو رکعتیں ثابت ہوئیں، جو ہم راتوں میں اُٹھکر پڑھ لیتے تھے۔)

دیکھو! جنید بغدادی جنھوں نے احادیث کو سمجھا اور اس پر عمل کیا، جنھوں نے قرآن وحدیث کو سمجھا اور اس پر عمل کیا، نکات کو واضح کیا، جو سید الاولیا کا لقب پانے والے بزرگ ہیں، جنھوں نے اللہ کی خاطر ساری دنیا سے بغض وعداوت مول لی، جنھوں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، جنھوں نے اللہ کی محبت کی طلب میں رات دن عبادتوں پر عبادتیں کیں، وہ بزرگ کہتے ہیں کہ نہ وہ فرائض و واجبات کام آئے، نہ وہ رموز واسرار کام آئے، نہ وہ تصوف وسلوک کے حقائق ومعارف کام آئے، کام آئے تو وہ دو رکعت نفل جو رات میں اٹھ کر پڑھتے تھے، وہ کام آئے، اس سے تہجد کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

## نماز برائیوں سے کیسے روکتی ہے؟

میرے شیخ ومرشد حضرت مسیح الامت رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ایک واقعہ سنایا تھا، کہ کسی زمانے میں ایک چور تھا، وہ ایک بادشاہ کے محل میں چوری کرنے کے ارادے سے گیا، رات کا وقت تھا اور محل کے ایک کمرے سے بادشاہ اور اس کی بیوی کی گفتگو کی آواز آرہی تھی، وہ کھڑے ہو کر سننے لگا، اگرچہ ایسا سننا ناجائز ہے، حرام ہے، چوری ہے؛ لیکن چور چوری ہی کرنے آیا تھا، تو اسے سننے میں کیا چیز مانع ہوتی؟ آخر کو وہ چور ہی تو تھا۔ تو اس نے سنا کہ بادشاہ اپنی بیوی سے کہہ رہا ہے اور اس کی بیوی ہاں میں ہاں ملا رہی ہے کہ میں اپنی بیٹی کی شادی ایسے آدمی سے کروں گا، جو نہایت متقی

و پرہیز گار ہو، جو بہت بڑا اللہ والا ہو، میں میری بچی کی کسی اور سے شادی نہیں کروں گا۔

جب چور یہ بات سن رہا تھا کہ تو اس کے دل میں آیا کہ کیوں نہ میں ہی کچھ ایسا بن کر دکھاؤں کہ میرے ہی ساتھ شاہزادی کی شادی بادشاہ کر دے۔ دل میں ایک حرص پیدا ہوگئی، اب وہ چوری کو تو بھول گیا؛ لیکن دھوکے پر اتر آیا اور گھر میں جا کر بہت دیر تک سوچنے لگا کہ کس طرح میں اس بات میں کامیاب ہو سکتا ہوں؟ تو ایک تدبیر اس کی سمجھ میں آئی کہ بادشاہ کے محل کے قریب ایک مسجد ہے، اس مسجد میں جا کر بزرگانہ لباس پہن کر اور ان کی وضع قطع اختیار کر کے وہاں دن رات عبادت میں مشغول ہو کر بیٹھ جاؤں، تو شدہ شدہ بادشاہ تک بات پہونچے گی کہ کوئی آدمی یہاں ایسا متقی پرہیز گار ہے جو دن رات اللہ کی عبادت میں مصروف ہے، تو ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کی نگاہِ انتخاب میرے اوپر پڑ جائے اور میں چن لیا جاؤں اور شاہزادی سے میری شادی ہو جائے۔

بھائیو! یہ اس کا ایک نہایت حقیر اور ذلیل دنیوی مقصد تھا، جس کے لیے اس نے یہ ارادہ کیا اور اس نے اپنے پروگرام کے مطابق بزرگانہ لباس و پوشاک، وضع قطع اختیار کر کے اس مسجد میں جا کر نمازوں پر نمازیں، ذکر و تلاوت، مراقبہ سب شروع کر لیا۔ اب زمانہ چلتا رہا، لوگوں میں شہرت ہوتی گئی کہ کوئی اللہ کے بہت بڑے ولی یہاں آگئے ہیں، جو دن رات عبادت کرتے ہیں۔ اب اس کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تک خبر پہنچ گئی کہ یہاں کوئی اللہ والے آکر بیٹھے ہیں، ہیں تو جوان؛ لیکن زہد و عبادت میں لاجواب و تقوے و طہارت میں بے نظیر، جب بادشاہ کو یہ بات معلوم ہوئی، تو اپنے ارادے کے مطابق غور و فکر شروع کر دیا کہ شاہزادی کے متعلق جو سوچا تھا؛ اس کے لیے اسی کا

انتخاب کرلیا جائے۔

بادشاہ نے اس سلسلے میں گفتگو کے لیے اپنے وزیر کو بھیجا، وزیر اس شخص کے پاس مسجد میں پہنچا اور اس نے باادب اس سے کہا کہ میں آپ کی خدمتِ عالیہ میں بادشاہ جہاں پناہ کی طرف سے آیا ہوں ایک پیغام لے کر۔ اس نے کہا کہ کیا پیغام ہے؟ وزیر نے بتایا کہ بادشاہ نے کئی سال پہلے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ اپنی لڑکی کا نکاح ایک ایسے شخص سے کریں گے، جو بڑا ہی متقی و پرہیز گار ہو، اللہ والا ہو اور وہ اس کی تلاش میں تھے، اب جو نظر گئی، تو نظرِ انتخاب آپ پر آکر رک گئی ہے؛ لہٰذا بادشاہ نے مجھے بھیجا ہے کہ اس سلسلے میں آپ سے گفتگو کروں، اگر آپ اس کے لیے تیار ہوں، تو فرمایئے، اگلی نشست کے اندر اس سلسلے کی کوئی کاروائی آگے بڑھائی جائے گی۔

یہ شخص جو دراصل اسی تمنا و آرزو میں یہاں آکر بیٹھا تھا، وہ بہت دیر تک یہ وزیر کی گفتگو سنتا رہا، اس کے بعد اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، وزیر نے پوچھا کہ کیا بات ہوگئی؟ تو کہنے لگا کہ آج جو پیغام لے کر آپ آئے ہیں، یہ پیغام مجھے منظور نہیں ہے۔ وزیر نے کہا کہ کیوں منظور نہیں؟ اس نے کہا کہ دیکھیے میں صاف صاف بات آپ کو بتاتا ہوں کہ میں اصل میں ایک چور تھا اور میں بادشاہ کے محل میں چوری کے ارادے سے ایک مرتبہ گیا تھا، پھر جو کچھ بھی ہوا اس کو سنایا اور اس کے بعد اس چور نے کہا کہ میں نے تو یہ وضع قطع اسی حرص کی وجہ سے اختیار کی تھی؛ لیکن جب میں یہاں آکر بیٹھا، تو خدا نے مجھے اپنا بنالیا، اب بس اس کے بعد مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ اکبر! جب عبادت عبادت ہوجائے، نماز نماز ہوجائے اور ذکر ذکر ہوجائے اور ہماری دیگر عبادتیں واقعی عبادتیں ہوجائیں، تو بے شک یہ نمازیں اور عبادتیں

انسان کو برائیوں سے روکتی ہیں۔

## ادبِ مسجد اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ ایک مرتبہ مسجد میں بے خیالی کے ساتھ چلے گئے اور مسجد میں اپنا داہنا پیر پہلے داخل کرنے کے بہ جائے بائیں پیر سے داخل ہو گئے، تو فوراً الہام ہوا اور اس الہام میں ان سے کہا گیا کہ اے ثور! یعنی ( اے بیل ) کیا ہمارے دربار میں آنے کا یہی ادب و طریقہ ہے؟ اللہ نے ان کو بیل کہا؛ اس لیے کہ یہ جو بیل و گدھے ہوتے ہیں؛ ان کے لیے کوئی اصول نہیں ہوتا، جو چاہے پہلے رکھو اور جو چاہے بعد میں رکھو۔ لیکن انسان ہو کر بھی یہی بے اصولی کرے، تو یہ بات قابلِ گرفت ہوتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری کو "ثوری" اسی واقعے کی وجہ سے کہتے ہیں، مگر اس میں اشکال ہے؛ کیوں کہ "ثوری" میں "یائے نسبت" لگی ہوئی ہے؛ اس لیے اس کا معنی تو یہ ہوگا کہ "بیل والا" حال آں کہ اللہ نے ان کو خود بیل کہا ہے نہ کہ بیل والا؛ اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ ثوری ان کو ایک قبیلے کی طرف نسبت کی وجہ سے کہتے ہیں۔

الغرض جب یہ الہام ہوا، تو فوراً اللہ کے سامنے سجدے میں پڑ گئے، رونے اور گڑگڑانے لگے اور معافی مانگنے لگے۔ لہٰذا مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اس ادب کا لحاظ و دھیان ہونا چاہیے۔

## دینار دھو رہی ہوں

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک بات یاد آ گئی، میں نے حدیث کی کتابوں میں تو کہیں نہیں دیکھا، لیکن بعض بزرگوں کے ملفوظات میں پڑھا کہ ایک دفعہ حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کچھ درہم و دینار دھو رہی تھیں؛ تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو خلافِ معمول درہم و دینار کو دھوتا ہوا دیکھا، تو پوچھا کہ اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ یہ درہم و دینار کو تم کیوں دھو رہی ہو؟ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے میں نے سنا تھا کہ جب ہم کسی غریب سائل کو اللہ کے لیے کچھ دیتے ہیں تو ہم سائل کو نہیں؛ بل کہ اللہ کو دیتے ہیں، بہ ظاہر تو سائل کو دیتے ہیں؛ لیکن وہ حقیقت میں خدا کو دیتے ہیں، تو میں نے سوچا کہ جو چیز خدا کو دی جا رہی ہے، اس میں میل ہو، تو اچھا نہیں لگتا؛ اس لیے میں اس کو دھو رہی ہوں۔

اس سے ہم کو اندازہ کرنا چاہیے کہ درہم و دینار ظاہراً تو سائل کو دیے جاتے ہیں، باطناً اللہ کو دیے جاتے ہیں، لیکن نماز تو ظاہراً و باطناً دونوں اللہ کو پہنچتی ہے، تو یہ کتنی پاک ہونی چاہیے؟

## اللہ کی آواز سنائی نہیں دیتی؟

ایک دفعہ ”دارالعلوم دیوبند“ میں حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کا درسِ حدیث ہو رہا تھا، آپ مسندِ درس پر بیٹھے ہوئے ہیں، ایک طالب علم نے حدیث پڑھی، جس کے اندر آتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور فلاں فلاں کام کریں گے، کئی کام ان کے اس حدیث میں بتائے گئے ہیں، اس میں یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ جس وقت وہ تشریف لائیں گے تو ”یضع الجزیة “ جزیہ، جس کو ٹیکس Tax کہتے ہیں، اسے وہ ختم کردیں گے۔

(البخاري:١/٢٩٦،مسلم:١/٨٧)

دیکھیے! اس حدیث کے اندر آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیے کو ختم

کردیں گے، جب یہ حدیث پڑھی گئی، تو حضرت شیخ الاسلام نے اسے بیان فرمایا اور تشریح کی، تو ایک طالب علم کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! یہ حدیث میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے، اس لیے کہ حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ جزیے کو منسوخ کردیں گے، تو حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی شریعت کو حضرت عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کیسے منسوخ کردیں گے؟

تو حضرت شیخ الاسلام کہنے لگے کون کہتا ہے؟ طالبِ علم کہنے لگے کہ حضرت! جو حدیث پڑھی گئی اسی میں تو آیا ہے، حضرت پھر کہنے لگے کہ ''ارے کون کہتا ہے: وہ منسوخ کردیں گے؟'' وہ طالب علم پھر کہنے لگے، حضرت! حدیث میں تو ہے، پھر کہنے لگے: ارے کون کہتا ہے؟ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہی تو کہتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم خود منسوخ کرنے والے ہیں، عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کہاں منسوخ کرنے والے ہیں؟ عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کا جب وقت آئے گا، ان کا زمانہ آئے گا، تب ان کے زمانے میں منسوخ ہوگا، لیکن منسوخ کرنے والے محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہی ہیں۔

تو بھائی! اسی طریقے پر جب بندہ نماز میں ﴿سُورَةُ الْفَاتِحَة﴾ پڑھتا ہے، تو حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں، ہر ہر آیت پر اللہ کی طرف سے بندے کو جواب دیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ اللہ کا یہ جواب ہمیں تو سنائی نہیں دیتا، پھر جواب دینے کا فائدہ کیا ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی آواز ڈائریکٹ ہم تک، آپ تک نہیں پہنچے گی، بل کہ یہ بات محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی آواز میں ہم تک اور آپ تک یہ پہنچے گی اور پہنچ رہی ہے؛ اس لیے کہ اللہ کی آواز بہ راہِ راست سننے کے لیے ہمارے اور آپ کے پاس وہ کان ہی کہاں ہیں؟ اگر ہم کو بہ راہِ راست خدا کی آواز آتی، تو سینہ پھٹ جاتا۔

اس لیے اللہ نے ایسا کیا کہ اللہ کے نبی عَلَیْہِ السَّلَامْ کے سینے میں اُتار کر اس آواز کو پھر ہم تک پہنچایا، اس پہنچانے میں جمال پیدا ہوگیا، تو خدا کے جلال کو محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے جمال میں ڈھال کر ہم تک پہنچایا؛ تو ہم کو سہارا مل گیا۔

## کیا اللہ کو ہماری نماز کی حالت کا علم نہیں؟

اللہ ہماری نماز کو، نماز کے ہر رکن و عمل کو دیکھتے ہیں، ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی آخری صف میں نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز ختم ہوئی تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ان صحابی کو بلا کر بڑے تیز و تند لہجے میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''ألا تتّقي اللّٰه ؟ ألا ترىٰ كيف تصلّي؟'' (کیا تجھے اللہ کا ڈر نہیں ہے؟ کیا دیکھتا نہیں کہ تو نماز کیسے پڑھ رہا تھا؟) پھر فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ مجھے تم لوگوں کے حالات کا علم نہیں ہوتا، تمھاری ہر ہر چیز میرے سامنے آشکارا ہوتی ہے۔
(أحمد:۱۰۰۴۹)

اور یہ مضمون ایک نہیں، کئی حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا کہ میرے پیچھے جو نماز پڑھتے ہیں، ان کی ساری کیفیت میرے سامنے آشکارا ہوتی ہے، کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ پیچھے والوں کو بھی سامنے والوں کی طرح دیکھ لیتے تھے۔

اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز کی کیفیات اور حالات کا علم، جب آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو ہو رہا ہے، تو بھائیو! کیا اللہ کو علم نہیں ہوگا؟ جب کہ وہ خدا تو علام الغیوب ہے، دلوں میں چھپے اسرار کو جاننے والا ہے، کیا اسے ہماری نماز کی خبر نہیں ہوگی؟ ضرور ہوگی! اگر یہ ایک بات ہماری سمجھ میں آجائے تو ہماری نمازیں درست ہو جائیں۔

## عبادت وریاضت اللہ کا فضل ہے

مولانا رومی رحمۃ اللہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک آقا اور اس کا ایک غلام بازار کچھ خریدنے گئے، راستے میں نماز کا وقت آگیا، تو غلام نے کہا آقا! میں مسجد میں نماز پڑھنے جانا چاہتا ہوں، آقا نے اجازت دے دی اور خود باہر کھڑا ہوگیا، انتظار کرتا رہا، نماز کے بعد سب نمازی چلے گئے؛ مگر یہ غلام نہیں آیا، آقا نے باہر ہی سے آواز دی کہ اے فلاں سب چلے گئے، تو کیوں نہیں آتا؟ تو غلام نے کہا کہ مجھے آنے نہیں دیتے، یہ کہہ کر پھر رکعت باندھ کر نماز پڑھنا شروع کردیا، پھر کچھ دیر بعد آقا نے آواز دی، غلام نے پھر وہی جواب دیا کہ مجھے آنے نہیں دیتے اور یہ کہہ کر پھر رکعت باندھ لی، پھر آقا نے انتظار کیا اور کچھ دیر بعد آواز دی اور کہا کہ کون آنے نہیں دیتا؟ غلام نے کہا کہ جو آپ کو اندر آنے نہیں دیتا، وہ مجھے باہر نکلنے نہیں دیتا۔ اس جواب پر جی چاہتا ہے کہ قربان ہوجاؤں!! معلوم ہوا کہ مسجد میں جانا اللہ ہی کی، توفیق سے ہے، ہمارا کوئی کمال نہیں۔

جو بھی بندہ کچھ نیکیاں کرتا ہے، وہ محض اللہ کا فضل ہے، بندہ کے عمل کو اس میں دخل نہیں، صحابہ کرام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ﴾ (الحجرات: ۸) (ان کا ایمان وعمل نتیجہ ہے اللہ کے فضل وکرم کا) تو بہ درجۂ اولیٰ ہماری عبادتیں اللہ کے فضل سے ہوں گی۔

## ایک گلاس پانی کی قیمت پانچ سو سال کی عبادت

حدیث میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد رہا کرتا تھا، جو بڑی بڑی عبادتیں کرتا تھا، بہت بڑا زاہد تھا، جو ہمیشہ اللہ کی یاد میں مصروف رہتا تھا، جب اس کا

انتقال ہوا اور اس کو اللہ کے دربار میں پیش کیا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ! ہم اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرتے ہیں، اس پر اس نے کہا کہ یا اللہ! وہ جو میں نے پانچ سو برس عبادت کی تھی، وہ کیا ہوئی؟ اللہ نے دو فرشتوں سے کہا: اس کو دوزخ کے قریب لے جاؤ اور وہاں کی تھوڑی سیر کرا کے لے آؤ اور اس سے کہو پہلے یہاں جا کر آ جاؤ، اس کے بعد یہ سوال کرنا، فرشتے اس کو دوزخ کے قریب لے گئے، ابھی اس کے اور دوزخ کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت باقی تھی کہ گرمی کی تپش سے اسے شدید پیاس لگی اور جب اور تھوڑا آگے بڑھا تو اور زیادہ پیاس بڑھنے لگی، اس نے پانی تلاش کیا؛ مگر اِدھر اُدھر اس کو پانی نظر نہیں آیا، اتنے میں اس نے دیکھا کہ سامنے ایک فرشتہ اپنے ہاتھ میں ایک کٹورا پانی لیے ہوئے کھڑا ہے، اس نے اس فرشتے سے کہا، مجھے بڑی شدت کی پیاس لگی ہے، تھوڑا پانی پلا دو، اس نے کہا: ایک گلاس پانی کی قیمت پانچ سو برس کی عبادت ہے، اس عابد نے کہا: میرے پاس تو پانچ سو برس کی عبادت ہے، مجھے پانی دے دو اور یہ پانچ سو برس کی عبادتیں لے لو، اس فرشتے نے پانی دے دیا، وہ پانی پی کر اور آگے بڑھا، تو پھر پیاس کی وجہ سے اس کو بے قراری ہونے لگی، وہ پریشان ہو رہا تھا، دیکھا کہ ایک فرشتہ اپنے ہاتھ میں ایک کٹورا پانی لیے ہوئے کھڑا ہے، اس نے اس فرشتے سے کہا: مجھے بڑی شدت کی پیاس لگی ہے، پانی دے دو، اس نے کہا کہ ایک گلاس پانی کی قیمت پانچ سو برس کی عبادت ہے، اگر تمھارے پاس ہو تو دے کر لے لو۔

اب کہاں سے دیتا، جو تھی وہ پہلے دے چکا تھا، اس کے بعد فرشتے اس کو لے کر اللہ کے دربار میں آئے، اب اللہ تعالیٰ اس کو پوچھتے ہیں کہ اپنی پانچ سو برس کی عبادت کے بدلے جنت میں جاؤ گے، یا ہماری رحمت سے؟ وہ دیکھتا ہے، تو خالی

ہے، کیوں کہ اس نے تو سب کچھ پانی کے بدلے اس فرشتے کو دے دیا تھا، اب وہ پریشان ہو جاتا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! تو نے دنیا میں کتنے ہزار لوٹے پانی پیے ہوں گے؟ ان کا بدلہ کون دے گا؟ کیا اب بھی تم اپنے اعمال کے بدلے جنت میں جانا چاہتے ہو، وہ فوراً سجدہ میں گر جاتا ہے اور روتا ہوا کہتا ہے کہ اے اللہ! میں نادان تھا، اپنی نادانی کی وجہ سے غلطی کر بیٹھا، مجھے معاف فرما دیجیے، اللہ اس کو معاف کر دیتے ہیں اور جنت میں داخل کر دیتے ہیں۔

اب بتاؤ بھائی! کہ جنت میں اللہ کے فضل کے بغیر کون جا سکتا ہے۔

## دین میں ایسی استقامت آ جائے

ہمارے حضرت مسیح الامت رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ایک قصہ سنایا تھا، کہ حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللّٰہُ کہیں جا رہے تھے؛ راستے میں دیکھا کہ ایک چور کو سولی پر چڑھایا جا رہا ہے، حضرت جنید نے لوگوں سے پوچھا کہ کس جرم کی پاداش میں اس کو سولی پر لٹکایا جا رہا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ منع کرنے کے باوجود چوری کرنے سے باز نہیں آتا، برابر چوری کرتا رہتا تھا، اس نے ایک دفعہ چوری کی، تو اس کا ایک ہاتھ کاٹا گیا، دوسری دفعہ چوری کیا، تو دوسرا ہاتھ کاٹا گیا؛ مگر یہ پھر بھی باز نہیں آیا؛ اس لیے یہ سزا دی جا رہی ہے، یہ سن کر حضرت جنید رَحِمَہُ اللّٰہُ نے فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ اس کے پیروں کو بوسہ دوں، پوچھا گیا کہ حضرت! آپ اس چور کے پیروں کو بوسہ دیں گے؟ کیوں؟ تو فرمایا: میں اس چور کو نہیں؛ بل کہ اس کے اندر کی استقامت کے پیروں کو بوسہ دینا چاہتا ہوں، اگر ایسی استقامت ہم دینی کاموں میں پیدا کر لیں، تو معلوم نہیں کتنی ترقی کریں گے۔

دین پر استقامت بڑی چیز ہے اور یہی آج کل مفقود ہے، نوجوان لوگ دین پر آنا چاہتے ہیں اور آتے بھی ہیں؛ مگر یہی استقامت نہ ہونے کی وجہ سے پلٹیاں کھاتے رہتے ہیں، نماز شروع کرتے ہیں، پھر چھوڑ دیتے ہیں، علمِ دین حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، پھر استقامت میں کمی سے وہ بجھ جاتا ہے۔

## کوشش کر کے تو دیکھو

''دارالعلوم دیوبند'' میں حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ، جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے استاذ ہیں اور دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے ''ناظمِ تعلیمات'' تھے، ''صدرالمدرس'' بھی تھے۔ وہ درس دے رہے تھے، دورانِ درس جب یہ حدیث آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوْئِي هٰذا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ لاَ يُحَدِّثُ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. ''

(جو آدمی میرے وضو کی طرح وضو کرے، پھر ایسی دو رکعتیں پڑھے جس کے اندر کوئی وسوسہ، کوئی خیال نہ آئے، تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔) (البخاري:۱۹۳۴، المشكاة:۲۸۷)

حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے اس کی تشریح فرماتے ہوئے کہا کہ ایسی نماز پڑھنے کی کوشش کرنا چاہیے؛ تو ایک طالبِ علم نے اٹھ کر پوچھا کہ حضرت! ایسا ہو بھی سکتا ہے کہ ہم بغیر وسوسے کے نماز پڑھیں؟ تو اس پر حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پوچھتے ہی رہو گے یا کبھی کرو گے بھی۔

اس کے بعد کہا کہ کر کے دیکھو کیوں نہیں ہوتا؟ اگر نہ ہونے والی بات ہوتی، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کہتے؟ کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ

کی جانے والی بات بتانے کے لیے آئے تھے؟ معلوم ہوا کہ انسان میں اس کی طاقت ہے؛ اسی لیے اللہ کے نبی نے فرمایا۔

لہٰذا کوشش کرنا ہمارے ذمے ہے، محنت کرنا ہمارے ذمے ہے، جب مجاہدہ کریں گے؛ تو اللہ تعالیٰ راہیں کھولیں گے۔ آج ہمارا حال یہ ہوگیا کہ ہم دنیا کے لیے تو بہت مجاہدہ کرتے ہیں؛ لیکن اللہ کو مقصودِ زندگی بنانے کے لیے مجاہدہ نہیں کرتے۔

## عبادت میں نیت کی اہمیت

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کے پڑوس میں ایک آدمی تھا، جو کھاتا تھا اور گھر کو چلا آیا کرتا تھا، پھر اس کا انتقال ہوگیا۔ پھر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کا بھی انتقال ہوگیا، پھر ان کو کسی نے خواب میں دیکھا اور کہا کہ کیا حال ہے؟ حضرت نے کہا: اللہ نے بخش دی؛ لیکن میری پڑوسی کے پیچھے ہی رہا۔ لوگوں نے کہا اس طرح کیوں؟ ہم نے تو آپ کو پوری دنیا میں افضل سمجھتے تھے!!۔ حضرت نے کہا کہ وہ آدمی ذکر اور قرآن وغیرہ پڑھتا تھا اور نیت کرتا تھا کہ اگر مجھے فرصت مل جائے، تو میں بھی جنید بغدادی رحمۃ اللہ جیسا بن جاؤں اور اسی طرح کی عبادت کروں گا، صرف اس نیت سے اللہ تعالیٰ نے اس کے درجے کو بلند کردیا۔

# فکرِ آخرت اور دنیا کی حقارت

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے
حیات دو روزہ کا کیا عیش و غم
مسافر رہے جیسے تیسے رہے

(علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کا فکرِ آخرت

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ پر فکرِ آخرت کا بڑا غلبہ رہتا تھا، ایک مرتبہ آپ کی ایک باندی آئی اور اس نے سلام کیا، پھر ایک جانب کھڑے ہو کر اس نے نماز پڑھی اور بیٹھ گئی، تو اس پر نیند کا غلبہ ہوا اور آنکھ لگ گئی اور نیند ہی میں وہ رونے لگی۔

پھر وہ بیدار ہوئی اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین! میں نے خواب میں ایک عجیب منظر دیکھا ہے۔ پوچھا کہ کیا دیکھا؟ تو کہنی لگی کہ میں نے دیکھا کہ دوزخ ہے اور وہ اہلِ دوزخ پر زور زور سے آوازیں نکال رہی ہے۔ پھر پل صراط لایا گیا اور دوزخ پر اس کو بچھا دیا گیا۔

حضرت امیر المؤمنین نے کہا کہ پھر کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ پھر امیر المومنین عبد الملک بن مروان کو لایا گیا اور پل صراط پر ڈالا گیا اور وہ کچھ ہی دور اس پر چلے تھے کہ پل صراط جھک گیا اور وہ جہنم میں گر گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے کہا کہ پھر کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ پھر امیر المؤمنین ولید بن عبدالملک کو لایا گیا اور پل صراط پر ڈالا گیا اور وہ بھی کچھ ہی دور اس پر چلے تھے کہ پل صراط جھکا اور وہ جہنم میں گر گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے کہا کہ پھر کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ پھر امیر المؤمنین سلیمان بن عبدالملک کو لایا گیا اور پل صراط پر ڈالا گیا اور وہ بھی کچھ ہی دور

اس پر چلے تھے کہ پل صراط جھکا اور وہ جہنم میں گر گئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رَحِمَہُ اللہُ نے کہا کہ پھر کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ پھر اے امیر المؤمنین! آپ کو لایا گیا۔

اتنا سنتے ہی انھوں نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ وہ باندی ان کے کان میں کہتی جا رہی تھی کہ اے امیر المؤمنین! خدا کی قسم، میں نے دیکھا کہ آپ نجات پا گئے، خدا کی قسم، آپ نجات پا گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ باندی تو یہ کہتی جا رہی تھی اور عمر بن عبد العزیز رَحِمَہُ اللہُ کی چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ اپنے پیروں کو زمین پر رگڑتے جا رہے تھے۔ (إحیاء العلوم:۴/۱۸۷)

## امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ اور خوفِ آخرت

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ کا خوفِ آخرت بھی بے مثال تھا، آپ کے شاگرد رشید امام یزید بن الکمیت کہتے ہیں کہ ایک دفعہ علی بن الحسین المؤذن نے عشا کی نماز میں ﴿سُورَۃ الزِّلزَال﴾ پڑھی، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ بھی پیچھے تھے، جب لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے، تو میں نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ آپ کسی بات میں متفکر ہیں اور سانس پھول رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ مجھے یہاں سے چلنا چاہیے؛ تاکہ آپ کو میری وجہ سے پریشانی نہ ہو، کہتے ہیں کہ میں وہاں سے قندیل کو یوں ہی چھوڑ کر چلا آیا اور قندیل میں تھوڑا سا تیل تھا۔ جب میں صبح صادق کے بعد مسجد کو آیا، تو دیکھا کہ امام ابوحنیفہ کھڑے ہوئے اپنی ڈاڑھی کو پکڑ کر کہہ رہے ہیں:

> ''اے وہ ذات! جو ہر خیر کا بدلہ خیر سے اور ہر شر کا بدلہ شر سے دیتی ہے، نعمان (یہ امام ابوحنیفہ کا نام ہے) کو دوزخ کی آگ سے بچا لے اور اپنی رحمت میں داخل کر لے۔''

یزید بن الکمیت کہتے ہیں کہ میں نے اذان دی اور اندر داخل ہوا، تو امام صاحب نے پوچھا کہ کیا قندیل بجھانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ صبح کی اذان ہوچکی ہے۔ فرمایا کہ میری جو کیفیت تم نے دیکھی ہے، اس کو لوگوں سے چھپائے رکھنا۔ کہتے ہیں کہ پھر آپ نے سنتِ فجر دو رکعتیں پڑھیں اور اسی عشا کے وضو سے ہمارے ساتھ فجر کی نماز ادا فرمائی۔

(وفیات الأعیان:۵/۴۱۲، الطبقات السنیة فی تراجم الحنفیة:۱/۳۲)

## حضرت ربیع بن خیثم رَحِمَہُ اللّٰہُ کا حال

حضرت ربیع بن خیثم رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی اور جب بھی وہ اپنے دل میں قساوت پاتے، تو اس قبر میں داخل ہوتے اور لیٹ جاتے اور جب تک اللہ چاہتے اس میں رہتے، پھر وہ بات جو قیامت میں کفار اللہ سے کہیں گے وہ کہتے: ﴿ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّی أَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ ﴾

(اے میرے رب! مجھ کو پھر بھیج دیجیے، شاید میں کچھ بھلا کام کرلوں، اس میں جو میں نے چھوڑا ہے۔) (المؤمنون:۹۹-۱۰۰)

اور یہ بار بار کہتے جاتے، پھر اپنے نفس کو جواب دیتے کہ اے ربیع! میں نے تجھے واپس کیا ہے؛ لہٰذا اب نیک عمل کرنا۔ (إحیاء العلوم:۴/۴۸۶)

## سلیمان بن عبدالملک رَحِمَہُ اللّٰہُ کا گریہ

ابوزکریا التیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین سلیمان بن عبد الملک ''مسجدِ حرام'' میں تھے، ان کے پاس ایک پتھر لایا گیا، جس پر تراش کر کچھ لکھا گیا تھا، پس انھوں نے اسے پڑھنے والے کو طلب کیا، تو حضرت وہب بن منبہ کو لایا

گیا، انھوں نے اس کو پڑھا، جس میں لکھا تھا:

''ابنَ آدمَ! إنکَ لَوْ رَأیتَ قُرْبَ ما بَقِيَ مِن أجلِکَ لَزَهَدْتَ فِيْ طُولِ أمَلِکَ ، وَ لَرَغِبْتَ فِي الزيادَةِ مِن عَمَلِکَ ، وَ لَقَصَرْتَ مِن حِرصِکَ وَ حِيَلِکَ ، و إنَّما يَلقَاکَ غَداً نَدَمُکَ لَو قَدْ زَلَّتْ بِکَ قَدَمُکَ ، وأسْلَمَکَ أهْلُکَ وحَشَمُکَ ، وفَارَقَکَ الوَالِدُ والقَرِيبُ ، و رَفَضَکَ الولَدُ و النَّسِيبُ فَلاَ أنْتَ إلىٰ دُنيَاکَ عَائِدٌ ، و لَا فِي حَسَناتِکَ زَائِدٌ ، فَاعْمَلْ لِيَومِ القِيَامَةِ قَبلَ الحَسْرَةِ و النَّدَامَةِ .'' (إحياء العلوم:۴/۴۵۵)

(اے ابن آدم! اگر تجھے تیری بقیہ عمر کا قریب ہونا معلوم ہو جائے، تو تو لمبی آرزوؤں میں کمی کر دے اور اپنے عمل میں زیادتی کی جانب راغب ہو جائے اور اپنی حرص و ہوس کو مختصر کر دے اور تجھے بڑی شرمندگی لاحق ہوگی؛ اگر تیرے قدم پھسل جائیں اور تیرے اہل وعیال اور دوست احباب تجھے قبر کے حوالے کر کے واپس ہو جائیں اور تجھ سے تیرا باپ اور رشتہ دار جدا ہو جائیں اور بیٹا اور احباب تجھے چھوڑ کر چلے جائیں۔ پس پھر تو نہ تو تیری دنیا میں واپس آسکے گا اور نہ اپنے اعمال میں کوئی زیادتی کر سکے گا۔ لہٰذا قیامت کے دن کے لیے حسرت وشرمندگی سے پہلے ہی تیاری کر لے۔)

یہ سن کر امیر المؤمنین سلیمان بن عبد الملک پر شدت کا گریہ طاری ہو گیا اور وہ روتے رہے۔

## ہارون الرشید رَحِمَہُ اللّٰہُ کا خوفِ آخرت سے گریہ

ایک مرتبہ حضرت ابن السماک رَحِمَہُ اللّٰہُ ، جو بڑے بزرگ اور خلفا کے یہاں ایک خاص مقام کے حامل گزرے ہیں، انھوں نے امیر المومنین ہارون الرشید رَحِمَہُ اللّٰہُ کو نصیحت کی اور فرمایا:

”آپ کو اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور کسی ایک ٹھکانے کی طرف جانا ہے۔ لہٰذا دیکھ لینا کہ آپ کا ٹھکانا کیا ہے، جنت ہے یا دوزخ؟“

یہ سن کر بادشاہ کو بہت رونا آیا اور وہ بے تحاشا رونے لگے۔ یہ دیکھ کر ان کے بعض خواص حضرات نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! ذرا اپنے اوپر رحم کیجیے۔ تو حضرت ابن السماک رَحِمَہُ اللّٰہُ نے کہا کہ امیر المومنین کو چھوڑو کہ وہ روتے روتے مر جائیں؛ تا کہ کہا جائے کہ امیر المؤمنین اللہ کے خوف سے مر گئے۔

(النجوم الزاھرة:۱/۱۷۸)

## عبداللہ بن مرزوق رَحِمَہُ اللّٰہُ کی فکرِ آخرت

عبد اللہ بن مرزوق رَحِمَہُ اللّٰہُ پہلے بڑے آزاد منش اور لہو ولعب میں اور شراب وکباب میں مشغول رہتے تھے، ایک بار وہ امیر المومنین مہدی کے ساتھ تھے اور گانے بجانے کے ساتھ خوب شراب پی لی اور نشے میں مست پڑے رہے، یہاں تک کہ ظہر وعصر ومغرب کی نمازیں فوت ہوگئیں اور ان کی باندی ان کو ہر نماز پر بیدار کرتی تھی؛ مگر وہ اٹھتے نہیں تھے۔

جب عشا کا وقت ہوا، تو باندی نے آگ کی ایک چنگاری لی اور ان کے پیر پر لگا دیا، اس کے اثر سے وہ اٹھے اور پوچھا کہ کیا ہوا؟ باندی نے کہا کہ یہ دنیا کی آگ ہے، آپ آخرت کی آگ کو کیسے برداشت کریں گے؟

یہ سن وہ خوب روتے رہے اور اٹھ کر نماز پڑھی، باندی کی بات ان کے دل میں اثر کر گئی تھی، پس وہ سمجھ گئے کہ نجات تو صرف اسی میں ہے کہ میں یہ سارے کام چھوڑ دوں، جس میں مبتلا ہوں۔

لہٰذا انھوں نے اپنی ساری باندیوں کو آزاد کر دیا اور جن جن سے معاملات تھے، ان سے معاملات صاف کیے اور جو مال باقی بچا، اس کو صدقہ دے دیا اور ترکاری و سبزی بیچ کر گزارہ کرنے لگے۔

## آخرت پر کیسا یقین تھا؟

مومن کو اللہ سے ملاقات کا ایسا پکا یقین ہوتا ہے، کہ وہ آخرت کے مناظر کا دنیا ہی میں مشاہدہ کرتا ہے، جیسے ایک صحابی حضرت عمیر بن الحمام رحمہ اللہ کا واقعہ ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر میں مشرکین کو قریب ہوتا دیکھا، تو فرمایا کہ اس جنت کی طرف لپکو، جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے، حضرت عمیر نے کہا کہ ''بخ بخ'' یعنی واہ واہ، آپ نے پوچھا کہ تم نے واہ واہ کیوں کہا؟ تو عرض کرنے لگے کہ میں بھی ان لوگوں میں داخل ہونے کی امید و آرزو رکھتا ہوں، جو اس میں جانے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم بھی ان لوگوں میں ہو، پھر وہ اپنی تھیلی سے کھجوریں نکال کر کھانے لگے، پھر کہا:

''لَئِنْ أَنَا حَيِيتُ حَتّٰى آكُلَ تَمَرَاتِي هٰذِهِ ، إِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيلَةٌ.''

(اگر میں ان میرے کھجوروں کو کھانے تک زندہ رہوں، تو یہ بڑی لمبی زندگی ہے) یہ کہہ کر گئے اور لڑ کر شہید ہو گئے۔

(مسلم: ۱۹۰۱، السنن للبيهقي: ۴۳/۹، مسند أحمد: ۱۳۶/۳، طبقات ابن سعد: ۴۲۵/۳، الإصابة: ۵۹۴/۴)

مطلب یہ کہ آخرت کا ایسا یقین تھا کہ کھجوروں کے کھانے تک کا وقت بھی ان کو اس دنیا میں زیادہ اور طویل لگ رہا تھا اور اس کے مقابلے میں ان کو جنت بالکل سامنے نظر آ رہی تھی، گویا کہ وہ آنکھوں سے اسے دیکھ رہے ہوں۔

## موت کس قدر قریب ہے؟

حضرت سلیمان التیمی رحمہ اللہ ایک بڑے درجے کے محدث اور بزرگ گزرے ہیں، ان کے صاحب زادے حضرت معتمر بن سلیمان کہتے ہیں کہ ہمارے والد کا ایک مکان تھا، جس میں وہ رہا کرتے تھے، وہ بوسیدہ ہونے کی وجہ سے گر گیا، تو انھوں نے ایک خیمہ گاڑ لیا اور مرتے دم تک اسی میں رہے، لوگوں نے ان سے کہا کہ حضرت! آپ اس مکان کو کیوں نہیں بنا لیتے! تو فرمایا کہ معاملہ تو اس سے بھی زیادہ قریب ہے کہ موت آجائے۔ (حلية الأولياء:٣٠/٣)

بھائیو! ادھر آنکھ بند ہوتے ہی نظر آجائے گا کہ جنت ہے، جہنم ہے، عذابات کا سلسلہ ہے، فرشتے ہیں وغیرہ، تو آنکھ بند ہونے میں کتنی دیر ہے بھائی! ایک سیکنڈ لگے گا، تو سمجھ لو کہ آخرت بھی اتنی ہی قریب ہے۔

## قبر میں صرف اعمال جائیں گے

حدیث میں آتا ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک آدمی کے تین بھائی تھے، ایک بڑا بھائی، ایک درمیانی اور ایک اس سے چھوٹا۔ جب اس شخص کا انتقال ہونے لگا، تو اس نے اپنے بڑے بھائی کو بلایا اور کہا کہ آپ میرے بڑے بھائی ہیں اور میری موت کا وقت آ گیا ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ ساتھ رہیں، میری قبر میں بھی آپ تشریف لائیں اور مجھ سے کبھی جدا نہ ہوں۔

وہ بڑا بھائی کہہ دے گا کہ میں تو یہ کام نہیں کر سکتا، البتہ اتنا کر سکتا ہوں کہ جب تک تیری جان میں جان ہے، تیرے پاس بیٹھا رہوں گا لیکن جوں ہی تیری جان نکل جائے گی، پھر میرا اور تیرا کوئی رشتہ نہیں۔

وہ مرنے والا مایوس ہوکر اپنے دوسرے بھائی کو بلائے گا اور کہے گا کہ بھائی دیکھو! آپ بھی میرے بھائی ہیں، آپ کا ہمارا دوستانہ رہا، ہم میں پیار محبت رہی اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرتے رہے، اب میری موت کا وقت آ گیا ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ میری قبر میں بھی آ جائیں؛ تا کہ وہاں بھی ساتھ ساتھ رہیں جیسے یہاں ساتھ ساتھ رہے۔

وہ کہے گا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ میں تیرے ساتھ آ جاؤں، ہاں اتنا کر سکتا ہوں کہ جب تک تیری جان میں جان ہے، تیرے پاس رہوں گا، جان نکل جائے تو تجھے نہلاؤں گا، دھلاؤں گا اور پھر اس کے بعد تجھ کو اٹھا کر لے جاؤں گا، قبر میں تجھ کو پہنچا کر اس کے بعد واپس آ جاؤں گا۔

وہ مایوس ہوکر تیسرے چھوٹے بھائی کو بلا کر کہے گا کہ میں نے تجھے مارا ہے، پیٹا ہے، تجھ پر چھوٹا ہونے کی وجہ سے ظلم بھی کیا ہے؛ لیکن اب میرا بڑا خراب وقت آ گیا ہے، میں مرنے جا رہا ہوں، میرا کوئی سہارا نہیں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تو میرے ساتھ ساتھ رہے اور تو میری قبر میں بھی میرے ساتھ آ جائے۔

تو یہ تیسرا بھائی کہے گا کہ ہاں! جب تک کہ روح تیری موجود ہے، دم میں دم موجود ہے، تب تک بھی میں تیرے ساتھ ہوں اور جب تو مر جائے گا؛ تو نہلانے دھلانے میں، سب میں شریک رہوں گا اور جب قبر میں تجھے دفن کیا جائے گا؛ تو وہاں بھی تیرے ساتھ ساتھ آ جاؤں گا۔

حضرت نبیٔ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ سنا کر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا: کیا تم کو سمجھ میں آیا کہ یہ تین بھائی کون تھے؟ صحابہ نے کہا: "اللّٰہ و رسولہ أعلم" (اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں)۔ آپ نے فرمایا کہ آدمی کا پہلا بھائی: اس سے مال و دولت مراد ہے، جب آدمی اس سے کہے گا کہ میرے ساتھ قبر میں چل، تو مال دولت یہ کہے گی کہ نہیں، نہیں، میں تو تیرے ساتھ نہیں آسکتی، ہاں جب تک تیری جان میں جان ہے، میں تیری ہوں اور جب جان نکل گئی، تو تیرا ہمارا کوئی رشتہ نہیں، روح نکلتے ہی مال تو کسی اور کا ہو جاتا ہے، دوسرے لوگ ہڑپ کرنے کو تیار بیٹھے رہتے ہیں؛ بل کہ ایسے واقعات بھی آج کل پیش آرہے ہیں کہ ادھر روح قبض ہوئی اور ادھر مال کے بارے میں جھگڑا شروع ہو گیا کہ مجھے ملے، تجھے ملے، تو یہ بڑا بھائی مال ہے۔

اور فرمایا کہ دوسرے بھائی سے مراد: دراصل رشتہ دار ہیں، دوست احباب ہیں، یہ آدمی کے ساتھ اس وقت تک رہتے ہیں، جب تک کہ قبر میں اس کو دفن کیا جاتا ہے؛ لیکن قبر میں دفن ہوتے ہی سب کے سب واپس آجاتے ہیں۔

اور تیسرا چھوٹا بھائی کون ہے؟ فرمایا کہ تیسرے بھائی سے مراد: اس کے اچھے یا برے اعمال ہیں۔ (کتاب الأمثال للمحدث الرامھرمزي)

ایک حدیث میں اسی مضمون کو اس طرح مختصر کر کے بیان فرمایا: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، دو واپس لوٹ جاتی ہیں اور ایک اسی کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے، اس کے اہل وعیال، اس کا مال اور اس کا عمل تین جاتے ہیں، اہل وعیال اور مال واپس چلے آتے ہیں اور عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ (الترمذي:۲۳۷۹)

الغرض قبر میں صرف اعمال ہی ہمارے ساتھ جائیں گے اور کوئی چیز ساتھ نہیں

جائے گی؛ اس لیے قبر کے حالات ہمیشہ ہمارے سامنے ہونے چاہئیں۔

## قبر کی آگ کا علاج

بعض علما سے یہ واقعہ جو بڑا عجیب وحیرت انگیز ہے، سنا گیا کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ کے دور میں ایک شخص مسافر کہیں جارہا تھا، راستے میں کسی شخص کو نزع کے عالم میں دیکھا اور مرنے کے بعد اس کی تجہیز وتکفین میں شریک رہا اور خود قبر میں اُتر کر اس کو قبر میں رکھا، اس کے بعد اس کو اندازہ ہوا کہ اس کے جیب سے روپیوں کی تھیلی غائب ومفقود ہے۔ خیال ہوا کہ شاید تدفین کے وقت قبر میں گر گئی ہوگی؛ اس لیے قبر کو کھودنے کا ارادہ کیا اور کھودنا شروع کیا، تو دیکھتا کیا ہے کہ قبر آگ کے شعلے بھڑکا رہی ہے اور اس آگ کا اس کے ہاتھ پر بھی اثر ہوا؛ جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں بے انتہا سوزش وجلن پیدا ہوگئی، جو ناقابلِ برداشت وتحمل تھی، اس نے اس کا علاج بھی کرایا؛ مگر تمام اطبا وحکما اور ڈاکٹر عاجز آگئے، کسی کا علاج کارگر نہ ہوا، ایک زمانہ اسی بے قراری وبے چینی واضطراب وپریشانی میں گذر گیا، کسی نے اس کو مشورہ دیا کہ تم دہلی جاؤ! وہاں اس زمانے کے سب سے بڑے عالم وبزرگ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ ہیں، ان سے دعا کراؤ، وہ شخص اس مشورہ پر دہلی حضرت کی خدمت میں گیا اور سارا واقعہ سنایا، اس پر حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ قبر میں جس آگ سے تیرا ہاتھ جلا ہے، وہ دنیا کی آگ نہیں؛ بل کہ آخرت کی اور جہنم کی آگ ہے، جہنم کی آگ کا علاج دنیا کی دوائیاں اور دنیا کے حکیم وڈاکٹر نہیں کر سکتے، اس آگ کا علاج صرف ایک ہے، وہ یہ کہ اللہ سے اپنے گناہوں پر استغفار کر اور اس کے سامنے خوب گڑگڑا کر روؤ اور آنکھوں سے جو آنسو نکلیں وہ اپنے اس جلے

ہوئے ہاتھ پر لگا؛ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ جہنم کی آگ خدا کے خوف سے رونے سے بجھ سکتی ہے۔

چناں چہ اس آدمی نے ایسا ہی کیا، تو دیکھا کہ وہ سوزش اور جلن ختم ہوگئی، معلوم ہوا کہ یہ آنسو کے قطرے بڑے قیمتی ہوتے ہیں۔

## ایک جھوٹے پیر کی قبر کی حالت

ایک صاحب مجاور تھے اور ان کے بہت سارے مرید تھے اور جو اس قسم کے ڈھکوسلے لوگ ہوتے ہیں، وہ لوگوں کو حقائق سے آگاہ نہیں کرتے؛ بل کہ گمراہ کرتے رہتے ہیں، تو ان صاحب نے اپنے مریدین کو یوں گمراہ کر رکھا تھا کہ میں کبھی نہیں مروں گا، ہاں تھوڑی دیر کے لیے مجھے موت آئے گی، ظاہری موت؛ لیکن جب مجھے قبر میں آپ لوگ دفنا دیں گے؛ تو پھر میری وہاں زندگی شروع ہو جائے گی اور اس پیر نے کہا کہ جب میں مر جاؤں گا، تو چالیس دن کے بعد پھر واپس آؤں گا، تو ان کے مریدین نے کہا کہ حضرت! آپ کے لیے جو قبر شریف بنے گی وہ قبر شریف کیسی بنی چاہیے۔ تو انھوں نے کہا کہ اس میں ایسے ٹائلس لگاؤ اور یوں اس میں پینٹ لگاؤ، یوں زیب و زینت کرواور اسی کے ساتھ اس میں ''اے، سی'' بھی فٹ کرو۔ مریدین نے کہا کہ ہاں! ہم اسی طرح تیار کریں گے، چناں چہ وہ صاحب ابھی موجود ہی تھی، زندہ ہی تھے، اسی وقت ان کے لیے قبر تیار کی گئی، سارے انتظامات کر دیے گئے اور عالی شان قبر تیار ہوگئی، ٹائلس اور پھول و بوٹے سب لگائے و بنائے گئے، باہر سے تار کھینچ کر اس میں ''اے سی'' فٹ کی گئی۔

دیکھیے! اس کے مریدین کس قدر پکے تھے، اگر چہ شیخ کچا تھا، عام طور پر ایسا دیکھنے میں آیا کہ سچے پیروں کے مرید بڑے کچے ہوتے ہیں اور کچے پیروں کے

مرید بڑے پکے ہوتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کیا راز ہے؛ لیکن عام طور پر آج کل دیکھا ایسے ہی گیا ہے۔

اس کے بعد بہ ہر حال وہ وقت جو سب کو آنا ہے، اس کو بھی وہ وقت آ گیا یعنی موت کا وقت، جب وہ مر گیا، تو اس کے مریدین نے اس کو نہلایا، دُھلایا اور لے جا کر دفن کر دیا، دفن کرنے کے بعد "اے سی" بھی چالو کر دیا؛ تا کہ اندر حضرت کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگے۔ اس کے بعد انتظار شروع کر دیا کہ حضرت تشریف لائیں گے، لیکن وہ تشریف کب لاتے؟

بہت دن ہو گئے، تو اس کے بعد ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ بھائی! پیر صاحب نے چالیس دن میں واپس آنے کا وعدہ کیا تھا؛ مگر چالیس دن ہو چکے ہیں، ابھی تک نہیں آئے، کیا بات ہے، ذرا خبر تو لے لیں۔ مشورہ کیا گیا اور قبر کو کھولنے کی بات تجویز کی گئی۔ پیر صاحب کی وہ قبر ایسی بنائی گئی تھی کہ قبر کے اوپر ایک دروازہ بنایا گیا تھا؛ تا کہ آسانی سے کھولا جا سکے، گویا کہ گھر ہی بنا دیا تھا۔ اب جب اس کو کھولا، تو عجیب و غریب تماشا نظر آیا، عذاب کی کیفیت نظر آئی اور جو "اے، سی" انھوں نے فٹ کی تھی، جو کچھ ٹیلس وغیرہ لگائے تھے، اس کا تو اس میں نام و نشان نہیں تھا، وہاں تو کچھ اور ہی کیفیت اور حالت تھی، بس جناب عبرت ہوتی ہے۔

## رابعہ بصریہؒ کا قبر میں فرشتوں سے مناظرہ

حضرت رابعہ بصریہؒ کا جب انتقال ہو گیا، کسی کے خواب میں وہ آئیں، خواب دیکھنے والے نے پوچھا کہ آپ کا انتقال ہو گیا تھا، اللہ کے پاس کیسے گزری، تو کہا کہ جب مجھے دفن کیا گیا، تو فرشتے آئے پوچھنے اور سوال کرنے کے لیے، انھوں نے مجھ سے پوچھا: "مَنْ رَّبُّکَ" تو میں نے کہا کہ تم کون ہو؟ کہا کہ ہم اللہ کے

فرشتے ہیں، میں نے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ کہا کہ آسمان سے آئے ہیں، میں نے پوچھا کہ آسمان یہاں سے کتنی دوری اور فاصلے پر ہے؟ تو کہا کہ پانچ سو برس کا فاصلہ ہے، آدمی کی رفتار سے یہاں کوئی چلے تو پانچ سو برس میں آسمان اول پر پہنچے گا........ ہاں! فرشتہ کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے، اس لیے وہ وہاں سے ایک لمحے میں آجاتا ہے، وہ تو اس کو اللہ نے قدرت دی ہے........ تو انھوں نے کہا کہ یہاں سے پانچ سو برس کا فاصلہ ہے، تو میں نے کہا کہ اچھا تم کو معلوم ہے کہ تمھارا رب کون ہے؟ کہا کہ ہاں! ہم کو معلوم ہے، میں نے کہا کہ جب پانچ سو برس کے فاصلے کو طے کر کے تم خدا کو نہیں بھولے، تو میں دو گز زمین سے نیچے آکر اپنے رب کو کیسے بھول جاؤں گی؟!

دیکھیے! اللہ کے نیک بندوں کا کچھ مقام بھی ہوتا ہے، وہ اللہ کے فرشتوں کو بھی ایسا جواب دے دیتے ہیں جو ''لاجواب'' ہوتا ہے۔

## موت کے وقت اہل اللہ کا قابلِ رشک حال

ایک واقعہ یاد آگیا کہ بھوپال میں ایک بزرگ حضرت مولانا یعقوب صاحب مجددی رَحِمَهُ اللهُ گذرے ہیں، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب رَحِمَهُ اللهُ ان کی مجلس میں جا کر بیٹھا کرتے تھے اور ان کے ملفوظات بھی جمع فرمائے ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال کا وقت آیا، تو جمعے کا دن تھا، صبح کے وقت اٹھ کر جلدی سے انھوں نے غسل کیا اور عمدہ کپڑے پہنے، بڑے ہشاش بشاش نظر آرہے تھے اور چہرے پر مسکراہٹ ہی مسکراہٹ تھی، لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ کا کوئی سفر ہے کیا؟ بہت جلد تیار ہو گئے ہیں، کہا کہ ہاں سفر ہے، لوگ سمجھے کہ کہیں قریب کا سفر ہوگا؛ لیکن حضرت گئے ہی نہیں، نمازِ جمعہ کا وقت قریب آنے لگا، تو

خادموں سے کہا کہ تکیہ لاؤ، تکیہ لایا گیا، پھر حضرت لیٹ گئے اور کلمہ پڑھا اور روح قبض ہوگئی، تب لوگوں کو سمجھ میں آیا کہ یہ پوری تیاری دراصل آخرت کے سفر کے لیے تھی، دیکھیے اللہ سے ملاقات کی کیسی خوشی تھی ان کو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ کو موت کے وقت کس قدر خوشی و فرحت ہوتی ہے؟! کہ وہ اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں، اور وہ بہ زبانِ حال یوں کہتے ہیں:

خرم آں روز کہ زیں منزل ویراں بروم

(میں اس دن بڑا خوش ہوں گا، جب اس ویران منزل سے کوچ کروں گا۔)

## حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو موت کی تمنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ ایک دفعہ آپ بیٹھے ہوئے تھے، ایک صاحب سامنے سے دوڑتے ہوئے جا رہے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو ٹھیرا کر پوچھا کہ بھاگ بھاگ کر کہاں جا رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ حضرت بازار جا رہا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ لِيَ الْمَوْتَ قَبْلَ أَنْ تَرْجِعَ فَافْعَلْ." (شرح الصدور:۱۸)

(ارے بھائی! بازار میں کہیں موت بکتی ہو، تو ایک عدد میرے لیے خرید کر لانا۔)

اللہ اکبر! دیکھیے موت کا کس قدر انتظار لگا ہوا ہے!!۔

## قبر کی یاد سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گریہ

حدیث کی روایات میں آتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے

ہوتے، تو بہت رویا کرتے تھے؛ حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھی تر ہو جاتی تھی۔ آپ سے اس سلسلے میں معلوم کیا گیا کہ آپ جنت یا دوزخ کے ذکر پر اس قدر نہیں روتے اور قبر پر اس قدر روتے ہیں؟

تو فرمایا کہ ہاں! رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے:

« القَبْرُ أَوَّلُ مَنَازِلِ الآخِرَةِ ، فَإِنْ يَنجُ مِنهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ ، وَ إِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ. »

(قبر آخرت کی منزلوں میں سے اول ہے، پس اگر اس سے نجات پا گیا، تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے آسان ہوں گی اور اگر اس سے نجات نہیں پایا، تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی۔)

اور نیز رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرمایا:

«وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ مَنْظَراً قَطُّ وَالْقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ »

(میں نے کوئی منظر، قبر سے زیادہ خوف ناک نہیں دیکھا۔)

(الترمذي:۲۳۰۸،ابن ماجه:۴۲۶۷،مسند أحمد:۴۵۴،المستدرك:۱/۳۷۱)

## گناہوں کی وجہ سے قبر کا عذاب

ابراہیم الخواص رَحِمَہُ اللہُ کہتے ہیں کہ میں قبروں کے پاس بہت زیادہ جایا کرتا تھا، ایک دن ایک قبر کے پاس بیٹھا، تو نیند لگ گئی، میں نے ایک کہنے والے کو سنا کہ کہتا ہے کہ زنجیر لو اور اس کو اس میں داخل کرو اور نچلے حصے سے اس کو باہر نکالو اور میت کہتی ہے کہ اے رب! کیا میں قرآن نہیں پڑھتا تھا، کیا میں نماز نہیں پڑھتا تھا؟ کیا میں نے حج نہیں کیا تھا؟ اس کے جواب میں ایک کہنے والا کہتا ہے کہ ہاں! لیکن جب تو خلوت و تنہائی میں ہوتا، تو گناہ کرتے ہوئے میرا خیال و مراقبہ نہیں کرتا تھا۔ (الزهر الفاتح لابن الجوزي:۸)

## آں حضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی دنیا سے بے نیازی

حدیث میں آتا ہے کہ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی خدمت میں کافروں کے بہت سارے گرو گھنٹالوں نے ایک آدمی کو بھیجا، وہ آپ کی خدمت میں آیا اور کہا: اے محمد! مجھے فلاں اور فلاں نے آپ کے پاس بھیجا ہے، میں مکے کے سرداروں کی طرف سے آیا ہوں اور مجھے ایک بات آپ کے سامنے رکھنی ہے، اللہ کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہ پیغام لے کر آیا ہوں، کہ اگر آپ دینِ اسلام چھوڑ دیں، تو ہم آپ کو حکومت و سرداری دینے تیار ہیں، ہم آپ کو اپنا سردار بنالیں گے اور آپ چاہیں تو ساری دولتیں آپ کے قدموں میں لاکر ڈال دیں گے اور اگر آپ کا مقصد عیش و راحت ہے، تو ہم عرب کی خوبصورت لڑکیاں آپ پر نچھاور کردیں گے۔ بس یہ شرط ہے کہ آپ یہ دین کا کام کرنا چھوڑ دیں، توحید و سنت کا کام بند کردیں۔

اللہ کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اس کی بات سننے کے بعد پوچھتے ہیں، آپ کی بات ختم ہوگئی ؟ وہ کہتا ہے: ہاں! میں نے اپنی بات پوری کرلی۔ اللہ کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ’’اب میری بات سنو!‘‘ اس کے بعد آپ قرآنِ مجید کی تلاوت شروع کردیتے ہیں، ﴿ سُوْرَةُ فُصِّلَتْ ﴾ کی آیتیں پڑھنی شروع کردیتے ہیں، آپ پڑھتے رہے، یہاں تک کہ وہ آیتیں آگئیں، جس میں ’’قوم عاد‘‘ کا اور مختلف قوموں اور لوگوں کا ذکر ہے، ان کی ہلاکت وتباہی کا ذکر ہے، تو اس آدمی سے برداشت نہ ہوا اور وہ اللہ کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے قریب پہنچ کر آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے: ’’اللہ کے لیے اس کو بند کرو، میرے سینے میں اس کو سننے کی طاقت موجود نہیں ہے۔‘‘ اللہ کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بند کردیتے

ہیں، تو وہ اٹھ کر چلا جاتا ہے۔

کافر لوگ مکے کے سردار وہاں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتے ہیں کہ آپ کے پاس سے کیا جواب لاتا ہے؟ لیکن اس آدمی میں ان سے بات کرنے کی طاقت نہیں تھی، تو اپنے گھر چلا گیا اور تین دن تک لوگوں کو نظر بھی نہیں آیا، تین دن کے بعد وہ لوگوں کے سامنے آتا ہے اور کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا کلام پیش کرتے ہیں، کہ میں نے کبھی ایسا کلام نہیں سنا ہے۔

(تفسیر القرطبي: ۱۵/۳۳۸، حیاۃ الصحابة: ۱/۳۷)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا دی جارہی تھی، دولت و مال آپ کے قدموں میں ڈالنے کے وعدے کیے جارہے تھے؛ لیکن آپ نے یہ فرمایا کہ امارت، عیش و عشرت اور مال و دولت، تو میرے پیروں میں ہے، اس میں سے کسی کو بھی لینا نہیں چاہتا، دنیا کی دولت اور دنیا کی چیزوں کی محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے اندر ایک پائی کے برابر بھی نہیں تھی۔

## ''بحرین'' کا جزیہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز

حدیث میں آتا ہے کہ ''مدینہ'' ہجرت کے بعد بہت سارے ممالک فتح ہوتے چلے گئے، ''بحرین'' کا ملک بھی فتح ہو گیا، اس وقت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بحرین بھیجا، کہ جاؤ (Tax) ٹیکس وصول کر کے لاؤ!۔ چناں چہ حضراتِ صحابہ گئے اور بحرین سے دولت کا انبار لے کر آئے، اس میں سونا، چاندی، اناج وغلہ اور کپڑا اور دیگر مختلف قیمتی چیزیں تھیں۔

یہ سب چیزیں ''مسجدِ نبوی'' کے صحن میں جمع کر دی گئیں اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی گئی۔ ذرا سوچیے کہ اگر میں یا آپ اس جگہ ہوتے، تو

جا کر کم از کم دیکھتے کہ کتنی دولت آئی ہے؟ اور کیا کیا مال آیا ہے؟ لیکن اللہ کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، مسجد میں ڈال دو اور آرام کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی اپنی جگہ چلے گئے، لوگوں میں شہرت ہوگئی کہ بحرین سے بہت کچھ مال آگیا ہے، یہ دور، فقر وفاقے کا دور تھا، ایسے دور میں بحرین سے اس قدر مال جمع ہوگیا تھا، فجر کی نماز کا وقت ہوگیا، تو مدینے کی مختلف مساجد کے نمازی بھی ''مسجدِ نبوی'' کے اندر آکر جمع ہوگئے، ایک جمِ غفیر دوسرے دنوں کے لحاظ سے کچھ زیادہ ہی تھا، اب لوگ انتظار میں ہیں کہ اللہ کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نمازِ فجر پڑھانے کے لیے آئیں گے۔

چناں چہ وقت ہوا، تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تشریف لائے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتھ میں موجود تھے، لوگوں کا خیال تھا کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم آکر مال کا جائزہ لیں گے اور ایک ایک چیز کو اچھی طرح غور وفکر سے دیکھیں گے؛ لیکن دیکھتے ہیں کہ اللہ کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تشریف لائے اور ایک نگاہ بھی اٹھا کر مال کی طرف نہیں دیکھا؛ بل کہ سیدھا محراب کے اندر تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی، اس کے بعد مصلیوں کی طرف چہرہ کرکے بیٹھ گئے اور پوچھا کہ تم لوگ مختلف محلوں کے یہاں جمع ہوگئے، شاید تم لوگوں کو یہ خبر ملی ہوگی کہ بحرین سے مال آیا ہے؛ اس لیے تم لوگ یہاں جمع ہوگئے ہو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، ہاں! یا رسول اللہ! ہم اسی لیے جمع ہوئے ہیں، تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

پچھلی امتیں جو تباہ وہلاک ہوئیں، وہ مال ودولت میں غرق ہونے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، مجھے کوئی خوف تمھارے فقر وفاقے کا نہیں ہے، اگر مجھے کسی بات کا خوف تمھارے بارے میں ہے تو یہی کہ دنیا تمھارے اوپر وسیع کردی جائے اور تم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں مسابقت (Race) کروگے اور ہلاک کردیے

جاؤگے، پھراس کے بعد مال کے پاس تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تقسیم کرنا شروع کرو، جس کو جس چیز کی ضرورت ہو دیتے چلے جاؤ، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ تقسیم کرتے رہے؛ یہاں تک کہ جو کچھ آیا تھا، سب تقسیم ہوگیا، جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھے ہیں، تو یوں اپنا دامن جھاڑ کر اٹھ گئے کہ ایک پائی بھی اپنے لیے نہیں رکھی۔ (البخاري:۱/۷۴۴،مسلم:۲/۷۰۴)

یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے، کہ اتنے مال کی فراوانی کے باوجود ایک نگاہ بھی اٹھا کر آپ نے نہیں دیکھی اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں جو تھوڑی سی محبت جمع ہوگئی تھی، اس کو بھی کھینچ کر نکال دیا۔

## مال ودولت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوری

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر پڑھائی، نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو پھلانگتے ہوئے بڑی تیزی کے ساتھ گھر گئے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پریشان ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ضرورت پیش آگئی کہ آپ دوڑتے ہوئے اور لوگوں کو پھلانگتے ہوئے گھر تشریف لے گئے؟..... کچھ دیر بعد واپس آئے اور دیکھا کہ ان حضرات کو تعجب ہو رہا ہے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ نماز میں مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں ایک سونے کا ٹکڑا رہ گیا ہے، میں نے یہ مکروہ سمجھا کہ وہ مجھے مشغول کرلے، ایک روایت میں یوں فرمایا کہ کہیں وہ میرے پاس رات میں رہ نہ جائے؛ لہٰذا میں نے اس کو تقسیم کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ (البخاري:۸۵۱،النسائي:۱۳۶۴)

یہ تھے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کہ آپ کے دل میں دنیا کی کوئی محبت نہیں تھی، اب اللہ کے نبی کا دل دیکھو کہ کیسا تھا؟ میں یہ سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ نبی

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ذات میں تمھارے لیے نمونہ موجود ہے، آپ کے دل کو دیکھ کر اپنا دل بھی ویسا ہی بنالو۔

## دنیا ایک بدصورت؛ مگر مزین بڑھیا

حدیث میں آتا ہے کہ نبیِ اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب معراج تشریف لے گئے، تو اس موقعے پر ایک واقعہ پیش آیا کہ نبیِ اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سامنے ایک عورت آئی اور مزین تھی، اپنے آپ کو اس نے آراستہ پیراستہ کیا تھا، زیورات کے ساتھ اور مختلف زیب و زینت کی چیزوں کے ساتھ، نبیِ اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی طرف بڑھتی ہوئی آئی، اللہ کے نبی نے چہرہ پھیرلیا، پھر دوبارہ بھی آئی، اللہ کے نبی نے پھر چہرہ پھیرلیا، تیسری دفعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ جبرئیل امین عَلَيْهِ السَّلَامُ نے آگے بڑھنے کے بعد نبیِ اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے دریافت کیا، یا رسول اللہ! آپ نے پہچانا کہ یہ عورت کون تھی؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں! میں نے نہیں پہچانا کون تھی یہ عورت؟ جبرئیل امین عَلَيْهِ السَّلَامُ نے فرمایا کہ یہ عورت نہیں؛ بل کہ دراصل دنیا تھی اور یہ بوڑھی ہوچکی ہے؛ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو آراستہ پیراستہ، مزین کرکے آپ کو بہکانے کے لیے آئی تھی۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ اس کی طرف نظر بھی نہیں فرمائی، اگر آپ خدانخواستہ اس عورت کو دیکھ لیتے، تو آپ کی پوری امت ہلاک ہوجاتی۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵/۳)

اس ناپاک دنیا کو اللہ کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دیکھا نہیں اور امت کا یہ حال ہے کہ وہ اس میں ملوث ہے۔ اور اگر اللہ کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دیکھ لیتے تو پھر کیا ہوتا؟ اس سے اندازہ کیجیے کہ آج ہم لوگوں کے اندر کتنا قصور اور فتور پیدا ہوگیا ہے اور ایمانی اعتبار سے کس قدر کمزوری آگئی ہے کہ ہمارے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نے جس کو دیکھا تک نہیں، آج ہم اسی کے اندر پوری طرح ملوث ہو گئے ہیں۔

## دنیا کی حقیقت-افلاطون کی نظر میں

ایک مرتبہ ''افلاطون'' کے زمانے کا بادشاہ اپنے کچھ لوگوں کے ساتھ اس سے ملنے جنگل گیا، ملاقات ہوگئی اور بادشاہ نے سوال کیا کہ آپ یہاں جنگل میں رہتے ہیں؛ مگر یہاں آپ کے پاس کھانے اور پینے کی کوئی چیز بھی بہ ظاہر نظر نہیں آتی، یہ کہتے ہوئے بادشاہ نے کچھ جملے ایسے استعمال کیے، جس سے ایسا لگتا تھا کہ وہ اس کی حقارت کر رہا ہے۔ افلاطون کو یہ بات ناگوار گزری کہ دنیا کو یہ بہت کچھ سمجھتا ہے اور ہماری یہ حالت دیکھ کر ہم کو حقیر سمجھ رہا ہے؛ اس لیے افلاطون نے بادشاہ کو کچھ سبق پڑھانا چاہا؛ اس لیے افلاطون نے بادشاہ کے رخصت ہونے کے موقعے پر اس سے کہا کہ جناب! میری ایک گزارش ہے، وہ یہ کہ فلاں وقت آپ ہمارے یہاں تشریف لائیں، میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں اور صرف آپ کی نہیں، آپ کے تمام وزرا کی، ارکان دولت کی اور آپ کے مشیروں کی اور آپ کے فوجیوں کی، سب کی دعوت ہے۔

اس کی بات کا بادشاہ انکار بھی نہیں کر سکتا تھا؛ اس لیے اس نے افلاطون کی دعوت قبول کرلیا۔ اب جب وہ دعوت کا وقت آیا، تو اپنے پورے لشکریوں کے ساتھ، اپنے وزرا کے ساتھ، ارکان دولت کے ساتھ بادشاہ اس جنگل کی طرف چلنے لگا، جنگل کے قریب پہنچے تو دور ہی سے سب کو نظر آرہا تھا کہ یہاں سے وہاں تک عظیم الشان قسم کی بلڈنگیں ہیں، راستے بنے نظر آرہے ہیں، بہترین انتظامات نظر آرہے ہیں، جنگل میں منگل ہو گیا ہے، یہ دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے کہ چند دنوں کے اندر اتنی بلڈنگیں یہاں کس نے بنادی ہیں؟ یہ راستے کس نے بنادیے ہیں؟ اتنا

بہترین انتظام کس نے یہاں کر دیا ہے۔ خیر! اب جو وہاں پہنچے، تو افلاطون کے لوگ وہاں استقبال کے لیے موجود تھے، لوگوں نے ان کا استقبال کیا اور لے جا کر ہر ایک کو اپنے اپنے مقام پر پہنچا دیا، دیکھا تو بادشاہ کے لیے مخصوص عمارت تھی، وزیروں اور مشیروں کے لیے الگ انتظام تھا، جب کھانے کا وقت آیا، تو بہترین قسم کے کھانے پیش کیے گئے، سب نے کھانا کھایا اور خوب سیراب ہوئے اور جب رات کا وقت آیا، تو سب لوگ آرام کرنے اپنی اپنی بلڈنگوں میں پہنچ گئے اور سو گئے، لیکن صبح اٹھے تو دیکھتے ہیں کہ جنگل میں نہ کوئی بلڈنگ ہے، نہ کوئی راستہ ہے اور نہ کوئی بچھونا ہے، نہ اوڑھنا، کچھ بھی نہیں ہے، بالکل صاف جنگل ہے، سب کے سب جنگل میں نیچے پڑے ہوئے ہیں، اُدھر بادشاہ بھی نیچے پڑا ہوا ہے اور اس کے وزیر بھی نیچے پڑے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر سب پریشان بھی ہوئے اور غصہ بھی ہوئے۔

افلاطون نے کہا کہ جو کچھ تم نے دیکھا تھا، وہ دراصل میرے خیال کا نتیجہ تھا، قوتِ خیالیہ کا کرشمہ تھا، قوتِ خیالیہ سے آپ کے ذہنوں میں میں نے یہ بلڈنگیں ڈال دیں، یہ عجیب و غریب تماشہ آپ کو دکھا دیا، حقیقت میں کچھ نہیں تھا، میں نے تم کو یہ بتانا چاہا کہ جب تم آخرت میں جاؤ گے؛ تو یہ دنیا کی زیب و زینت، بلڈنگیں و عمارتیں جسے تم سب کچھ سمجھتے ہو، اسی طرح محض ایک خیالی صورتیں نظر آئیں گی۔

## دنیا مسافر خانہ ہے!

حضرت ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللّٰہُ جو اپنے زمانے میں ایک بڑے بادشاہ تھے، ایک بار ان کا دربار لگا ہوا تھا، سارے ارکان دولت و وزیر لوگ موجود ہیں اور بہت سارے دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہیں، اسی دوران ایک آدمی ان کے محل کے اندر آیا اور دربار میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا، اس کو دربانوں نے روکنا چاہا، تو اس

نے کہا کہ میں یہاں اپنا سامان رکھ کر کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔ دربانوں نے اس سے کہا کہ تو بے وقوف ہے، پاگل ہے، تجھے معلوم نہیں کہ یہ بادشاہ کا دربار ہے، محل ہے۔اس نے کہا کہ دربار ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ تو سرائے ہے، مسافر خانہ ہے؛ اس لیے میں کچھ دیر یہاں رکنا اور آرام کرنا چاہتا ہوں۔ یہ حجت و بحث ہو رہی تھی کہ بادشاہ کی نظر اس پر پڑ گئی، ابراہیم بن ادہم نے حکم دیا کہ کیا بحث ہو رہی ہے؟ اس کو بلا کر لاؤ۔اب اس آدمی کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ آدمی محل میں آرام کرنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سرائے و مسافر خانہ ہے۔ بادشاہ نے اس سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ تو اس آدمی نے کہا کہ یہ سرائے ہے، اس میں میرا بھی حق ہے، جیسا کہ آپ کا حق ہے، آپ یہاں رہ سکتے ہیں، تو میں کیوں نہیں رہ سکتا؟ میں مسافر ہوں، آرام کرنا چاہتا ہوں۔

بادشاہ نے کہا کہ یہ سرائے نہیں ہے، مسافر خانہ نہیں ہے، میرا محل ہے، اس آدمی نے بادشاہ سے پوچھا کہ آپ سے پہلے یہاں کون تھا؟ بادشاہ نے کہا کہ میرا باپ تھا، اس آدمی نے پھر پوچھا کہ ان سے پہلے کون تھا؟ بادشاہ نے کہا کہ میرا دادا تھا، اس نے پوچھا کہ اس سے پہلے کون تھا؟ بادشاہ نے کہا کہ میرا پر دادا تھا، یہ تو پیڑی در پیڑی ہمارے خاندان میں حکومت چلی آ رہی ہے۔اس آدمی نے کہا کہ میں یہی تو کہنا چاہتا ہوں کہ کبھی تو یہاں آپ کا پردادا تھا، کبھی آپ کا دادا تھا، کبھی آپ کا باپ تھا، اب آپ ہیں، کل آپ بھی نہیں رہیں گے، کوئی اور اس جگہ آ جائے گا، کوئی آتا ہے، تو کوئی جاتا ہے، اسی کا نام تو سرائے ہے، مسافر خانہ ہے۔ یہ کہہ کر وہ آدمی غائب ہو گیا، یہ دراصل اللہ کا فرشتہ تھا، جو بادشاہ کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اب بادشاہ پریشان ہو گیا، اس کی باتوں پر غور کرنے لگا کہ واقعی یہ دنیا ہے، مجھ سے بھی چھوٹ جائے گی، جیسے میرے باپ سے چھوٹ گئی، جیسے میرے دادا سے چھوٹ

گئی، سب چھوڑ کر چلے گئے، کیسے کیسے بادشاہ آئے؛ مگر سب چھوڑ کر چلے گئے، ایسے ہی ایک دن میں بھی چھوڑ کر چلا جاوں گا۔ اب جو رات ہوئی، تو یہ باتیں سوچ سوچ کر بادشاہ کو نیند نہیں آئی، بالآخر یہ فیصلہ کرلیا کہ اس سے پہلے کہ دنیا مجھے چھوڑ دے، مجھے دنیا کو چھوڑ دینا چاہیے، انھوں نے حکومت چھوڑ دی اور حضرت فضیل بن عیاض رَحِمَہُ اللّٰہُ کی خدمت میں چلے گئے۔

## دنیا پر مرنے والے آخرت میں شرمندہ ہوں گے

اکبر الٰہ آبادی کا ایک واقعہ یاد آ گیا کہ وہ ہندوستانی عدالت کے جسٹس تھے، ایک دفعہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ جو بہت پڑھے لکھے لوگ تھے، کسی خاص مسئلے پر ایک کمرے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے، اتنے میں ان کے والد جو بوڑھے تھے، وہ کمرے میں داخل ہوئے اور ان کے ہاتھ میں ایک بیلون تھا، جسے غبارہ کہتے ہیں، بچے ان میں پھونک مارتے اور ان سے کھیلتے اور ان کو پھوڑتے ہیں، وہ اندر آئے اور کہنے لگے بیٹا اکبر! یہ دیکھو تمھارے لیے کیا لایا ہوں؟ تم بچپن میں اسے بہت پسند کرتے تھے اور رُو رُو کر اسے مانگا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ غبارہ تمھارے لیے لایا ہوں۔

بس جناب یہ سننا تھا کہ اکبر الٰہ آبادی کے اوپر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اسے بیان نہیں کیا جاسکتا، نہایت شرمندہ ہوگئے کہ ایک چیف جسٹس اور ان کے ساتھ بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں، ان کے سامنے والد صاحب غبارہ لاکر دے رہے ہیں کھیلنے کے لیے، کتنی شرم کی بات ہے، وہ بہت ہی شرمند ہوگئے!۔ اکبر الٰہ آبادی کے چہرے پر شرمندگی کے آثار جو نمایاں تھے، اسے دیکھ کر ان کے والد نے کہا کہ بیٹا! مجھے احساس ہے کہ غبارے کے دیکھنے سے اس وقت تمھیں شرمندگی محسوس ہو رہی

ہے؛لیکن میں تم کواور تمھارے ان ساتھیوں کوایک بات سمجھانے کے لیے آیا ہوں۔ وہ یہ کہ تم جوآج ان عہدوں اور دولت کی چیزوں پر فخر کر رہے ہو اور ان کو حاصل کرنے کی فکر کرتے ہو،کل قیامت کے دن وہی چیز تم کودی جائے گی ،تو وہاں بھی تم کواسی طرح شرم آئے گی ،جیسے آج تمھارے بچپن کی خواہشات ومطالبات پر شرم آرہی ہے۔

اللہ اکبر! کتنا بڑا سبق پڑھادیا اس معمولی سے واقعے سے! یہ بلڈنگ آج ہمیں اچھی لگتی ہیں، دنیا کا پیسہ بہت اچھا لگتا ہے؛بل کہ آدمی اسے دوسروں سے چھیننا چاہتا ہے، اس کو جمع کرنا چاہتا ہے، اس کو بڑھانا چاہتا ہے، بڑی فکریں اس کے لیے کرتا ہے،اپنی نیند قربان کرتا ہے،اپنی جان قربان کرتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب انسان کو یہ دولت دیں گے؛تو اسے وہاں شرم آئے گی؛اس لیے کہ وہاں اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوگی۔

## اللہ بس، باقی ہوس!

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے لوگوں کی اصلاح کے لیے ایک دفعہ ایسا کیا کہ آپ باہر تشریف لائے اور اس وقت آسمان پر ستارے نکلے ہوئے تھے اوپر دیکھا ستاروں کی طرف کہ ماشاء اللہ ٹمٹمارہے ہیں— دیکھنے میں تو ٹمٹمارہے ہیں؛لیکن حقیقت میں یہ بہت بڑے بڑے ہیں،بہت دوری پر ہونے کی وجہ سے،وہ ہمیں ایسے نظر آتے ہیں گویا ٹمٹمارہے ہیں— تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دیکھ کر کہا ﴿هٰذَا رَبِّيْ﴾ (یہ میرا رب ہے۔) یہ حضرت ابراہیم نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے کہا تھا،ایسا نہیں کہ وہ (نعوذ باللہ) ان کو رب مان رہے تھے، نبی تو کوئی گناہ بھی نہیں کرسکتا،شرک کیسے کرسکتا ہے؛ کیوں کہ جمہور علما کا مذہب ہے کہ

انبیا قبل از نبوت اور بعد از نبوت معصوم ہوتے ہیں۔

خیر کچھ دیر کے بعد جب ستارے چھپنے لگے، غائب ہونے لگے، تو ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ نے لوگوں کی عقلوں کے مطابق ان کو سمجھانے کے لیے فرمایا: ﴿ إِنِّي لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ﴾ یہ ختم ہوجانے والوں، غروب ہوجانے والوں، غائب ہوجانے والوں کو میں پسند نہیں کرتا، ان کو خدا کیسے بنالوں؟ خدا تو وہ ہوتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا، دنیا کو اور دنیا کی ان چیزوں کو ثبات کہاں ہے؟ ثبات تو صرف اللہ کو ہے۔

پھر کسی موقعے پر حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ باہر نکلے، تو دیکھا کہ چاند نکلا ہوا ہے، بہت خوب اس کی روشنی پھیلی ہوئی ہے، کہنے لگے ﴿ هٰذَا رَبِّي ﴾ (یہ میرا رب ہے۔) ارے! وہ ستارے تو خدا نہیں ہو سکتے تھے؛ کیوں کہ وہ غروب ہوگئے؛ مگر یہ تو ہے خدا، یہ تو بہت چمک دار ہے، بڑا حسین ہے، بڑا جمیل ہے، دنیا بھر کو روشنی دے رہا ہے۔ اس کے بعد وہ بھی غروب ہوگیا، تو کہنے لگے، یہ بھی میرا خدا نہیں ہوسکتا۔

پھر سورج کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ میرا خدا ہے اور سب سے بڑا بھی ہے، دیکھو! وہ سارے عالم کو اس طرح منور کیے ہوئے ہے کہ ذرہ ذرہ اس سے روشن ہے۔ کہنے لگے: ﴿ هٰذَا رَبِّي هٰذَا أَكْبَرُ ﴾ (یہ میرا رب ہے، یہ بہت بڑا ہے) لیکن ظاہر بات ہے کہ صبح میں نکلا ہوا سورج، شام میں غروب تو ہوتا ہی ہے، جب وہ بھی شام میں غروب ہوگیا، تو حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ دیکھو یہ بھی خدا نہیں ہے، جو ختم ہونے والا ہے، دنیا کی چیزوں پر حالات طاری ہوتے ہیں، حوادث پیش آتے ہیں، اس لیے یہ خدا نہیں ہو سکتے، خدا تو باقی رہنے والا ہے۔ تو یہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ کی ایک تدبیر تھی مشرکین کو سمجھانے کے لیے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، اسی سے دل لگاؤ۔

## فنا، دنیا کا سب سے بڑا عیب

سلیمان بن عبدالملک کا نام آپ نے سنا ہوگا، بہت بڑا بادشاہ تھا، امیر المؤمنین تھا، جوانی میں اللہ نے اس کو بادشاہت دے دی تھی، بڑا ذی وجاہت بھی تھا اور حسین وجمیل بھی تھا، ایک دن اس نے اپنے آپ کو خوب اچھی طرح سنورا، بنایا، بہترین کپڑے پہنے، عمامہ زیب تن کیا، خوشبوئیں لگایا، بہت ساری چیزوں سے اپنے آپ کو آراستہ پیراستہ کیا اور خدا کی نوازش سے حسین وخوبصورت بھی تھا۔

اس کے بعد اپنے دربار میں رونق افروز ہوا اور اپنے آپ پر وہ پھولے نہیں سما رہا تھا، سب لوگ دیکھ کر اس کی تعریف کرنے لگے، اتنے میں اس کی ایک باندی آئی، جب باندی آئی، تو اس نے باندی کو دیکھ کر مسکرایا اور پھر اس کے بعد کہا کہ میں کیسا لگ رہا ہوں، تو باندی نے اس کے جواب میں فی البدیہہ عربی کے دو شعر کہے:

أَنْتَ نِعْمَ الْمَتَاعُ لَوْ كُنْتَ تَبْقٰی
غَيْرَ أَنْ لَّا بَقَاءَ لِلْإِنْسَانِ
أَنْتَ خِلْوٌ مِّنَ الْعُيُوْبِ وَ مِمَّا
يَكْرَهُ النَّاسُ غَيْرَ أَنَّكَ فَانِ

عجیب اشعار کہے اس نے، ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ اس نے بادشاہ سے کہا کہ اے کاش کہ اگر آپ باقی رہنے والے ہوتے، تو آپ بہت ہی بہترین چیز تھے؛ لیکن کیا کروں کہ کسی بھی انسان کو بقا و دوام ہے ہی نہیں، سب فنا ہونے والے ہیں، آپ کے اندر کوئی عیب نہیں ہے، سارے ان عیبوں سے آپ پاک ہیں، خالی ہیں اور ان سب باتوں سے بھی پاک ہیں، جن سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور برا سمجھتے ہیں، لیکن ایک عیب ہے آپ کے اندر، وہ یہ کہ آپ فانی ہیں۔

دیکھیے !اس باندی نے حقیقت کو سمجھا اور حقیقت کو اس کے سامنے بیان کردیا کہ آپ میں بڑے کمالات وخوبیاں ہیں؛ مگر یہ کیا کم عیب ہے کہ آپ مرجانے والے ہیں؛ اگر باقی رہتے تو واقعی عشق کے قابل تھے، دل لگانے کے قابل تھے، محبت کرنے کے قابل تھے، تعلق کرنے کے قابل تھے،لیکن آپ کے اندر فنا کا ایک عیب ایسا ہے، جس نے ساری خوبیوں پر پانی پھیر دیا،بس یہ کہنا تھا کہ اس کے اوپر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔اس کے بعد اس نے مجلس برخواست کردی اور باندی کو اپنے کمرے میں بلایا اور بلا کر کہا کہ تو نے میرے بارے میں یہ کیوں کہا؟ تو اس نے معذرت کی اور کہا کہ مجھے جو حقیقت سمجھ میں آئی، اس کو میں نے بیان کردیا، اس کے بعد اس نے اس کو انعام بھی دیا اور کہا کہ میری آنکھیں تو نے کھول دیں۔اسی کے چند دن کے بعد اس کا انتقال ہوگیا، جوان ہی تھا، جوانی ہی میں اس کی وفات ہوگئی۔

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ دنیا کیسی ہی خوبیوں کی مالک کیوں نہ ہو،لیکن اس کے اندر یہ عیب تو ہے ہی، کہ یہ تو فنا ہونے والی ہے۔سورج سے کیا دل لگانا، چاند سے کیا دل لگانا، آسمان سے کیا دل لگانا، زمین سے کیا دل لگانا،عورت سے کیا دل لگانا۔ یہ تو دل لگانے کے قابل نہیں؛ بل کہ دل سے نکالنے کے قابل ہیں،دل لگانے کے قابل اور محبت کرنے کے قابل تو صرف اللہ کی ذات ہے، جس کو کبھی فنا نہیں ہے، جس میں کوئی عیب نہیں ہے، جو ''اَلْمُسْتَجْمِعُ لِجَمِیْعِ صِفَاتِ الْکَمَالِ'' (ساری خوبیوں کا جامع ) ہے۔

## دین سے دنیا طلبی کا عبرت ناک انجام

امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ''إحیاء العلوم'' میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کی ایک شخص خدمت کیا کرتا تھا، وہ لوگوں سے بیان کرتا تھا کہ مجھے

موسیٰ صفی اللہ نے یہ بات بتائی، کبھی کہتا کہ مجھے موسیٰ کلیم اللہ نے، موسیٰ نجی اللہ نے یہ خبر دی، اس طرح لوگوں کو سنا سنا کر اس نے خوب مال و دولت جمع کر لی۔ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے ایک دفعہ اس کو مفقود پایا اور لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھنا شروع کیا؛ مگر اس کی کچھ خبر نہ ملی، پھر اچانک ایک دن ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے ہاتھ میں خنزیر (سور) تھا اور سور کے گلے میں کالی رسی بندھی ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس آنے والے سے اس شخص کے بارے میں پوچھا، جو بہت دنوں سے نظر نہیں آ رہا تھا کہ فلاں کو تم جانتے ہو کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا اے حضرت! یہ سور وہی شخص ہے، حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اللہ سے سوال کیا کہ اے اللہ اس کو اپنی اصلی حالت پر لوٹا دے؛ تاکہ میں اس سے اس کے مسخ ہو جانے کی وجہ دریافت کر لوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! اگر تم مجھے ان تمام ناموں سے پکارتے جن سے آدم اور ان کے بعد کے انبیا نے مجھ کو پکارا تب بھی میں یہ دعا قبول نہ کرتا؛ لیکن میں اس کی وجہ بتا دیتا ہوں کہ میں نے اس کو مسخ کیوں کیا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص دین کے ذریعے دنیا طلب کرتا تھا۔ (إحياء العلوم:۶۲/۱)

## ﴿مَتَاع﴾ کی تفسیر اور صاحب بن عباد رَحِمَہُ اللّٰہُ کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (یہ سب دینوی زندگی کا سامان ہے) یہاں سامان کے لیے ''متاع'' کا لفظ آیا ہے اور ''متاع'' حقیر قسم کی چیز و سامان کو کہتے ہیں۔ صاحب بن عباد ایک بہت بڑے عالم و ادیب گزرے ہیں۔ اپنے وقت میں ''مؤید الدولہ بن رکن الدولہ'' کے وزیر بھی تھے۔ بڑے لغوی اور عربی زبان کے ادیب تھے۔ ان کا واقعہ ہے کہ ایک بار ان کو اس

لفظ کی تحقیق کی ضرورت پڑ گئی۔ انھوں نے سوچا کہ عربی زبان کی اصل کو معلوم کرنے دیہاتوں میں جانا چاہیے ؛ کیوں کہ وہاں زبان اپنی اصلیت پر باقی رہتی ہے ، بر خلاف شہروں کے کہ وہاں مختلف علاقوں کے لوگوں سے میل جول کی وجہ سے عربی زبان اپنی اصلیت پر باقی نہیں ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ میں مختلف گاؤں دیہاتوں میں اس لفظ کے معنے جاننے کے لیے گھومتا رہا، ایک جگہ دیکھا کہ ایک دیہاتی عربی لڑکا بیٹھا ہے، میں اس کے پاس چلا گیا اور اس کے بازو بیٹھ گیا اور اس کے قریب ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو زمین وغیرہ پوچھنے اور صاف کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اتنے میں ایک کتا آیا اور وہ پوچھنے کا کپڑا اٹھا کر لے گیا۔ کچھ دیر بعد اس لڑکے کی ماں آئی، تو اس لڑکے نے ماں سے کہا: ”جَاءَ الرَّقِیُمُ وَ اَخَذَ الْمَتَاعَ وَ تَبَارَکَ الْجَبَلَ “ (کتا آیا اور متاع اٹھایا اور پہاڑ پر چڑھ گیا۔) علامہ صاحب بن عباد کہتے ہیں کہ اس سے مجھے سمجھ میں آیا کہ ”متاع“ کی کیا حقیقت ہے؟ اس لڑکے نے پوچھنے کے کپڑے کے لیے جو ایک معمولی و حقیر چیز ہوتی ہے اور سجانے کے نہیں ؛ بل کہ چھپانے کے قابل ہوتی ہے، اس کو ”متاع“ کہا۔ لہٰذا متاع کے معنے یہ ہوئے کہ جو چیز ضرورت کی ہو ؛ مگر حقیر ہو، معمولی درجے کی ہو۔ جیسے پوچھنے کا کپڑا، اس کو عربی میں متاع کہتے ہیں۔

اللہ اکبر! قرآن کریم میں دنیا کے ساز و سامان کے لیے یہ لفظ لا کر یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کا یہ مال و دولت اگر چہ کہ ایک ضرورت کے لیے ہے ؛ مگر وہ دل لگانے اور شوکیس میں سجانے اور لوگوں کو دکھانے کے قابل نہیں ہے۔ کیا کوئی پوچھنے کے کپڑے کو شوکیس میں سجاتا ہے؟ کیا کوئی اس کو دل سے لگاتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے؟ نہیں! اسی طرح دنیا کو بھی سمجھنا چاہیے۔

# تقویٰ وطہارت اور خوف وخشیت

بنو تقوے کے خوگر عادتِ پرہیز ڈالو تم
نظر اس پر رہے کہ ''أکرم'' ہے ''عند الله أتقاکم''

(اکبر الٰہ آبادی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## ”تقویٰ“ کسے کہتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سوال

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بتاؤ، ”تقویٰ“ کسے کہتے ہیں؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ امیر المومنین! کیا آپ کا گزر کبھی ایسے راستے سے ہوا ہے؟ جو تنگ ہو، اِدھر اُدھر کانٹے دار جھاڑیاں ہوں، چلنا دشوار ہو؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! ایسی جگہ سے گزر رہوا ہے، تو انھوں نے پوچھا کہ آپ جب اس راستے پر سے گزرے تھے، تو کیسے گزرے تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس طرح گزرا تھا کہ اپنا دامن سمیٹ لیا تھا، اپنے آپ کو بچا کر بہت ہی احتیاط سے گزرا تھا، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس اسی کا نام ”تقویٰ“ ہے؛ کیوں کہ دنیا بھی کانٹوں بھرا راستہ ہے، کہیں بدنظری کے مواقع ہیں، تو کہیں کانوں سے گانوں کی آواز ٹکرا رہی ہے، کہیں کفر کے کانٹے ہیں، کہیں شرک ونفاق کے کانٹے ہیں، یہ سب روحانی کانٹے ہیں، ان سب سے بچ کر چلنے کا نام ”تقویٰ“ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۱)

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حرام سے احتیاط

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی کبھی اپنی بیوی کو بیت المال کا عطر (مشک وعنبر) دیتے، وہ اس کو فروخت کرتی تھیں، ضرورت پر اس کو اپنے دانتوں سے توڑتی تھیں اور اس میں سے کچھ ہاتھوں پر لگ جاتا، ایک دفعہ ایسا ہی ہوا، تو انھوں نے اپنے دوپٹے سے

پوچھ لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر آئے، تو فرمایا کہ یہ کیا خوشبو ہے؟ ان کی زوجہ نے واقعہ بتایا، تو فرمایا کہ مسلمانوں کا عطر اور تم نے اس کو استعمال کرلیا؟ پھر ان کا دوپٹہ اتارا اور پانی سے دھوتے جاتے اور سونگتے جاتے تھے، جب تک وہ خوشبو رہی، برابر اس کو دھوتے رہے۔

## ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی؟

بعض بل کہ اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ ہم بڑی دعائیں کرتے ہیں؛ مگر برسہا برس ہوگئے، قبول نہیں ہوتیں، آخر ہماری دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟ حدیث نے اس کا جواب دے دیا کہ حرام غذا اور حرام لباس اختیار کرنے والوں کی دعا قبول نہیں کی جاتی، آج بہت سے مسلمان؛ بل کہ نمازی، حاجی اور بڑی بڑی دینی خدمات میں لگے ہوئے لوگ حرام سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے، پھر کیوں کر دعا قبول ہوگی؟

ایک بزرگ کہیں جارہے تھے، راستے میں ایک شخص نے نہایت اصرار سے ان سے عرض کیا کہ میرے ساتھ بیٹھ کر آپ کھانا کھائیں، بزرگ نے اس کی درخواست پر اس کے ساتھ کھانا کھالیا؛ پھر آگے چل پڑے، کچھ دور جانے کے بعد وہ اپنے راستے سے بھٹک گئے اور باوجود کوشش کے ان کو راستے کا علم نہ ہوسکا۔ بار بار اللہ سے دعا کی؛ مگر دعا قبول نہ ہوئی، بڑے پریشان ہوئے، جنگل کا بیابان راستہ، رات کا تاریک ماحول، وحشت ناک سناٹا؛ مگر راہیں بند ہیں، آخر کار ایک اور بزرگ کا ادھر سے گزر ہوا اور انھوں نے بتایا کہ تم نے جو کھانا فلاں آدمی کے ساتھ کھایا تھا، وہ حرام تھا؛ اس لیے تمھاری دعا قبول نہیں ہورہی ہے، پہلے اس کی تلافی استغفار کے ذریعے کرو، تو پھر راستہ کھول دیا جائے گا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ الغرض دعا کی قبولیت کے لیے حرام سے بچنا لازم ہے؛ ورنہ دعا قبول نہیں ہوتی۔

## حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حرام سے احتیاط

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت کا ایک غلام تھا، وہ ایک دن کچھ کھانا لایا، حضرت نے اس میں سے ایک لقمہ کھالیا، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ یہ کھانا حرام ہے؛ کیوں کہ غلام نے بتایا کہ وہ جاہلیت میں لوگوں کو غیب کی باتیں بتاتا تھا، یہ کھانا اسی کے عوض میں ملانا ہے۔ حضرت صدیقِ اکبر نے فرمایا کہ تجھ پر تف ہے! تو نے مجھے ہلاک کردیا۔ پھر آپ نے منہ میں ہاتھ ڈال کر قے کرنا چاہا؛ مگر قے نہ ہوئی۔ لوگوں نے کہا پانی پینے سے قے ہوگی۔ آپ نے پانی منگوایا اور آپ پانی پیتے جاتے اور قے کرتے جاتے، یہاں تک کہ پورا کھانا نکل آیا۔

لوگوں نے کہا کہ اس ایک لقمے کے لیے آپ نے اتنی مشکل اٹھائی؟ فرمایا کہ اگر اس کے لیے میری جان بھی چلی جاتی، تو بھی میں ضرور اس کو نکالتا؛ کیوں کہ میں نے اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو فرماتے سنا ہے، کہ جو جسم حرام سے پلا ہو، وہ دوزخ کے زیادہ لائق ہے۔

(صفوة الصفوة :۲۵۲/۱،حلیة الأولیاء:۳۱/۱،ریاض النضرة:۱۴۱/۲)

## زکوۃ کے مال سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتناب

ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کتبِ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ دودھ پیا اور اس کا مزہ کچھ عجیب معلوم ہوا، آپ نے دودھ لانے والے سے پوچھا کہ یہ دودھ کیسا اور کہاں سے آیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں جنگل میں گیا تھا، وہاں زکاۃ کے اونٹ چر رہے تھے، یہ دودھ ان ہی اونٹوں کا ہے، آپ نے یہ سن کر فوراً قے

کر دیا؛ کیوں کہ یہ دودھ زکاۃ کے اونٹوں کا آپ کے لیے حلال نہ تھا۔

(مؤطا مالک:۲۶۹/۱،سنن البیھقي:۱۴/۷،شعب الإیمان:۶۰/۵)

اسماعیل بن محمد رَحِمَہُ اللّٰہُ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ''بحرین'' سے مشک وعنبر آیا، آپ نے کہا کہ واللہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی اچھی طرح تولنے والی عورت ہو، جو اس مشک وعنبر کو تولے، تاکہ میں اس کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کروں، یہ سن کر آپ کی زوجہ حضرت عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مجھے اچھی طرح تولنا آتا ہے، دیجیے میں تول دوں، آپ نے فرمایا کہ نہیں، انھوں نے پوچھا کہ کیوں؟ فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس سے تم کچھ لے لو، اس طرح کہ تم اپنی گردن پوچھو اور اس کو یہ لگ جائے۔

(کتاب الورع للإمام أحمد:۳۷، کتاب الزھد لابن أبي عاصم:۱۱۹/۱)

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حرام سے پرہیز

''بنو ثقیف'' کے ایک شخص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفے کے ایک گاؤں ''عکبری'' کا گورنر بنایا، وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے حکم دیا کہ ظہر کی نماز میرے پاس پڑھو، میں حاضر ہوا اور کسی نے مجھے آپ تک جانے سے نہیں روکا، آپ کے پاس پانی کا ایک کوزہ اور ایک پیالہ رکھا تھا، آپ نے شیشے کے برتن سے ستو نکال کر پیا، وہ شخص کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین! کیا ''عراق'' میں اس طرح کیا جاتا ہے؟ جب کہ عراق میں کھانے کی بڑی فراوانی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کنجوسی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا ہے؛ بل کہ میں پیٹ میں حلال چیز کے علاوہ کسی چیز کو داخل کرنا مکروہ سمجھتا ہوں۔ (الورع:۷۵)

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف حرام سے؛ بل کہ مشتبہ

چیزوں سے بھی کس قدر احتیاط برتتے تھے اور اس کا ان حضرات کو کتنا اہتمام تھا۔

## عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ کی احتیاط

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ کی جانب سے بیت المال کے عطر پر مقرر کردہ نگراں عبداللہ بن راشد رَحِمَہُ اللہُ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ کی خدمت میں بیت المال کا وہ عطر لایا، جو ان سے قبل خلفا کے لیے تیار کیا جاتا تھا، تو آپ نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا کہ عطر سے خوشبو ہی تو لی جاتی ہے۔ عبداللہ بن راشد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ بات میں آپ کی طرف سے روایت کرسکتا ہوں؟ تو آپ نے اجازت دی۔ (الورع:۳۷)

## دس اہلِ علم کی حرام سے احتیاط

بشر بن حارث رَحِمَہُ اللہُ کہتے ہیں کہ "معافی بن عمران" فرماتے تھے کہ گزشتہ زمانے میں اہلِ علم میں سے دس آدمی ایسے تھے، جو حلال کے سلسلے میں بہت سخت نظر رکھتے تھے، ان کے پیٹ میں کوئی ایسی چیز داخل نہ ہوتی تھی، جس کے بارے میں وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ یہ حلال ہے، اگر یہ بات معلوم نہ ہوتی؛ تو پانی پر کفایت کر لیتے تھے، پھر حضرت بشر رَحِمَہُ اللہُ نے ان حضرات کے نام شمار کیے: وہ یہ تھے: ابراہیم بن ادہم، سلیمان الخواص، علی بن الفضیل، ابو معاویہ الاسود، یوسف بن اسباط، وہیب بن الورد، حذیفہ اہلِ حران میں سے اور داود طائی رحمہم اللہ وغیرہ۔
(الورع:۱/۱۰)

## چراغ میں وارثین کا حق ہے

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ نے نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ ایک صاحب کے پاس

حالتِ نزع میں بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثنا میں ان صاحب کا انتقال ہوگیا اور وہاں ایک چراغ جل رہا تھا، ان بزرگ نے کہا کہ یہ چراغ بجھا دو؛ کیوں کہ اس چراغ کے تیل میں اب اس میت کے وارثین کا حق ہوگیا ہے۔ یعنی اب ان کی اجازت کے بغیر اس کا جلانا اور اس سے استفادہ کرنا جائز نہیں۔ (إحياء العلوم:۲/۹۶)

## سوئی کی وجہ سے مواخذہ

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ''كتاب الكبائر'' میں لکھا ہے کہ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ ان کے انتقال کے بعد وہ کسی کے خواب میں آئے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ انھوں نے کہا کہ اچھا ہوا؛ مگر مجھے جنت سے روک دیا گیا ہے؛ کیوں کہ میں نے ایک سوئی کسی سے عاریۃً لیا تھا؛ مگر اس کو واپس نہیں کیا تھا۔ (كتاب الكبائر:۱۲۱)

## مالِ حرام کی سواری سے اجتناب

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ اکابر اولیا میں سے ہیں۔ وہ دہلی سے اپنے وطن ''کاندھلہ'' آنا چاہتے تھے۔ چناں چہ ایک بہلی (گاڑی) کرائے پر لی اور چل پڑے، راستے میں بہلی والے سے گفتگو فرمانے لگے، گفتگو کے درمیان گاڑی بان نے بتایا کہ یہ گاڑی ایک رنڈی کی ہے، میں کرائے پر اس کو چلاتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت پیشاب کے بہانے گاڑی سے اُتر گئے، پیشاب کیا اور بہلی والے سے کہا کہ بیٹھ کر ٹانگیں شل ہوگئی ہیں، ذرا چلنا چاہتا ہوں، تم گاڑی لے کر چلو، میں پیدل چلتا ہوں۔ کافی دور جانے کے بعد گاڑی بان نے عرض کیا کہ حضرت اب بیٹھ جائیے۔ حضرت نے پھر ٹال دیا۔ آخر کار وہ گاڑی بان سمجھ گیا اور کہا کہ آپ رنڈی کی گاڑی پر بیٹھنا نہیں چاہتے ہیں۔ حضرت نے اس کو کاندھلہ لا کر

اس کی مزدوری دے دی؛ مگر پورا راستہ پیدل ہی تشریف لائے۔

(ارواحِ ثلاثہ:۲۱۴)

یہ تمام واقعات نہایت عبرت انگیز اور ہماری آنکھیں کھولنے والے ہیں، جن میں اکابرین کا حلال وحرام کے سلسلے میں غایت تقویٰ اور انتہائی احتیاط ظاہر ہوتا ہے۔

## ایک طالبِ علم کا تقویٰ

ایک طالب علم کا قصہ سناتا ہوں، ایک جگہ پر ایک مسجد میں ایک طالبِ علم رہتا تھا، اس علاقے میں کوئی حادثہ ہوگیا، رات کا وقت تھا، تو ایک عورت اس مسجد میں گھس آئی، وہاں اس عورت نے دیکھا کہ ایک نوجوان مولوی صاحب ایک کونے میں مطالعے میں مصروف ہیں، اس عورت نے آکر ان سے کہا کہ حالات باہر بہت خراب ہیں، امن وامان نہیں ہے، اب میں اپنے مقام پر جانہیں سکتی؛ اس لیے اب میں یہاں رات گزارنے آئی ہوں؛ اس لیے رات یہاں گزارنے کی اجازت دیجیے۔ اب وہ کیسے انکار کر سکتے تھے؟! اجازت دے دی، اب وہ عورت اُدھر کو بیٹھ گئی، دوسری طرف یہ مولانا مطالعے میں مصروف ہوگئے اور ان کے سامنے ایک چراغ جل رہا تھا، وہ طالب علم درمیانِ مطالعہ اپنی انگلی کو چراغ میں داخل کرتے اور نکالتے، پھر کچھ دیر مطالعہ کرتے اور پھر اپنی انگلی کو چراغ میں داخل کرتے اور نکالتے، دوسری طرف یہ عورت اس منظر کو دیکھ رہی تھی، کہ کہیں پاگل تو نہیں ہوگیا کہ اپنے آپ کو جلا رہا ہے، آخر کیا قصہ ہے؟ یہاں تک کہ رات ختم ہوکر جب صبح ہوئی، تو وہ طالبِ علم مسجد کے باہر گئے، حالات کا مشاہدہ کرکے آئے اور اس عورت سے کہا کہ اب نماز کا وقت ہونے والا ہے، نمازی آنے والے ہیں، اس طرح اب تمھارا یہاں رہنا مناسب نہیں، کہ لوگوں میں بدگمانی ہوگی، اب باہر کا راستہ صاف ہوگیا،

آؤ! تم کو باہر تک چھوڑ آؤں، اس نے کہا جب راستہ صاف ہے، تو جانے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن جانے سے پہلے ایک سوال کا جواب چاہتی ہوں۔

سوال یہ کہ رات بھر آپ اپنی انگلی کو جلانے کی کوشش کیوں کرتے رہے، اس راز کو جب آپ بتائیں گے، تب میں یہاں سے جاؤں گی، انھوں نے کہا کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، اس نے کہا جب تک آپ اس راز کو نہیں بتائیں گے، میں یہاں سے جانے کی نہیں، انھوں نے کہا کہ بات دراصل یہ کہ تم جب یہاں آئیں، تو میرے دل میں نفسانی خواہشات ابھرنے لگے اور مجھے بے چین کرنے لگے، میں نے فوراً اپنے دل کو کہا کہ اگر تو برا کام کرے گا، تو تجھے جہنم میں جلنا پڑے گا، اس سے پہلے دنیا کی آگ کا مزہ چکھ لے، میں اسے دنیا کی آگ کا مزہ چکھا رہا تھا اور اپنے نفس کو کہہ رہا تھا کہ اگر تجھ میں اس کو برداشت کرنے کی طاقت ہو، تو پھر آگے دیکھا جائے گا، غرض جب بھی میرا نفس گناہ کا تقاضا کرتا، تو میں اپنے نفس کو آگ کا مزہ چکھاتا تھا، اس طرح پوری رات گذری۔

غور کریں کہ یہ ہے تقوے کی زندگی، اس طرح اپنے آپ کو لذات اور خواہشات سے بچانا چاہیے۔

## خوفِ الٰہی کتنی قیمتی چیز ہے؟

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ کا واقعہ ہے کہ بادشاہ ہارون رشید کا دربار تھا، اس کی مجلس میں مذاکرہ ہو رہا تھا اور بڑے بڑے علما وہاں موجود تھے، امام شافعی اس وقت چھوٹی عمر کے تھے؛ لیکن بڑے شوق کے ساتھ اس مجلس میں جا کر بیٹھ گئے، ہارون رشید نے لوگوں سے سوال کیا کہ تم لوگ جو بڑے علما ہو، بڑے بڑے مشائخ ہو، قران وحدیث کا علم رکھتے ہو، میرے بارے میں بتاؤ کہ میں جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں

جاؤں گا؟ لوگوں نے کہا: اس کا جواب ہم کیسے دے سکتے ہیں؟ قرآن سے مسئلہ تو بتا سکتے ہیں، لیکن کسی کی قسمت کا فیصلہ نہیں بتا سکتے ، ہاں! احکام بتائے جا سکتے ہیں، زندگی میں انسان کو کس رنگ سے کس ڈھنگ سے رہنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کس چیز سے راضی ہوتا ہے اور کس سے ناراض ہوتا ہے؟ یہ تو بتا سکتے ہیں، لیکن یہ سوال کہ ایک آدمی جنت میں جائے گا یا دوزخ میں جائے گا؟ یہ تو غیب کی بات ہے، کسی انسان کے بارے میں قرآن وحدیث کا جاننے والا غیب کی بات کیسے بیان کر سکتا ہے؟

امام شافعی جو ابھی نوعمر تھے، انھوں نے عرض کیا کہ حضور! اگر اجازت ہو، تو میں اس کا جواب دے سکتا ہوں، بادشاہ نے کہا کہ ضرور دیجیے، اللہ تعالیٰ نے امام شافعی کو بڑی بصیرت اور فراست سے نوازا تھا، امام شافعی نے کہا کہ حضور! آپ تو سوال کرنے والے ہیں اور میں جواب دینے والا ہوں، آپ اوپر بیٹھے ہیں اور میں نیچے بیٹھا ہوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے آپ نیچے اتر آیئے اور مجھے اوپر بٹھا دیجیے۔ (یہ اولیاء اللہ جو ہوتے ہیں کسی سے ڈرتے نہیں ہیں، بادشاہ ہو تو کیا ہوا؟ اس لیے کہ جو اللہ اکبر کی رٹ دن رات لگاتا ہو، ہر وقت اس کی زبان پر ''اللہ اکبر'' کا نعرہ ہو اور دل میں اس حقیقت کو جما لیا ہو کہ اللہ سے بڑا کوئی نہیں ہے، وہ کسی کو بڑا سمجھ ہی نہیں سکتا) امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ کہنے لگے کہ آپ سائل ہیں اور میں مجیب ہوں، جواب دینے والے کا مقام اونچا ہوتا ہے، سوال کرنے والے کا مقام چھوٹا ہوتا ہے، اس لیے آپ کو نیچے ہونا چاہیے، بادشاہ نے اس چھوٹے سے بچے کی یہ گفتگو سنی اور کہا کہ اس بچے کو اوپر بٹھا دو اور ہمارے لیے نیچے انتظام کر دو، امام شافعی کو اوپر تخت پر بٹھا دیا گیا اور بادشاہ نیچے اتر گیا، امام شافعی نے کہا کہ اب آپ اپنا سوال پیش کریں؟

جب سوال پیش کیا، تو امام شافعی نے کہا کہ میں ایک سوال آپ سے کرتا ہوں،

آپ بتائیں کہ کیا زندگی میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ اللہ کے خوف سے آپ گناہوں سے بچ گئے ہوں اور وہاں گناہ کرنے سے کوئی چیز مانع بھی نہیں رہی ہو، جو جی چاہے آپ کر سکتے ہوں، لیکن محض اللہ کے خوف اور ڈر کی وجہ سے آپ نے گناہ کو چھوڑ دیا ہو، کبھی ایسی نوبت آپ کو آئی ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ ہاں بسا اوقات ہوا ہے، کوئی روک ٹوک نہیں تھی، کوئی دیکھنے والا تک نہیں تھا؛ لیکن اس کے باوجود میں نے گناہوں سے اپنے آپ کو بچایا ہے کہ کوئی تو مجھ کو نہیں دیکھ رہا ہے، لیکن اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اس پر امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ نے فرمایا کہ اب میں آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ آپ (ان شاء اللہ) جنتی ہیں، لوگوں نے کہا کہ آپ یہ بات کس بنیاد پر فرمارہے ہیں اور اس کی کیا دلیل ہے؟ امام شافعی نے یہی آیت تلاوت کی:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ (النّٰزِعٰت :۴۱-۴۰)

(جو آدمی اللہ کے خوف سے ڈر گیا اور اللہ کے خوف کی وجہ سے گناہوں سے بچ گیا، تو جنت میں اس کا ٹھکانہ بنا دیا جاتا ہے۔)

امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ نے کہا: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان شاء اللہ جنتی ہیں۔

معلوم ہوا بھائیو! اللہ کا خوف اتنی قیمتی چیز ہے، اتنی بھاری چیز اور عظیم الشان چیز ہے کہ جس آدمی کے دل میں اللہ کا خوف آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا فیصلہ لکھ دیتے ہیں۔

## اللہ کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا خوفِ آخرت

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو شدید

بھوک لگی اور کھانے کے لیے کچھ بھی موجود نہیں تھا، آپ گھر کے باہر تشریف لائے، دیکھا تو ایک طرف صدیقِ اکبر نظر آئے، دوپہر کی شدید گرمی کا وقت تھا، آپ نے ان سے پوچھا: ''اے ابوبکر! ایسے وقت کیوں باہر آ گئے؟'' تو انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! بھوک کی شدت نے باہر نکلنے پر مجبور کیا، اس لیے باہر نکل آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی بھوک نے ہی مجبور کیا؛ اس لیے میں بھی باہر نکل آیا ہوں، دونوں حضرات کچھ آگے بڑھے، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نظر آئے، ان سے پوچھا کہ اس وقت باہر کیوں؟ تو ان کا بھی وہی عذر کہ بھوک کی شدت نے مجبور کیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ چلو ''ابوالہیثم'' کے باغ میں چلیں گے، یہ ایک صحابی تھے، ان کا مدینے کے اندر بڑا باغ تھا، حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے، اس وقت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ وہاں موجود نہیں تھے، ان کی بیوی موجود تھیں، انھوں نے حضور ﷺ کو دیکھا؛ تو وہ خوش ہو گئیں، چادر بچھائیں، اس کے بعد کھانے کے لیے انگور وغیرہ لا کر رکھ دیا، حضور اور صحابہ نوش فرما رہے تھے، اتنے میں حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ بھی آ گئے، آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، ان کی تو عید ہو گئی، ان کے پاس ایک بکری موجود تھی، اس کو جلدی سے ذبح کیا اور اس کو بھونا، بیوی کو حکم دیا کہ روٹی پکاؤ، گرم گرم روٹیاں پکا دی گئیں، سالن بھی تیار ہو گیا، لا کر حضور کے سامنے رکھ دیا، حضور نے بھی کھایا اور دیگر اصحاب نے بھی کھایا، فراغت کے بعد حضور نے رونا شروع کر دیا، حضور ﷺ کو دیکھ کر سب کو رونا آ گیا اور ایک کہرام سا مچ گیا، لیکن کسی کو کچھ نہیں پتہ کہ کیوں رویا جا رہا ہے؟ اللہ کے نبی کے رونے کو دیکھ کر سب کو رونا آ گیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا: یا نبی اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر! جو ابھی ہم نے کھانا کھایا ہے،

قیامت کے میدان میں ان میں سے ایک ایک چیز کا ہمیں جواب دینا ہے؛ اس لیے رورہا ہوں۔ (الترمذي:۶۲/۲)

ہمارا حال تو یہ ہے کہ صبح کھا رہے ہیں، شام کھا رہے ہیں، تین تین وقت کھا رہے ہیں، اس کے علاوہ بھی کبھی لسی، کبھی چائے، اس کے باوجود ہمارے دلوں میں اللہ کا کوئی خوف نہیں ہے، جب اللہ کے نبی رورو کر یہ آخری جملہ ادا کر رہے تھے، تو سب کے دل میں عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔

## ''تقوے'' کی عمدہ تعریف

حضرت مرشدی مولانا ابرار الحق صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ ایک مرتبہ ''بنگلور'' تشریف لائے اور ''جامعہ مسیح العلوم، بیدواڑی'' میں حضرت والا کی مجالس بعد عصر ہوا کرتی تھیں، ایک دن بیان کے بعد کار میں بیٹھ کر قیام گاہ روانہ ہوئے اور میں بھی کار میں حضرت کی پشت پر بیٹھا تھا اور راستوں پر خوب ٹرافک تھی اور حضرت کے ڈرائیور کار کو کبھی اِدھر کبھی اُدھر گھماتے؛ تاکہ اور گاڑیوں سے ٹکر نہ جائے، اس کو دیکھ کر حضرت نے ارشاد فرمایا: دیکھو! ''تقویٰ'' اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو ہر خطرے سے بچاتے ہوئے چلے، جیسے ڈرائیور صاحب کار کو خطرات سے بچاتے ہوئے چلا رہے ہیں، پھر فرمایا کہ وہی ڈرائیور کامیاب ہے، جو کسی کو ٹکر نہ لگائے اور خود بھی کسی کی ٹکر نہ کھائے، اسی طرح جو نگاہ اس دنیا میں شریعت کے راستے پر اس طرح چلے کہ کسی ناجائز چیز سے ٹکر نہ لے اور گناہ کا ارتکاب نہ کرے، وہ کامیاب مومن ہے۔

بھائیو! یہ بڑی عمدہ مثال ہے، اس کو ذہن نشین کرلو اور سمجھو کہ جس نے اپنی نگاہوں کی حفاظت کرلی، وہ کامیاب ہے، ایک حدیث میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

نے فرمایا:

«اَلنَّظْرُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَسْمُوْمٌ»

(نظر، شیطان کا زہریلا تیر ہے۔)

جو نظر کی حفاظت کرتا ہے، تو عبادت میں حلاوت آتی ہے "الأدب المفرد" میں امام بخاری رَحِمَهُ اللهُ نے لکھا ہے کہ فضول نظر سے بھی بچنا چاہیے، میں کہتا ہوں جب فضول نظر سے بھی بچنا چاہیے؛ تو نظرِ بد سے بچنا بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے۔

## سید احمد شہید بریلوی رَحِمَهُ اللهُ

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں، جو عبرت انگیز ہے اور یہ واقعہ میں نے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رَحِمَهُ اللهُ سے ایک وعظ میں سنا ہے اور یہ واقعہ ہے حضرت سید احمد شہید بریلوی رَحِمَهُ اللهُ کا، حضرت سید احمد شہید بریلوی رَحِمَهُ اللهُ ہندوستان کے ایک مشہور بزرگ اور بڑے اللہ والے تھے اور انھوں نے ہندوستان کے اندر حضرت شاہ عبدالعزیز رَحِمَهُ اللهُ کے فتوے پر جہاد کی مہم کا آغاز کیا تھا، ان ہی جہادی مہموں کا نتیجہ ہے کہ آگے چل کر یہ ملک آزاد ہوا اور اگر چہ بہ ظاہر یہ تحریکات ناکام ہوئیں؛ مگر درحقیقت بعد کی تمام تحریکات کے لیے یہی تحریکات پیش خیمہ تھیں، انگریزوں کے یہاں سے بھاگنے کا ذریعے ان ہی علمائے کرام کا طفیل ہے، بعض جاہل کہتے ہیں کہ صوفیا نے جہاد نہیں کیا، حضرت سید احمد بریلوی رَحِمَهُ اللهُ مایۂ ناز صوفی ہونے کے ساتھ مایۂ ناز مجاہد بھی تھے، انھوں نے سب سے پہلے آزادی کی جنگ لڑی ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز رَحِمَهُ اللهُ کے فرمان پر وہ کئی جہاد کی مہموں پر گئے؛ بل کہ وہ سپہ سالار بھی تھے اور اسی کے اندر ان کی شہادت واقع

ہوئی، بعض جاہلوں نے صوفیائے کرام کے بارے میں یہ بات پھیلا رکھی ہے کہ صوفیا صرف تسبیح گھونٹتے رہتے ہیں، دیکھو! اگر تمھاری آنکھ ہو اور اگر تمھارے پاس دل ودماغ صحیح موجود ہو، تو صوفیائے کرام کے کارناموں کو دیکھو اور یہ کتنا بڑا صوفی ہے، جن کا نام سید احمد شہید بریلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ ہے، جو سب سے پہلے جہاد کی مہم کا آغاز کرنے والا تھا۔

الغرض سید احمد شہید رَحِمَہُ اللّٰہُ ایک جہاد کی مہم پر گئے، ''پنجاب'' کا علاقہ تھا، وہاں پر پنجابی عورتیں باہر آتی اور جاتی تھیں، گھومنے اور پھرنے آتی تھیں، بازاروں میں بھی آتی جاتی تھیں، ایسے علاقے میں حضرت کا اور تمام مجاہدین کا قیام تھا، ایک دن ایک پنجابی آدمی حضرت کی خدمت میں آیا اور کہا کہ مولانا! میں ایک بات پوچھنے آیا ہوں کہ آپ ان اندھوں کو لے کر یہاں کیوں آئے ہیں؟ اور کیا بستی کے لوگوں میں آپ کو کوئی صحت مند لوگ نہیں ملے کہ آپ اندھوں کو لے کر آگئے؟ آپ تو کچھ دیکھتے ہوئے نظر آتے ہیں؛ مگر اتنے سارے یہ اندھے جو کچھ دیکھتے ہی نہیں، ان کا کیا کام ہے؟ حضرت نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی اندھا نہیں ہے، سب آنکھ والے ہیں، اچھی طرح دیکھتے ہیں، پھر پوچھا کہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ سب اندھے ہیں؟ اس نے کہا: میں ان سب کو اندھا؛ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ ہماری عورتیں یہاں آتی اور جاتی ہیں، بازاروں میں بھی گھومتی پھرتی ہیں، حسین وجمیل ہیں، لیکن آپ کے ساتھیوں میں کا کوئی ایک آدمی بھی کسی عورت پر نگاہ نہیں ڈالتا، ان کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا، اس سے میں نے سمجھا کہ یہ سب اندھے ہوں گے، حسن وجمال کا کیا نظارہ کریں گے، حضرت سید احمد شہید نے فرمایا کہ بھائی! تم نے صحیح دیکھا؛ اس لیے کہ ہمارا کوئی آدمی کسی عورت کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا؛ اس لیے

کہ ہمارے قرآن کا حکم ہے: ﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ﴾ (اے نبی! آپ مومنوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھا کریں۔) یہ عفت اور پاک دامنی کا تقاضا ہے، ہمارے یہ مجاہدین کسی عورت پر نگاہ نہیں ڈالتے، وہ شخص کہنے لگا کہ میں نے تو ان کو اندھا سمجھ لیا تھا، دراصل میں ہی اندھا تھا اور آج آپ نے مجھے بینا بنا دیا۔

حضرات! جو قرآن نہ پڑھتا ہو، وہ سب سے بڑا اندھا ہے، جو حدیث نہ پڑھتا ہو، وہ سب سے بڑا اندھا ہے، یہ اندھے نہیں ہیں، جو نیچے دیکھ رہے ہیں، وہ تو اللہ کے حکم کو دیکھ رہے ہیں۔

## ایک عاشق کا خوفِ خدا سے رونا

ایک بار خلیفہ عبد الملک بن مروان نے ایک شخص کو دیکھا جس نے بہت لمبا سجدہ کیا، جب اس نے سر اُٹھایا، تو اس کے سجدے کی جگہ آنسوؤں کی وجہ سے بھیگی ہوئی تھی، خلیفہ نے ایک آدمی کو وہاں نگرانی کرنے کھڑا کر دیا اور کہا کہ جب یہ فارغ ہو جائے، تو میرے پاس لانا؛ تا کہ اس کی عقل کا امتحان کروں۔ الغرض جب وہ نماز سے فارغ ہوا؛ تو بادشاہ کے سامنے لایا گیا، بادشاہ نے کہا کہ میں نے تجھ سے ایک ایسی بات دیکھی ہے کہ جنت تو اس کے بغیر بھی مل سکتی ہے (یعنی اتنا رونے کی کیا ضرورت ہے جب کہ اس کے بغیر بھی جنت مل سکتی ہے)۔ اس شخص نے ایک زور کی چیخ ماری جس سے بادشاہ بھی خوف زدہ ہو گیا، پھر وہ شخص بے ہوش ہو گیا، پھر بہت دیر بعد اس کو ہوش آیا، تو وہ اپنے چہرے سے پسینہ پوچھ رہا تھا، اور اللہ سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! تیری نافرمانی کرنے والا ہلاک ہو، جب تک کہ وہ آپ کے پاس گناہ کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہے، اس کا یہ خوف دیکھ کر بادشاہ بھی

رونے لگا؛ مگر وہ شخص پیٹھ پھیرے ہوئے کھڑا رہا، یہاں تک کہ نکل گیا۔

(الرقة و البكاء:١٩٠)

## قیامت تک نہیں ہنسوں گا۔''وراد عجلی''

ابن ابی الدنیا رَحِمَہُ اللّٰہُ نے یہ بھی حیرت ناک واقعہ لکھا ہے کہ ابو عمر کہتے ہیں کہ میں ''وراد عجلی'' کو دیکھا کرتا تھا کہ وہ مسجد میں سر کو رومال سے ڈھک کر آتے اور ایک کونے میں کھڑے ہوکر مسلسل نماز پڑھتے، دعا کرتے اور روتے رہتے، پھر مسجد سے نکلتے اور ظہر میں آتے اور اسی طرح نماز ودعا اور بکا میں لگے رہتے، یہاں تک کہ عشا ہو جاتی، پھر مسجد سے نکلتے، نہ کسی سے بات چیت کرتے اور نہ کسی کے پاس بیٹھتے۔ابو عمر کہتے ہیں کہ میں نے ان کے محلے کے ایک آدمی سے ان کے بارے میں پوچھا، تو اس نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟ یہ ''وراد عجلی'' ہیں! جنھوں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ جب تک اللہ کو قیامت میں دیکھ نہیں لیں گے، اس وقت تک نہیں ہنسوں گا۔ (الرقة و البكاء:١٩٢)

## ابو مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ پوری رات روتے رہے

حضرت مالک بن ضیغم رَحِمَہُ اللّٰہُ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت حکم بن نوح نے میرے والد ابو مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ کے بارے میں کہا کہ ایک رات آپ کے والد اول سے آخر تک روتے ہی رہے، جس میں نہ کوئی سجدہ کیا، نہ رکوع کیا، جب صبح ہوئی؛ تو ہم نے کہا کہ اے ابو مالک! پوری رات میں آپ نے نہ نماز پڑھی، نہ دعا کی۔تو وہ رونے لگے اور کہا: اگر مخلوقات یہ جان لیں کہ کل وہ کس چیز کا سامنا کرنے والے ہیں؛ تو کسی عیش کی چیز میں ان کو لذت نہ ملے۔خدا کی قسم! میں نے جب رات کو اس کی ہولناکی اور اس کی تاریکی کی شدت دیکھی، تو قیامت اور اس کی شدت و

ہولنا کی یاد آ گئی، جہاں ہر نفس اپنے آپ میں مشغول ہوگا، نہ کوئی باپ بیٹے کے کام آئے گا اور نہ بیٹا باپ کے کچھ کام آئے گا۔ یہ کہہ کر وہ بے ہوش ہو گئے اور مسلسل کانپتے رہے، پھر جب کچھ سکون ہوا؛ تو ان کو اٹھا کر لے گئے۔

(الرقة و البكاء:۲۰۳)

اللہ والوں کے یہ واقعات بتا رہے ہیں کہ ان حضرات کو اللہ کا کس قدر خوف تھا اور آخرت کی کس قدر فکر تھی؟! جس کی وجہ سے رات رات بھر وہ بے چین رہتے اور روتے اور گڑ گڑایا کرتے تھے۔

## اللہ کے خوف سے ایک پتھر کا رونا

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے، ایک جگہ ان کو پتھر سے رونے کی آواز آئی، تو اس سے پوچھا کہ تو کیوں رو رہا ہے؟ پتھر کہنے لگا کہ مجھے اللہ کا ڈر ہے کہ کہیں قیامت میں اللہ تعالیٰ مجھے بھی جہنم میں نہ ڈال دیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس پتھر کو یہ خدشہ اس لیے ہوا ہوگا کہ قرآن میں ہے:

﴿وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (التحريم:٦)

(جہنم کا ایندھن، انسان اور پتھر ہے۔)

لہٰذا اس نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی جہنم میں ڈال دیں، اگر میں بھی ان جہنمی پتھروں میں رہا، تو میرا حشر بھی برا ہوگا، اس بات کو یاد کر کے میں رو رہا ہوں اور کہنے لگا کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں اور کوہ طور پر اللہ سے ملاقات و مناجات کے لیے جا رہے ہیں، آپ میرے حق میں سفارش کر دیجیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے تسلی دی اور کہا کہ میں اس وقت اللہ کے دربار میں جا رہا ہوں، اللہ سے دعا کر کے تیری بخشش کرا دوں گا، حضرت موسیٰ

عَلَیْہِ السَّلَامُ کوہِ طور پر پہنچے، اللہ سے باتیں کرنے لگے، ان باتوں کے درمیان حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ اس پتھر کو بھول گئے، اب دیکھیے اللہ کی رحمت اور اس پر قربان جایے! کہ جب واپس ہونے لگے، تو اللہ نے کہا کہ موسیٰ! تم اس پتھر کو بھول گئے؟ کیا تم نے اس سے سفارش کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے عرض کیا کہ اے اللہ! واقعی میں بھول گیا، آپ سب کچھ جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جاؤ، اس سے کہہ دو کہ ہم نے اس کی مغفرت کردی اور اس کو بخش دیا اور دیگر پتھروں کے ساتھ اس کو جہنم میں داخل نہیں کروں گا، حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ خوشی خوشی واپس آئے، اس کو خوش خبری سنادی اور چلے گئے، پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو کوہِ طور پر جانا تھا، اسی راستے سے جارہے تھے، دیکھا کہ وہ پتھر پھر بھی رورہا ہے، کہنے لگے کہ میں نے تو تجھ کو خوش خبری سنادی تھی اور اللہ کا پیغام بتایا تھا کہ اللہ تجھ کو جہنم میں داخل نہیں کرے گا، پھر اب رونے کی کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ اے موسیٰ! اُس وقت اللہ کے خوف وڈر کی وجہ سے رورہا تھا اور اب اللہ کی محبت میں رورہا ہوں، کہ جس خدا نے مجھے ایسی نعمت عطا کی؛ کیا اس کی محبت میں مجھے کیوں رونا نہیں چاہیے؟

اللہ اکبر! ہم کتنی نعمتیں کھاتے ہیں؟ لیکن کیا اللہ کی محبت دلوں میں سمائی ہے؟ اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے کا کوئی جذبہ پیدا ہوا؟ جانور اللہ سے ڈریں اور پتھر میں اللہ کا خوف ہو، لیکن انسان بے خوف ہوکر زندگی گذاریں؟ کس قدر تعجب کی بات ہے؟!۔

بھائیو! آج ہماری نمازوں کی کیا حالت ہے؟ کتنے لوگ ہیں جو پنج وقتہ نماز تک نہیں پڑھتے؟! کتنے لوگ ہیں جو جمعہ تک نہیں پڑھتے؟! ایک جانور کو خدا کے ڈر کی وجہ سے پریشانی لاحق ہورہی ہے اور وہ چلاتا ہے، جس کا اثر یہ کہ آدمی سو نہیں پارہا

ہے، ہم جانوروں کے بارے میں سوچتے ہیں کہ یوں ہی چلاتے ہوں گے۔ نہیں! بل کہ کبھی یہ اللہ کے ڈر سے روتے ہیں، کبھی یہ ہم کو احساس دلانے اور ہمارے شعور کو بیدار کرنے کے لیے روتے ہیں، چوں کہ ان کی بات ہم کو سمجھ میں نہیں آتی؛ اس لیے ہم سنی کو ان سنی کر دیتے ہیں۔

## جہنم کے خوف سے ایک صحابی کے آنسو!

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنی بیوی کے گود میں سر رکھے ہوئے لیٹے تھے، اچانک رو پڑے یہ دیکھ کر ان کی بیوی بھی رونے لگی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم کیوں رو رہی ہو؟ بیوی نے کہا کہ آپ کا رونا دیکھ کر میں بھی رو پڑی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یہ آیت یاد آ گئی: ﴿وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا﴾ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا نہیں، جس کا گزر جہنم کی طرف سے نہ ہو۔ اب میں نہیں جانتا کہ میں جہنم سے نجات پاؤں گا یا نہیں اس لیے میں رو رہا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱۳۶/۳)

## اللہ کو رونا بہت پسند ہے

مولانا رومی رَحِمَہُ اللہُ نے ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ حاجت مندوں کو کبھی مایوس نہ کرتے اور ہر سائل کی ضرورت پوری کرتے اور اپنے پاس ہوتا تو دے دیتے اور اگر نہ ہوتا، تو کسی سے قرض لے کر دے دیتے، اس طرح ان بزرگ کے ذمے بہت سے لوگوں کا قرض ہو گیا اور ایک دن سارے قرض خواہ آپس میں مشورہ کر کے آپ کے پاس جمع ہو گئے اور عرض کیا کہ آج ہم آپ سے اپنا اپنا قرض وصول کرنے آئے ہیں اور جب تک آپ دیں گے نہیں، ہم یہاں سے واپس

نہ ہوں گے، ان بزرگ نے فرمایا کہ آپ حضرات تشریف رکھیں، اللہ تعالیٰ دیں گے، تو میں دے دوں گا۔ سارے قرض خواہ بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے، اسی درمیان باہر سڑک کی طرف سے آواز محسوس ہوئی، بزرگ نے خادم سے معلوم کیا کہ کیا آواز ہے؟ خادم نے بتایا کہ ایک بچہ ہے، جو حلوا بیچ رہا ہے۔ فرمایا کہ بھائی! اس کو بلاؤ اور ان مہمانوں کی خاطر داری کرو۔ خادم نے اس بچے کو بلایا اور معلوم کیا کہ حلوا کتنا ہے اور کتنے کا ہے؟ اور پھر ان بزرگ کو اس کی اطلاع کی، انھوں نے اس بچے سے فرمایا کہ سارا حلوا تول دو اور ان سب کو کھلا دو اور تم بھی کھاؤ۔ چناں چہ اس بچے نے حلوا تولا اور سب کو کھلا دیا، جب سب کھا چکے، تو اس بچے نے حلوے کی قیمت مانگی۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر پیسے ہوتے، تو یہ لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہوتے؟ یہ لوگ اسی لیے یہاں بیٹھے ہیں کہ ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں، تو بھی ان کے ساتھ بیٹھ جا، اگر اللہ نے دیا تو تجھے بھی دے دیں گے، یہ سن کر وہ بچہ زور زور سے رونے لگا اور کہا کہ میری ماں مجھے مارے گی اگر میں پیسے لے کر نہ جاؤں۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی نے ان بزرگ کے دروازے پر دستک دی، خادم نے دیکھا: تو ایک صاحب ہیں، جو اپنے ہاتھ میں ایک تھیلی لیے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت کے لیے یہ تحفہ لایا ہوں، اس کو آپ تک پہنچا دو، خادم اس کو لے آیا اور حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ نے فرمایا کہ اس کو کھولو اور دیکھو کہ کیا ہے؟ جب دیکھا تو اس میں اشرفیاں تھیں، فرمایا کہ اللہ نے ان قرض خواہوں کے لیے بھیج دی ہیں، ان کو گن گن کر سب کا قرضہ ادا کر دو، خادم نے ان کو گنا اور قرض خواہوں کو دے دیا، اس تھیلی میں اتنی رقم تھی کہ سارے قرض خواہوں کا قرض ادا ہو گیا اور ساتھ ہی اس بچے کے حلوے کی رقم بھی ادا ہو گئی اور سب لوگ چلے گئے،

اس کے بعد ان بزرگ نے اللہ کی جناب میں عرض کیا کہ اے اللہ! مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور دیں گے؛ مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ نے اتنا رُسوا کر کے کیوں دیا؟ اس پر ان کو اللہ کی طرف سے الہام ہوا کہ ہم تو دینا ہی چاہتے تھے اور یہاں مانگنے والے، تو سب تھے، مگر کوئی رونے والا ہی نہیں تھا، اس لیے ہم نے تاخیر کر دی اور جب یہ بچہ رونے لگا، تو ہم نے اسی کی برکت سے دے دیا۔

یہ قصہ اس بات کے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ اللہ کو رونا بہت پسند ہے اور رونے پر اللہ کی عنایت متوجہ ہوتی ہے، اس لیے دعا میں خوب رونا اور گڑگڑانا چاہیے۔

## ایک نوجوان کا خوفِ الٰہی سے ترکِ گناہ اور موت

امام ابن عساکر رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اپنی ''تاریخ'' میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک نوجوان بڑا عبادت گزار تھا، جو زیادہ تر مسجد میں رہا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو بہت پسند کرتے تھے۔ اس نوجوان کا بوڑھا باپ تھا، جس سے ملنے وہ عشا کے بعد جایا کرتا تھا اور اس کے اس راستے پر ایک عورت کا گھر تھا، اس نے اس نوجوان کو دیکھا تو اس پر فریفتہ ہوگئی اور اس کو اپنی جانب مائل کرنے کے لیے راستے میں بن سنور کر کھڑی ہوتی تھی۔

ایک رات وہ نوجوان اس عورت کے پاس سے گزرا، تو وہ عورت اس کو بہکانے لگی: حتیٰ کہ وہ اس کے فریب میں مبتلا ہوگیا اور اس کے پیچھے اس کے گھر کی طرف چلنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے دروازے پر پہنچ گیا اور جب وہ عورت گھر میں داخل ہوئی، تو اس نوجوان کو اللہ یاد آ گیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوگئی:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴾ (الاعراف: ۲۰۱)

(بلا شبہ جو لوگ تقوی رکھتے ہیں، جب ان کو شیطان وسوسے سے پکڑتا ہے؛ تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، پس وہ دیکھنے لگتے ہیں۔)

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر پڑا، اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور وہ دونوں اس کو اٹھا کر اس نوجوان کے باپ کے گھر تک لے گئے اور اس کے باپ نے دیکھا کہ وہ بے ہوش ہے، تو لوگوں کو تعاون کے لیے بلایا اور لوگوں نے اس کو اٹھا کر گھر کے اندر پہنچایا۔

جب رات کا ایک بڑا حصہ گزر گیا، تو اس کو ہوش آیا، باپ نے پوچھا کہ کیا ہوا، تو کہا کہ خیر ہے۔ باپ نے معاملہ پوچھا، اس نے قصہ سنایا۔ باپ نے دوبارہ وہ آیت اس سے سنی، وہ نوجوان اس کو پڑھ کر پھر بے ہوش ہو گیا، جب اس کو ہلایا گیا؛ تو مر چکا تھا۔ الغرض غسل وکفن دے کر رات میں ہی اس کو دفن کر دیا گیا اور صبح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی؛ تو تعزیت کے لیے تشریف لائے اور اس کے باپ سے فرمایا کہ ہمیں کیوں نہیں جنازے کی اطلاع کی؟ اس نے کہا کہ رات کا وقت تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چلو اس کی قبر پر جائیں گے۔

پس آپ اور آپ کے ساتھی قبر پر آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان کو خطاب کر کے کہا کہ اے فلاں! قرآن میں ہے:

﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ﴾ (الرحمٰن: ۴۶)

(اور جو رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کھائے، اس کو دو جنتیں ہیں۔)

تو قبر سے اس نے جواب دیا کہ ہاں! مجھے اللہ نے دونوں جنتیں عطا کر دی ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق: ۶/ ۱۰۷)

## لبیک پر بے ہوشی

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت زین العابدین علی بن الحسین رحمہ اللہ نے حج کے ارادہ سے احرام باندھا اور سواری پر سوار ہوئے؛ تو آپ کا رنگ فق ہوگیا، سانس پھولنے لگی اور بدن پر کپکپی طاری ہوگئی اور لبیک نہیں کہی جاسکی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں لبیک نہیں کہتے؟ تو کہا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں ''لا لبیک ولا سعدیک'' نہ کہہ دیا جائے، پھر جب لبیک کہا: تو بے ہوش ہوگئے اور سواری سے گر پڑے اور حج پورا ہونے تک یہ بات برابر پیش آتی رہی۔

(تاریخ ابن عساکر:۳۷۸/۴۱،تاریخ الإسلام للذھبي:۲۶۷/۲،تھذیب التھذیب:۲۶۹/۷،تھذیب الکمال:۳۹۰/۲۰)

ایک اور اللہ والے کے ''احرام'' اور ''تلبیہ'' کی کیفیت سنو۔ حضرت عبداللہ بن الجلا رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حج کے ارادے سے میں ''ذو الحلیفة'' (مدینے کی جانب سے میقات) میں تھا، لوگ احرام باندھ رہے تھے، میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ اس نے اپنے اوپر احرام کے لیے غسل کرنے پانی ڈالا؛ پھر کہنے لگا کہ اے میرے رب! میں ''لبیک اللھم لبیک'' کہنا چاہتا ہوں، لیکن ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ مجھ کو ''لا لبیک ولا سعدیک'' سے جواب نہ دے دیں۔ وہ برابر یہ کہتا جارہا تھا اور میں سن رہا تھا، جب اس نے حد کردی، تو میں نے اس سے کہا کہ احرام تو ضروری ہے، کہنے لگا کہ اے شیخ! ڈر ہے کہ میں ''لبیک'' کہوں اور مجھے اللہ جواب میں ''لا لبیک'' نہ فرمادیں۔ حضرت ابن الجلا کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ اللہ سے اچھا گمان رکھنا چاہیے؛ لہٰذا میرے ساتھ تم بھی ''لبیک

اللھم لبیک ‘‘ کہو۔ پس اس نے ’’لبیک اللھم ‘‘ کہا اور اس کو کھینچ کر کہا اور اسی کے ساتھ اس کی روح نکل گئی۔

(تاریخ ابن عساکر: ۴۳۶/۵۲، تاریخ بغداد: ۲۶۶/۵)

## عمر نہیں! تو عمر کا خدا جانتا ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حکم لگا دیا کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے، اس کے بعد ایک رات مدینے میں گشت کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ ایک عورت کو سنا کہ وہ اپنی بیٹی سے کہہ رہی ہے کہ صبح ہونے جا رہی ہے، کیا تو دودھ میں پانی نہیں ملاتی؟

لڑکی نے ماں کو جواب دیا کہ میں کیسے دودھ میں پانی ملاؤں؟ جب کہ امیر المومنین نے منع کر دیا ہے۔ ماں کہنے لگی کہ لوگ تو ملاتے ہیں۔ تو بھی ملا دے۔ عمر کو کیا پتہ چلے گا؟ لڑکی نے کہا:

’’ إِنْ كَانَ عُمَرُ لا يَعْلَمُ فَإِلٰهُ عُمَرَ يَعْلَمُ ، مَا كُنْتُ أَفْعَلُهُ وَقَدْ نَهٰى عَنْهُ. ‘‘

(اگر عمر نہیں جانتے تو (کیا ہوا) عمر کا خدا تو جانتا ہے، لہٰذا میں یہ کام نہیں کروں گی، جب کہ عمر نے اس سے منع کر دیا ہے۔)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی، تو اس لڑکی کی عقل پر تعجب کرنے لگے اور صبح اپنے بیٹے ’’عاصم‘‘ کو بلا کر تحقیق کے لیے بھیجا کہ وہ کون لڑکی ہے؟ معلوم ہوا کہ ’’بنو ہلال‘‘ کی ایک لڑکی ہے۔ پھر حضرت عمر نے اس لڑکی کا نکاح اپنے بیٹے عاصم سے کر دیا اور اس لڑکی سے حضرت عاصم کو ایک لڑکی ’’ام عاصم‘‘ پیدا ہوئی اور اس سے حضرت عمر بن عبد العزیز کے والد عبد العزیز کا نکاح ہوا۔ اس طرح یہ لڑکی حضرت عمر

بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بہو اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی نانی ہوتی ہے۔
(سيرة عمر بن عبد العزيز لأبي محمد بن عبد الحكم:۲۳، شذرات الذهب:۱۱۹/۱)

## ایک دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے

ایک شخص نے ایک عورت سے برائی کا ارادہ کیا اور خلوت میں لے گیا اور اس سے کہا کہ دروازے بند کر دے اور پردہ ڈال دے۔ اس نے دروازے بند کر دیے اور پردے ڈال دیے۔ جب وہ اس عورت کے قریب ہوا، تو اس نے کہا کہ ایک دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کہ کونسا؟ تو کہا کہ وہ دروازہ جو تیرے اور رب کے درمیان ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ خوف خدا سے ایک چیخ مارا اور روح پرواز کر گئی۔

(الزهر الفاتح:۱۳)

## عتبہ غلام کا خوف

مالک بن دینار رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے "عتبہ" غلام کو ایک دن سخت سردی میں کھڑے دیکھا اور اس کو پسینہ آرہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیوں یہاں کھڑے ہو؟ تو کہا کہ اے سردار! اس جگہ میں نے اپنے رب کی معصیت کی تھی۔ پھر یہ اشعار پڑھے:

أَتَفْرَحُ بِالذُّنُوبِ وَ بِالمَعَاصِيْ
وَ تَنْسَى يَوْمَ يُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ
وَ تَأْتِي الذَّنْبَ عَمَداً لاَ تُبَالِيْ
وَ رَبُّ العَالَمِيْنَ عَلَيْکَ حَاصِيْ

(تو گناہ ومعاصی پر خوش ہوتا ہے اور اس دن کو بھول جاتا ہے، جس دن کہ

پیشانیوں کو پکڑا جائے گا اور تو جانتے بوجھتے گناہ کرتا ہے اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ تیرے اوپر رب العالمین نگراں ہے۔)　　　　(الزھر الفاتح:۵۵)

## ایک مردِ صالح کا خوفِ خداوندی

''کوفہ'' کے زاہدین میں سے ایک حضرت سعید رَحِمَہُ اللّٰہُ زاہد گزرے ہیں، انھوں نے نقل کیا ہے کہ کوفے میں ایک نوجوان نہایت عابد وزاہد تھا، جو ہمیشہ مسجد میں رہتا تھا اور حسین وجمیل تھا۔

ایک عورت نے اس کو دیکھا، تو اس کے عشق میں مبتلا ہوگئی اور اس نے راستے میں کھڑے ہو کر اس کو پھسلانا چاہا۔ جب وہ مسجد جارہا تھا، تو اس نے اس سے کہا کہ اے نوجوان! میری ایک بات سن لو۔ مگر اس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور چلا گیا۔ پھر جب وہ مسجد سے لوٹ رہا تھا، تو وہ اس سے کہنے لگی کہ ایک بات میری سن لو، پھر جو چاہے کرنا۔ اس نوجوان نے کہا کہ یہ عام راستہ ہے، جہاں بات کرنا تہمت سے خالی نہیں اور میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ خواہ مخواہ اپنے اوپر تہمت لگاؤں۔

وہ عورت کہنے لگی کہ میں بھی اس کو جانتی ہوں اور تمھارا جو مقام ہے، وہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تم عابد وزاہد لوگ ایک شیشے کی طرح ہو، جس پر ایک معمولی سا دھبہ بھی اس کو عیب دار بنا دیتا ہے؛ مگر مختصر بات کہنا چاہتی ہوں، وہ یہ ہے کہ میرے بارے میں ذرا اللہ سے ڈرو، میرا رواں رواں تمھاری محبت میں گرفتار ہے۔

یہ سن کر وہ نوجوان اپنے گھر چلا گیا اور نماز پڑھنا چاہا، تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیسا پڑھے؟ اس نے ایک کاغذ اٹھایا اور اس عورت کو ایک خط لکھا اور باہر نکلا تو دیکھا وہ وہیں کھڑی ہے، اس نے وہ خط اس کو دیا اور اپنے گھر آگیا۔

اس میں لکھا تھا کہ ''اے عورت! جان لے کہ بندہ جب اللہ کی نافرمانی اول

مرتبہ کرتا ہے، تو وہ اس کو معاف کر دیتا ہے اور جب دوسری بار کرتا ہے، تو اس کی ستاری کرتا ہے اور جب تیسری بار کرتا ہے، تو اس پر اس قدر غصہ ہوتا ہے کہ زمین و آسمان، شجر و پہاڑ اور جانور سب کے سب اس پر تنگ ہو جاتے ہیں؛ لہٰذا کون اللہ کے غصے کو برداشت کرسکتا ہے؟ پس اگر وہ محبت والی بات، جو تو کہہ رہی ہے، وہ غلط ہے تو میں تجھے قیامت کا وہ دن یاد دلاتا ہوں، جس دن کہ آسمان اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے اور لوگ اللہ جبارِ عظیم کی عظمت کی وجہ سے اپنے گھٹنوں کے بل چل کر آئیں گے اور اگر وہ بات سچ ہے کہ تیرا رواں رواں محبت میں گرفتار ہے، تو میں تجھے ہدایت دینے والے طبیب کی جانب رہنمائی کرتا ہوں، جو ہر قسم کے زخموں اور دَردوں کا علاج کرتا ہے اور وہ اللہ رب العالمین کی ذات ہے۔

لہٰذا اسی کے دربار میں جا کر اس سے سوال کر، میں تو تیرے سے ہٹ کر اس آیت میں مشغول ہوں:

> ﴿وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَى الۡحَنَاجِرِ كٰظِمِيۡنَ مَالِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ حَمِيۡمٍ وَّ لَا شَفِيۡعٍ يُّطَاعُ يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ﴾ (غافر :۱۸-۱۹)
>
> (لوگوں کو اس قریب آنے والے دن سے ڈراؤ، جب کہ کلیجے (خوف ودہشت سے) منہ کو آ رہے ہوں گے، اس حال میں کہ وہ گھٹ رہے ہوں گے، گنہ گاروں کا کوئی دوست ہوگا، نہ کوئی سفارشی، جس کی بات مانی جائے، وہ اللہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اس کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہے۔)

اس آیت سے بھاگ کر کوئی کہاں جاسکتا ہے؟ کہتے ہیں کہ وہ عورت چلی گئی اور پھر چند دنوں کے بعد آئی اور راستے پر کھڑی ہوگئی، اس نوجوان نے اس کو دیکھا، تو

دور ہی سے اپنے گھر واپس ہونے لگا، اس عورت نے اس سے کہا کہ اے نوجوان! واپس نہ ہو، آج کے بعد پھر اللہ کے سامنے ہی ہماری ملاقات ہوگی۔

پھر بہت روئی اور کہنے لگی کہ کوئی نصیحت کیجیے۔ اس نے اس کو نصیحت کی کہ اپنے نفس کی حفاظت کرنا اور یہ آیت پڑھی:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰی اَجَلٌ مُّسَمًّی ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُکُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (الأنعام: ٦٠)

(اللہ کی ذات، وہ ہے جو تم کو رات میں اپنے قبضے میں لے لیتا ہے اور تم جو کچھ دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے، پھر دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے؛ تا کہ مقررہ مدت پوری ہو جائے، پھر اسی کی جانب تم کو لوٹنا ہے پھر وہ تم کو بتائے گا کہ تم کیا (عمل) کرتے تھے۔)

وہ عورت سر جھکا کر سنتی رہی اور پہلے سے زیادہ اس پر بکا وگریہ طاری ہو گیا؛ پھر افاقہ ہوا، تو اپنے گھر گئی اور اس نے اللہ سے توبہ کی اور گھر کو لازم پکڑ لیا اور عبادت میں مشغول ہو گئی اور اسی پر اس کی وفات ہوئی۔ (الزهر الفائح: ١٣)

## پھر اللہ کہاں ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بار مدینے کے باہر کسی جگہ سے گزر ہو رہا تھا اور آپ کے شاگرد واصحاب بھی آپ کے ساتھ تھے، ایک جگہ بیٹھ کر ان سب نے کھانا کھایا، اسی اثنا میں ایک بکری چرانے والا بکریاں لے کر وہاں سے گزرا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ کر بہ طور امتحان اس سے فرمایا کہ کیا تم ان بکریوں میں سے ایک بکری ہمیں بیچ سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں؛ کیوں کہ یہ بکریاں میری اپنی

نہیں ہیں؛ بل کہ میں صرف ان کو اجرت پر چراتا ہوں، یہ دوسرے کی بکریاں ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بہ طور امتحان کہا کہ تم یہ ہمیں درہم لے کر بیچ دو اور اس سے کہہ دینا کہ بھیڑیے نے بکری کو کھالیا۔

یہ سن کر وہ ایک دم سے چیخ اٹھا اور کہنے لگا: ”فَأَيْنَ اللّٰه ؟“ کہ پھر اللہ کہاں ہے؟ یعنی کیا اللہ نہیں دیکھ رہا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کی یہ بات سنکر رونے لگے۔

(أسد الغابة:۱۵۳/۲،تاریخ الاسلام:۳۹۵/۸، مختصر تاریخ دمشق:۳۱۵/۴)

## منقش اشیا سے حضور کی نفرت

حضرت سفینہ مولیٰ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مہمان ہوا، آپ نے اس کے لیے کھانا بنوایا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کاش! اللہ کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو بھی ہم بلاتے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ کھاتے، چناں چہ آپ کو دعوت دی گئی، آپ تشریف لائے اور آپ نے دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھا، تو آپ نے ایک پردہ پر نظر کی جو کہ منقش تھا اور واپس لوٹ گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے گئیں اور عرض کیا یارسول اللہ! کس چیز نے آپ کو لوٹادیا؟ فرمایا مجھے یا کسی نبی کو ایسے گھر جانے کی گنجائش نہیں، جو مزین ہو۔

(مشکوۃ:۲۷۸)

## ایمان کی ٹھنڈک کیسے حاصل ہو؟

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رَحِمَهُ اللّٰهُ کہیں جانے کے لیے ایک مرتبہ کار میں بیٹھے، خوب گرمی تھی اور لو تھی، حضرت نے فرمایا کہ ایرکنڈیشن چلادو، ایرکنڈیشن چلادیا گیا؛ لیکن کار میں ٹھنڈک نہیں آئی، تو حضرت نے فرمایا کہ کیا وجہ ہے، تمھارا ایرکنڈیشن کچھ ناقص ہے؟ ٹھنڈک کیوں نہیں آرہی ہے؟ تو ڈرائیور نے

کہا شاید کار کا کوئی شیشہ کھلا ہوا ہے؛ جس سے باہر کی گرمی اندر آرہی ہے، دیکھا تو ایک طرف شیشہ کھلا ہوا تھا، جلدی سے شیشہ بند کر دیا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں پوری کار ٹھنڈی ہوگئی، گرمی اور لو سے حفاظت ہوگئی۔ حضرت نے ایک عجیب بات فرمائی، جو قابلِ وجد ہے، فرمایا کہ اے،سی، چالو ہونے کے باوجود کار میں ٹھنڈک اس لیے نہیں آئی کہ اس کا ایک شیشہ ذرا سا کھلا ہوا تھا، اسی طرح اگر آنکھ، کان، زبان وغیرہ کا شیشہ کھلا ہوا ہو، تو دل میں ایمان کی ٹھنڈک داخل نہیں ہوسکتی، اس لیے اگر ایمان کی ٹھنڈک چاہتے ہو، تو آنکھ کان وغیرہ پر پابندی لگانا ہوگا اور ان کو بند رکھنا ہوگا۔

## عورت کے لیے سب سے بہتر کیا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے پوچھا کہ عورت کے حق میں سب سے بہتر چیز کیا ہے؟ صحابہ سب خاموش رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں گھر واپس آیا، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ عورت کے حق میں سب سے بہتر بات کیا ہے؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر بات یہ ہے کہ وہ مردوں کو نہ دیکھے اور نہ مرد اس کو دیکھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جواب میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نقل کیا، تو آپ نے فرمایا: ہاں! فاطمہ تو میرا جز ہے۔ (مسند فاطمة للسيوطي:١١٨)

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا پردہ میں رہنا کہ نہ وہ کسی اجنبی مرد کو دیکھ سکے اور نہ کوئی اجنبی مرد اس کو دیکھ سکے، بہترین صفات میں سے ہے۔

## بچوں کو صالح بنانے ماں باپ کا صالح ہونا ضروری

ایک میاں بیوی نے عہد کیا کہ ہم صحیح اور نیک زندگی گزاریں گے اور کوئی کام

خلافِ شرع نہیں کریں گے؛ تا کہ ہمارے بچے پر اچھے اثرات مرتب ہوں، چناں چہ ان دونوں نے صحیح طریقے پر اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کیا اور احتیاط کی زندگی گزارتے رہے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کے بچے نے اسکول میں دوسرے بچے کا کچھ سامان چوری کرلیا، تو استاذ نے ماں باپ کو اطلاع دی، ماں باپ گئے اور بچے کو تنبیہ کی، پھر گھر آکر غور کرنے لگے، کہ ہم نے عہد کیا تھا کہ نیک زندگی گزاریں گے، پھر بچے میں یہ چوری کا اثر کیسے ہوگیا؟ تو ماں نے کہا کہ اس میں غلطی میری ہے، کیوں کہ ہمارے پڑوس کے گھر میں ایک بیر کا درخت ہے، جس کی ایک شاخ ہمارے گھر میں آئی تھی اور اس بچے کا جب حمل مجھے تھا، تو میں نے اس میں سے بغیر اجازت کے کچھ بیر کھالیے تھے، اسی چوری کا اثر بچے پر ہوا ہے۔

معلوم ہوا کہ اولاد کے نیک اور صالح ہونے میں والدین کے تقوے کا اور صالحیت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

## حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی فراست

ایک دفعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک بازار میں ایک گناہ ہوگیا کہ نامحرم عورت پر نگاہ پڑگئی، پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور ان کی مجلس میں بیٹھ گئے، حضرت نے فرمایا کہ کیا حال ہے کہ بعض لوگوں کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے اور وہ آکر مجلس میں بیٹھ جاتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ حضرت! کیا جبرئیل اب بھی وحی لاتے ہیں؟ کیا نبوت ختم نہیں ہوئی؟ جبرئیل کی آمد و رفت کیا اب بھی باقی ہے؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں، نبوت کا دروازہ تو بند ہوگیا؛ مگر فراست کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے، مومن کی فراست دیکھ لیتی ہے کہ کس نے کیا گناہ کیا ہے۔

(تفسیر القرطبي: ۱۰/۴۴)

## حضرت جنید بغدادی رَحِمَهُ اللهُ کی فراست

حضرت جنید بغدادی رَحِمَهُ اللهُ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا، وہ یہ کہ ایک عیسائی اپنے مذہب کا بہت بڑا عالم تھا، اس نے کہیں یہ حدیث پڑھ لی:

«اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ»

مومن کی فراست سے ڈرتے رہو، اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

(الترمذي:۳۰۵۲، الطبراني في الأوسط:۳/۳۱۲)

تو یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی کہ سب تو آنکھ سے دیکھتے ہیں، مومن فراست سے کیسے دیکھتا ہے؟ اور کیسے سمجھ میں آئے گی کہ فراست کیا چیز ہوتی ہے، بعض چیزیں سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آتیں، جب تک کہ خود پر نہیں گزرتیں، بس وہاں پر یا تو تقلید کرے اور مان جائے کہ ہاں بھائی ہوتا ہے، یا نہیں تو خود کو حاصل ہو، وہ بات تو سمجھ میں آجائے۔ الغرض اس کو اس حدیث کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، اس نے علما سے پوچھا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ اس کو سمجھایا گیا؛ مگر اس کی سمجھ میں پھر بھی نہیں آیا، تو اس کو کسی نے مشورہ دیا کہ جنید بغدادی رَحِمَهُ اللهُ کے پاس چلا جا، وہ اس کو سمجھا دیں گے۔ چناں چہ وہ مسلمانوں جیسا لباس پہن کر جنید بغدادی رَحِمَهُ اللهُ کے پاس گیا اور جا کر کہا: السلام علیکم، حضرت نے کہا: ''هَدَاكَ اللّٰه'' (اللہ تجھ کو ہدایت دے) اب بس وہیں پر ٹھٹک گیا کہ میں سلام کرتا ہوں، تو سب لوگ سلام کے جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہتے ہیں اور یہ حضرت ''هَدَاكَ اللّٰه'' کہہ رہے ہیں، اس نے کہا کہ حضرت میں نے سلام کیا، آپ نے ''هَدَاكَ اللّٰه'' کہا، سلام کا جواب نہیں دیا، کیا بات ہے؟ حضرت نے کہا: «اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ» مومن کی فراست سے بچو؛ اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے

دیکھتا ہے اور کہا کہ تو تو عیسائی ہے اور مسلمانوں جیسا لباس پہن کر آیا ہے، یہی ہے فراست جس سے میں تجھے دیکھ رہا ہوں، اب اس کی سمجھ میں آیا کہ واقعی ایسا ہوتا ہے۔

## تبرکات میں غلو سے صحابی کی احتیاط

صحابہ، تبرکات کے سلسلے میں نہایت محتاط تھے، ابن اسحاق رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اپنی سیرت میں روایت کیا ہے اور ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اپنی تاریخ میں کہا کہ اس کی سند ''ابو العالیہ'' راوی تک صحیح ہے، وہ روایت یہ ہے کہ حضرت ابو العالیہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے ''تستر'' مقام کو فتح کیا، تو شاہِ ایران ''ہرمزان'' کے بیت المال میں ہم نے ایک تخت پایا، جس پر ایک آدمی کی لاش تھی اور اس کے سر کے پاس ایک مصحف (ان کی مقدس کتاب) رکھی ہوئی تھی، ہم مصحف کو اُٹھا کر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے پاس لے گئے، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے حضرت کعب احبار کو بلایا اور انھوں نے اس کا عربی میں ترجمہ کر دیا۔ حضرت ابو العالیہ کہتے ہیں کہ عرب میں سے میں سب سے پہلا شخص ہوں، جس نے اس کو پڑھا، اس میں تمھارے احوال وحالات اور تمھارے معاملات اور بعد میں پیش آنے والے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ جب حضرت ابو العالیہ سے پوچھا گیا کہ تم نے اس لاش کا کیا کیا؟ تو کہا کہ ہم نے دن میں ایک جگہ تیرہ قبریں کھودیں اور رات میں اس لاش کو ایک قبر میں دفن کیا اور سب قبروں کو برابر کر دیا؛ تاکہ ہم لوگوں سے اس کو چھپا دیں کہ وہ پھر کھود کر اس کو نہ اُٹھا لیں، جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ لوگ اس لاش سے کیا امید رکھتے تھے؟ تو کہا کہ جب بارش ان سے روک دی جاتی، تو وہ لوگ اس لاش کو باہر لاتے اور اس کی وجہ سے ان پر بارش ہوتی۔ پوچھا گیا کہ آپ لوگ اس کو کس کی لاش خیال کرتے ہیں؟ تو کہا کہ یہ حضرت دانیال پیغمبر عَلَیْہِ السَّلَامُ کی لاش تھی۔ پوچھا کہ وہ کب مرے تھے؟ کہا کہ تین سو

سال پہلے۔ پوچھا کہ کیا ان میں کچھ تغیر وتبدیلی آگئی تھی؟ کہا کہ سوائے گدی کے چند بالوں کے کسی چیز میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، کیوں کہ انبیا کا گوشت زمین نہیں کھاتی اور نہ درندے کھاتے ہیں۔

(سیرة ابن إسحاق:۱/۴۳، البداية:۲/۴۰)

اس روایت میں بہت بڑی عبرت ہے، وہ یہ کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت دانیال علیہ السلام کے جسدِ اطہر کو جس کی مقدس ومتبرک ہونے میں کوئی کلام نہیں اور جس کی برکات کا لوگوں نے بار بار مشاہدہ کیا تھا کہ بارش نہ ہونے کی صورت میں ان کے جسد کو باہر لاتے، تو اس کی برکت سے بارش ہونے لگتی تھی، اس مقدس جسد کو ان حضرات نے ایک عجیب ترکیب سے لوگوں سے پوشیدہ رکھا کہ تیرہ قبریں کھودیں اور رات کی تاریکی میں ایک میں اس لاش کو دفن کیا اور باقی کھدی ہوئی قبروں کو بھی برابر کردیا؛ تاکہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ کہاں دفن کی گئی ہے۔ ان حضرات کا اس کو اس قدر پوشیدہ رکھنے کا اہتمام اسی لیے تھا کہ لوگ اس تبرک میں غلو کرکے شرکیات میں کہیں گرفتار نہ ہوجائیں۔

# عاجزی وتواضع
# سلوک کا عظیم راستہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تواضع

ایک مرتبہ کوئی شخص امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مسئلہ پوچھنے گیا، امام صاحب اُوپر کی منزل میں اپنے حجرے میں تھے، سائل نے آواز دے کر امام صاحب کو بلایا، امام صاحب جب نیچے اتر کر آئے تو کہنے لگا، حضرت! معاف کرنا، ایک مسئلہ معلوم کرنا تھا؛ مگر میں بھول گیا کہ کیا مسئلہ تھا، امام صاحب کہنے لگے: کوئی بات نہیں، جب یاد آئے تو آکر پوچھ لینا، یہ کہہ کر امام صاحب اپنے کمرے میں اوپر تشریف لے گئے، جیسے ہی امام صاحب اُوپر چڑھے، تو اس شخص نے آواز دی کہ حضرت! یاد آگیا ذرا نیچے آیئے! امام صاحب جب نیچے آئے، تو کہنے لگا کہ عجیب بات ہے کہ میں پھر بھول گیا، امام صاحب پھر یہ کہہ کر تشریف لے گئے کہ یاد آئے، تو معلوم کر لینا؛ مگر اس نے اسی طرح سات مرتبہ امام صاحب کو اُوپر چڑھایا اور اتارا، یہ بلاتا اور کہتا کہ حضرت بھول گیا، آخری مرتبہ جب آپ آئے، تو کہنے لگا کہ ہاں اب یاد آگیا، یہ مسئلہ پوچھنا ہے کہ پاخانہ میٹھا ہوتا ہے یا پھیکا؟

غور کا موقعہ ہے کہ ایک تو اس نے سات دفعہ ان کو چڑھنے اور اُترنے پر مجبور کیا؛ پھر جو مسئلہ پوچھا، تو ایسا بے ہودہ مسئلہ پوچھا۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی غایت تواضع دیکھیے کہ باوجود اس کے بے ڈھنگے سوال کے بالکل غصہ نہیں ہوئے، اور جواب بھی دیا اور فرمایا کہ پاخانہ جب تک تازہ ہوتا ہے، میٹھا ہوتا ہے اور جب

سوکھ جائے، تو پھیکا ہو جاتا ہے، اس پر وہ کہنے لگا کہ آپ نے جو کہا ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کو حیرت انگیز قسم کی ذہانت دی تھی، آپ نے فرمایا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تک پاخانہ تازہ رہتا ہے، اُس پر مکھیاں بیٹھتی ہیں اور مکھیاں میٹھی چیزوں پر ہی بیٹھتی ہیں اور جب وہ سوکھ جاتا ہے، تو اس پر مکھیاں نہیں بیٹھتیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھیکا ہو جاتا ہے۔

## حضرت مولانا اسداللہ صاحب رَحِمَہُ اللہُ کی تواضع

ایک واقعہ سناتا ہوں، ہمارے زمانے کے ایک بزرگ ہیں، حضرت مولانا اسداللہ خان صاحب رَحِمَہُ اللہُ، جو حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ کے خلیفہ تھے اور ان کے خلیفہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رَحِمَہُ اللہُ اور حضرت اقدس مفتی مظفر حسین صاحب رَحِمَہُ اللہُ ہیں، ان کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ عمدہ اور نئے کپڑے پہن کر کہیں جا رہے تھے، راستے میں ایک جھاڑو دینے والی جھاڑ رہی تھی، حضرت کے اوپر کچھ دھول وغیرہ لگ گئی اور کپڑے کچھ میلے ہو گئے اور حضرت بھی بڑے نظیف ولطیف مزاج انسان تھے، کئی کئی مرتبہ وضو کرتے تھے، جب پوچھا گیا، تو فرمایا کہ دل کو سکون نہیں ہوتا۔ چناں چہ اس دھول وغیرہ کی وجہ سے اس جھاڑنے والی کو ڈانٹ دیا اور کہا کہ تجھے جھاڑو دینا بھی نہیں آتا، میرے کپڑے میلے اور گندے کر دیئے، یہ کہہ کر اپنی جگہ پر آ گئے، جب اپنی جگہ بیٹھے، تو دل بے چین ہوتا ہے، بے قراری پیدا ہوتی ہے، طلبہ کو بلاتے ہیں، خدام کو آواز دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دیکھو بھائی! جھاڑو دینے والی کہاں ہے؟ اس کو بلا کر لے آؤ، سب خدام اِدھر اُدھر بکھر گئے اور تلاش کرنے لگے؛ مگر وہ ملی ہی نہیں، طلبہ نے آکر کہا کہ حضرت! وہ تو نہیں ملی، تو حضرت بے چین ہو گئے، فوراً اٹھے اور خود اس کو تلاش

کرنے لگے، وہ کسی سڑک پر جھاڑو دے رہی تھی، آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا کہ میں نے تجھے ڈانٹ دیا تھا، مجھے خدا کے لیے معاف کر دینا، مجھے حق نہیں کہ میں تجھے ڈانٹوں۔

## شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ کی عاجزی

امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ ایک مرتبہ ایک راستے سے گزر رہے تھے، اُسی راستے میں دوسری طرف سے ایک کتا آ رہا تھا اور راستہ اتنا تنگ تھا کہ کوئی ایک ہی اس پر سے گزر سکتا تھا، جب کتا قریب آیا، تو شاہ صاحب نے کہا: ارے کتے! تو نیچے اتر جا، اس لیے کہ میں نیچے اتروں گا، تو میرے کپڑے گندے ہو جائیں گے اور مجھے نماز پڑھنا ہے اور تجھے کیا؟ تو تو گندگی ہی میں رہتا ہے، گندا ہو گا، تو پھر صاف بھی ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے کتے کو زبان دے دی، کتا کہنے لگا، شاہ صاحب! آپ کی یہ بات تو صحیح ہے، کہ اگر میں گندے نالے میں اتروں گا، تو ناپاک ہو جاؤں گا، پھر پانی میں ایک ڈبکی لگاؤں گا، تو صاف ہو جاؤں گا؛ مگر آپ کے دل میں میری جو حقارت ہے اور اپنی بڑائی۔ اس سے آپ کے دل میں جو نجاست پیدا ہو گئی ہے، وہ سات سمندروں کے پانی سے بھی ختم نہیں ہو سکتی۔

اللہ اکبر! یہ سن کر شاہ صاحب کتے سے معافی مانگنے لگے اور اللہ کی جناب میں توبہ کی، آج ہم لوگ کتے تو کتے! انسانوں؛ بل کہ اپنے سے بڑے و افضل لوگوں کی بھی تحقیر کرتے ہیں اور اپنے کو سب سے بڑا سمجھتے ہیں، غور کرو کہ ہمارے دلوں کی گندگی کا کیا حال ہو گا؟!!۔

## عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللّٰہُ کی عاجزی

امام عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللّٰہُ ایک مرتبہ مجلس میں بڑے بے چین تھے، مضطرب تھے۔ پوچھا گیا کہ حضرت کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہیں؟ تو فرمایا کہ میں نے آج ایک جرأت کا کام کرلیا ہے، جس کی وجہ سے افسوس ہو رہا ہے اور پریشانی ہو رہی ہے کہ میں نے کتنی بڑی جرأت کی ہے؟ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیا کام کر دیا ہے؟ تو فرمایا کہ آج میں نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے جنت مانگ لی، میں کہاں اس کا حق دار ہوں کہ میں نے اس کی مانگ کی ہے۔

## حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ کی عاجزی

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ کہتے تھے کہ اے اللہ! مجھ جیسا گنہ گار جنت نہیں مانگ سکتا، اتنی درخواست کرتا ہوں کہ جنتیوں کی جوتیوں میں جگہ عطا فرما دے اور فرماتے کہ یہ جنتیوں کی جوتیوں میں رکھنے کا سوال بھی؛ اس لیے کرتا ہوں کہ دوزخ کو برداشت کرنے کی سکت نہیں ہے؛ ورنہ تو میں دوزخ کا حق دار تھا۔

یہ حضرات بھی عجیب تھے! علم وعمل، تقویٰ وطہارت، عبادت وریاضت، سب ہے؛ مگر عاجزی کا یہ عالم! اور ایک ہم ہیں کہ کرتے تو کچھ نہیں؛ مگر جنت سے کم پر راضی ہی نہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس کے پوری طرح مستحق ہیں۔

## حاجی امداداللہ صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ کی تواضع

حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رَحِمَہُ اللّٰہُ، اتنے بڑے آدمی تھے، شیخ المشائخ تھے، ہزاروں علما وصوفیا کے رہبر تھے، پھر بھی دعا میں رات میں اُٹھ کر یوں کہتے کہ اے اللہ! میرے پاس کچھ نہیں ہے، بالکل خالی ہوں؛ مگر تیرے بہت سے

نیک بندے مجھے اچھا سمجھتے ہیں ،ان کے نیک گمان اور ان کے طفیل سے میری مغفرت فرمادے۔ سوچیے! اتنے بڑے بڑے لوگ جن کا علم وعمل اورتقویٰ وزہد، بے نظیر تھا، وہ بھی اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔

## حضرت مجدد الف ثانی رَحِمَہُ اللّٰہُ کی عاجزی

میں نے حضرت مجدد الف ثانی رَحِمَہُ اللّٰہُ کے مکتوبات میں حضرت مجدد صاحب کی ایک عجیب بات پڑھی اور پڑھ کر کچھ دیر تک میرا سر چکرانے لگا اور میں حیرت میں ڈوب گیا، حضرت نے پہلے تو یہ نقل کیا کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ ”مریدِ صادق“ تو وہ ہے، جس سے بیس (۲۰) سال تک کوئی گناہ صادر نہ ہوا ہو اور بیس (۲۰) سال تک اس کے بائیں ہاتھ کا فرشتہ کچھ بھی نہ لکھ سکے، اس کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں؛ لیکن میرا خیال تو اپنے بارے میں یہ ہے کہ شاید میرے دائیں ہاتھ کا فرشتہ بیس (۲۰) سال سے کچھ بھی نہ لکھا ہوگا؛ کیوں کہ میں نے کوئی نیکی ہی نہیں کی اور میرے بائیں ہاتھ کے فرشتے کو لکھنے سے فرصت ہی نہ ملتی ہوگی۔

بھائیو! دیکھا آپ نے کہ اتنے بڑے مجدد، اتنے بڑے مجتہد، اتنے بڑے صوفی و بزرگ، جنھوں نے ”الحادِ اکبری“ کو ختم کرنے سب سے پہلے قدم اُٹھایا اور اکبر نے جو رسوم ورواج جاری کیے تھے، ان کو ختم کرنے کے لیے ننگی تلوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے اور جنھوں نے دین کی حفاظت وصیانت کی خاطر اپنے آپ کو داؤ پر لگا دیا تھا، وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں ہے؛ بل کہ اپنی نیکیوں کو نیکی بھی سمجھنے کی ہمت نہیں کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو گنہ گار خیال کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ داہنی طرف کا فرشتہ تو بے کار بیٹھا ہوگا اور بائیں طرف کا فرشتہ بدی و برائی لکھنے میں ایسا مصروف ہوگا کہ اسے فرصت ہی نہ ہوگی۔

جب یہ حضرات یہ کہتے ہیں تو ہمارا اور آپ کا کیا ہوگا؟ کیا ہمیں اپنے عمل پر بھروسہ کر لینے کی اجازت ہوگی؟

## استغفار بھی استغفار کے قابل

حضرت رابعہ بصریہ جو بہت بڑی زاہدہ عابدہ خاتون تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ ہمارا استغفار بھی استغفار کے قابل ہے، یعنی جب ہم استغفار کرتے ہیں، تو وہ اللہ کے شایانِ شان نہیں ہوتا اور اس میں بھی ہم سے گستاخی ہو جاتی ہے، اس کے آداب کا لحاظ نہیں رکھا جاتا؛ اس لیے اس استغفار پر پھر استغفار کرنا چاہیے۔

## اساتذہ کی بے ادبی کا عبرت ناک انجام

ایک واقعہ سناتا ہوں جو خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، جو میرے طالبِ علمی کے دور میں پیش آیا ہے۔ ایک ہمارا ساتھی تھا اور بہت ذہین تھا، ایک مرتبہ سنتا تو پورا سبق یاد ہو جاتا تھا، بڑا ہی ذہین، بڑا چالاک اور صلاحیت واستعداد والا تھا، وہ طلبہ کو تکرار کرایا کرتا تھا؛ مگر اس میں ناز وتکبر تھا، وہ اپنی تکرار میں یہ کہا کرتا تھا کہ میں اُستاذ سے بھی اچھا پڑھا سکتا ہوں اور واقعی وہ بہت اچھے طریقے سے تکرار کراتا تھا اور سارے طلبہ اس کو مانتے تھے، جب سہ ماہی امتحان ہوا، تو مدرسے کے تمام طلبہ میں اول نمبر پر کامیاب ہوا اور امتیازی نمبر حاصل کیے، مگر صرف تین ماہ بعد جب ششماہی امتحان آیا، تو وہ بالکل زیرو نمبر آیا اور ناکام ہوگیا۔ اب یہ سوچنا ہے کہ سہ ماہی اور ششماہی میں کتنے مہینے ہوتے ہیں؟ بہ مشکل تین ماہ، اس کے باوجود اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہونے والا؛ زیرو نمبر سے فیل کیوں ہوگیا؟

اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نے اپنے سے بڑوں کی، اپنے اساتذہ کی تحقیر کی، ان

کو اپنے سے بڑا سمجھنے کے بہ جائے، اپنے سے چھوٹا سمجھا اور ان کی بے ادبی کی اور یہ سب تکبر کی وجہ سے ہوا، اب معلوم نہیں وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے، کیسا ہے؟۔

طلبہ کو اس قصے سے عبرت لینا چاہیے اور اپنے اساتذہ اور بڑوں کا ادب کرتے رہنا چاہیے، ان کی تحقیر وتوہین ہرگز نہ کرنا چاہیے، اسی سے علم آتا ہے؛ ورنہ اولاً تو علم نہیں آتا اور اگر آ گیا، تو وہ علم نفع نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اساتذہ اور مشائخ کے ادب کی توفیق دے اور بے ادبی سے حفاظت فرمائے۔ (آمین)

## حقیر سمجھنے کا گناہ کفر تک پہنچا سکتا ہے

ابو عبداللہ اندلسی رحمہ اللہ حضرت شبلی رحمہ اللہ کے ساتھیوں میں ہیں، حافظِ حدیث تھے، کئی ہزار احادیث یاد تھیں۔ وہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے، راستے میں کچھ لوگ بتوں کی پوجا میں مصروف تھے، ان کو دیکھ کر دل میں ان کی حقارت آ گئی اور دل دل میں کہنے لگے، یہ تو جانور سے بدتر ہیں، بس اسی پر اللہ کی پکڑ شروع ہو گئی، آگے بڑھے تو ایک لڑکی پر نظر پڑ گئی، اس پر دل فریفتہ ہو گیا، اس سے جا کر کہا کہ میں تیرے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، اس نے کہا کہ میرے والد سے بات کرو، انھوں نے اس لڑکی کے والد سے بات کی، تو اس نے کہا: میں دو شرطوں پر میری لڑکی سے تمھاری شادی کروں گا: ایک شرط یہ کہ تم عیسائی بن جاؤ!۔ دوسری شرط یہ کہ میرے سور ہیں، ان کو چرانا ہو گا۔ چوں کہ ان کا دل اس لڑکی کی طرف بہت مائل ہو چکا تھا، اس لیے انھوں نے ان دو شرطوں کو قبول کر لیا اور عیسائی بن گئے۔ بہت دنوں بعد ان کے پاس شبلی رحمہ اللہ آئے، دیکھا کہ عیسائی بن گئے ہیں اور خنزیر چرا رہے ہیں، شبلی رحمہ اللہ نے کہا: تم کو کوئی آیت یاد بھی ہے؟ کہنے لگے کہ نہیں، صرف ایک آیت یاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ﴾ (البقرة :١٠٨)
(جو اپنے سچے دین کو بدل دیا، وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔)

پھر شبلی رحمۃ اللہ نے دریافت کیا کہ احادیث میں سے کچھ یاد ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! صرف ایک حدیث یاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ»
(جو مرتد ہو جائے، اسے قتل کر دو!!)

(البخاري:٢٧٩٤، الترمذي:١٣٧٨)

پھر ان پر اللہ کا فضل ہوا اور شبلی رحمۃ اللہ نے سمجھایا، تو دوبارہ اسلام لائے، اس واقعے میں آپ غور کریں، تو معلوم ہوگا کہ ان کو یہ سزا مخلوق کی حقارت کرنے پر ملی، حال آں کہ انھوں نے کافروں کو حقیر سمجھا تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کافروں کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، بل کہ ان کے گناہ کو حقیر سمجھنا چاہیے۔

## تمھارے پیر کب سے لمبے ہو گئے؟

ایک مرتبہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ کے پاس ایک بادشاہ آیا، جس کا نام "تیمور لنگ" تھا اور اس کے ساتھ کچھ لوگ آئے ہوئے تھے، جب وہ بیٹھا، تو ایک پیر لمبا کر لیا اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ نے بھی اپنے دونوں پیر لمبے کر کے بیٹھے۔ اس میں ایک راز تھا؛ اس لیے حضرت نے اپنے پیر لمبے کر کے بیٹھے تھے اور جس وقت بادشاہ جا رہا تھا؛ تو بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ ایک ہزار اشرفیاں ان کو دے دو؛ تو وزیر نے حضرت کو دیتے وقت کہا کہ تمھارے پیر کب سے لمبے ہو گئے، تو حضرت نے فوراً کہا کہ جب سے میرے ہاتھ سکڑ گئے۔

تو جو لوگ دنیا پر مرتے ہیں وہ قیامت کے دن ذلیل ہو جاتے ہیں؛ اس لیے

دنیا سے پرہیز کرنا چاہیے۔

## دنیا پیروں میں آئے گی

ایک مرتبہ مولانا نانوتوی رَحِمَہُ اللہُ کے پاس ایک شخص آیا کچھ رقم دینے کے لیے، تو حضرت نے اس رقم کو انکار فرمادیا اور اس کے بعد حضرت ایک جگہ تشریف لے گئے، جہاں لوگ جمع تھے اور وہاں سے فارغ ہوکر جانا چاہتے تھے۔ تو جب جوتے پہننے کے لیے جوتے میں پیر ڈالا، تو جوتے میں کوئی چیز محسوس ہوئی، آپ نے لوگوں سے پوچھا، تو لوگوں نے بتایا کہ ایک شخص آیا اور جوتوں میں رقم ڈال کر چلا گیا، تو حضرت نے فوراً فرمایا کہ دیکھو جو لوگ دنیا کو پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں، تو دنیا ان سے آگے بھاگتی ہے؛ لیکن مل نہیں پاتی اور ہم دنیا کو لات مارتے ہیں؛ تو دنیا پیروں پر آکر گرتی ہے۔ اسی لیے دنیا کے چکر میں نہیں رہنا چاہیے۔

## آپ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے بڑے نہیں

ایک بزرگ کسی بادشاہ کو زور زور سے ڈانٹنے لگے، تو اس نے کہا: حضرت! آپ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے بڑے نہیں ہیں اور میں فرعون سے گھٹیا نہیں ہوں، جب اللہ نے موسیٰ جیسے نبی کو فرعون جیسے کافر کے پاس بھیجا تھا، تو اس سے بھی نرمی سے بات کرنے کی ہدایت دی تھی: ﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى ﴾ تو آپ مجھے اتنی شدت وسختی سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟ کیا میں فرعون سے بھی گیا گزرا ہوں اور آپ موسیٰ سے بھی فائق ہیں؟!

## لوگوں کے سامنے عذاب نہ دینا- ابن الجوزی کا تواضع

''صید الخاطر'' میں ابن الجوزی رَحِمَہُ اللہُ نے لکھا ہے کہ وہ ایک مرتبہ

بیان فرمارہے تھے اور سامعین میں دس ہزار کا مجمع تھا اوران کا وعظ سن کر پورے کا پورا مجمع رورہا تھا، سوچو کہ کیا عالی شان خطاب ہوگا، کیا پُر تاثیر بیان ہوگا!!۔ ابن الجوزی رَحِمَہُ اللہُ کہتے ہیں کہ اسی وقت میں نے اللہ سے دعا کی کہ ''اے اللہ! میں گنہ گار ہوں، جنت تو مجھے نہیں مل سکتی، میرے اعمال اس لائق نہیں اور مجھے جہنم میں ہی جانا ہے؛ اس لیے صرف ایک درخواست یہ کرتا ہوں کہ مجھے ان دس ہزار کے سامنے عذاب نہ دینا، ان سے اوجھل رکھ کر جہنم میں ڈالنا''۔

اللہ اکبر! کیا عاجزی ہے، کیا تواضع ہے؟ میں ایک سفر کے دوران ابن الجوزی رَحِمَہُ اللہُ کی یہ بات پڑھا اور یہ واقعہ پڑھ کر میرا سر کچھ دیر کے لیے چکرانے لگا، واقعی یہ حضرات اپنے غایت تواضع وانتہائی عاجزی سے ہی اس قدر اونچے مراتب پر فائز ہوئے ہیں، میں کہتا ہوں کہ اس طریق کا حاصل یہی ہے کہ نیکی کرتا رہے اور پھر بھی ڈرتا رہے، گناہ کر کے ڈرنا کمال نہیں، نیکیاں کر کے ڈرنا کمال ہے۔

## امام ابن مبارک رَحِمَہُ اللہُ کی عاجزی کا حال

حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ کا نام آپ نے سنا ہوگا، بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے اور بڑے بزرگ بھی تھے، جب ان کا آخری وقت آیا، اس وقت وہ اپنے پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے، بے قراری تھی، شاگرد جمع تھے، عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ نے فرمایا کہ مجھے اٹھا کر زمین پر لٹادو، شاگردوں نے کہا کہ حضرت! زمین پر کیوں لیٹنا چاہتے ہیں؟ اوپر تو ذرا آرام ہے، نیچے رہنے پر آپ کو تکلیف ہوگی۔ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: نہیں! مجھ کو اٹھاؤ اور زمین پر ڈال دو۔ خیر حکم تھا، تو شاگردوں نے ان کو اوپر سے اٹھایا اور زمین پر ڈال دیا، ڈالتے ہی ان کی عجیب حالت ہوئی، چہرے کو اور گالوں کو زمین پر رگڑنے لگے اور اللہ سے خطاب کر کے

کہنے لگے کہ اے اللہ! کہیں ایسا تو نہیں کہ مجھ بوڑھے کو آپ جہنم میں ڈال دیں، اس بوڑھے پر رحم فرما، اس بوڑھے پر رحم فرما، بار بار یہی فرماتے چلے جارہے ہیں۔

یہی تو اللہ کا ڈر وعاجزی ہے! جو بندۂ مومن کے قلب کے اندر ہمیشہ جاگزیں ہونا چاہیے، جو اس کو صحیح سمت اور صحیح راستہ بتائے گا۔

## حضرت مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کی عاجزی

میرے استاذ حضرت مفتی نصیر احمد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کو جو خطوط آتے تھے، میں ہی حضرت والا کو پڑھ کر سنا تا تھا، ایک مرتبہ کچھ لوگوں کی طرف سے حضرت والا کو خطوط آئے، جس میں گالیوں کی بھرمار تھی، گستاخانہ الفاظ تھے، تو میں ایسے خطوط پڑھے بغیر ایک طرف رکھ دیتا، تو حضرت والا کہتے کہ ان کو کیوں نہیں پڑھتے؟ ان کو بھی پڑھو، میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ خطوط پڑھنے کے قابل نہیں ہیں؛ کیوں کہ ان میں گالیاں اور دھمکیاں لکھی ہیں، ان کو کیا پڑھوں؟ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ در اصل اللہ کی طرف سے ہماری اصلاح کا انتظام ہے؛ کیوں کہ لوگ ہمیں ''حضرت، حضرت'' کہہ کر ہمارے دماغ کو عرشِ معلیٰ پر پہنچا دیتے ہیں، اس سے بڑائی وعجب پیدا ہوسکتا ہے؛ اس لیے اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے ہماری اصلاح فرماتے ہیں، یہی لوگ تو ہیں جو ہماری اصلاح کرتے ہیں، ہمارے اندر بڑائی آنے نہیں دیتے، یہ تو ہمارے مصلح ہیں۔

اللہ اکبر! کیا ظرف تھا حضرات کا، ایک تو یہ ہے کہ آدمی دوسروں کی گالیوں کو سن کر خاموش رہے۔ یہ ایک درجہ ہے، اس سے بھی آگے ایک بلند درجہ عاجزی کا یہ ہے کہ گالی دینے والوں کو اپنا مصلح کہے۔ واقعی یہ تو عاجزی کی انتہا ہے۔ سب کے بس کی بات نہیں۔

## حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کے تواضع کی انتہا

ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ سبق پڑھانے کے لیے درسگاہ کی طرف جارہے تھے، اس وقت مدرسے کے "ناظم تعلیمات" حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب تھے (جو اس وقت پاکستان میں ایک دینی ادارے کے شیخ الحدیث ہیں۔) حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے قریب آئے اور کہنے لگے حضرت! آپ دس منٹ تاخیر سے آرہے ہیں، یہ اصول کے خلاف ہے؛ لہٰذا آپ اس وقت واپس تشریف لے جایئے اور آئندہ سے وقت پر آیئے۔ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے کچھ نہیں فرمایا، سیدھے اپنے کمرے کی طرف واپس چلے گئے، سبق نہیں پڑھایا۔ پھر جب اسباق کا وقت ختم ہوگیا، چھٹی ہوگئی، تو حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب حضرت والا کے پاس گئے اور بڑے ادب سے عرض کیا کہ حضرت! معافی چاہتا ہوں، نظامت کی ذمے داری کی وجہ سے ایسا کہنا پڑا۔

اس پر حضرت اقدس نے جواب دیا کہ آج مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ میں نے صحیح آدمی کو نظامت کی ذمے داری دی ہے، تم اس کے مستحق ہو۔

بھائیو! یہ عاجزی کی انتہا ہے، اس واقعے کو واقعات کی دنیا میں انوکھا اور بے مثال واقعہ کہا جاسکتا ہے، اس واقعے میں اہلِ مدارس اور بالخصوص مہتمم حضرات کے لیے بڑی عبرت کا سامان ہے، اگر اہلِ مدارس میں ایسی عاجزی پیدا ہوجائے، تو آج مدارس کا نظام عمدہ سے عمدہ ہوجائے گا، سارے اختلافات ختم ہوجائیں گے اور مدارس سے ایسے افراد پیدا ہوں گے، جو ایک طرف علمی صلاحیت کے حامل ہوں گے تو دوسری طرف صالحیت کی عظیم دولت سے مالامال ہوں گے۔

# جانور سے بھی افضل نہ سمجھے

میں حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کی مجلس میں شریک تھا، حضرت نے فرمایا: بچو! تم سب میرے سے افضل ہو، میں تم میں سب سے زیادہ حقیر ہوں، پھر فرمایا: میں تو خنزیر سے بھی حقیر ہوں!۔ اللہ اکبر!! یہ اللہ والے سب کچھ کرنے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے، ہم کچھ کیے بغیر اپنے آپ کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو خنزیر سے بھی افضل سمجھنے کی اجازت نہیں، ایک بزرگ کے سامنے کسی نے خنزیر کو برا بھلا کہا، تو انھوں نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو، برے تو ہم ہیں؛ کیوں کہ وہ تو اپنی ڈیوٹی پوری کر رہا ہے، جس کے لیے اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے؛ مگر ہم اپنی ڈیوٹی انجام نہیں دے رہے ہیں، جس کے لیے اللہ نے ہمیں پیدا کیا، اب بتاؤ! ہم بہتر ہیں یا خنزیر بہتر ہے؟ اللہ ہم سب کو حقیر و ذلیل سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

# علم واہلِ علم کا مقام

سعادت سیادت عبادت ہے علم
بصیرت ہے دولت ہے طاقت ہے علم
بے شبہ وہ جو علم کی دولت سے ہے خالی
کہنے کو بشر ہے ہے بشریت سے خالی

(سید الطاف حسین حالی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## ایک حدیث کے لیے ایک ماہ کا سفر

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ملکِ شام میں ایک صحابی ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں، انھوں نے اس حدیث کو سننے کے شوق سے ایک اونٹ خریدا اور ایک مہینے تک چلتے رہے اور ملکِ شام کو پہنچ کر ان صحابی سے جن کا نام "عبداللہ بن انیس" رضی اللہ عنہ ہے، وہ حدیث سنی اور واپس آئے۔

(البخاري:۱/۱۷، فتح الباري:۱/۱۷۴، مفتاح الجنة:۲۷)

## ایک حدیث کے لیے "مصر" کا سفر

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ مصر میں حضرت عقبہ بن عامر کے پاس ایک حدیث ہے، جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے مصر کا سفر فرمایا اور حضرت عقبہ کا گھر نہ معلوم ہونے کی وجہ سے وہاں کے گورنر "حضرت مسلمہ بن مخلد" کے پاس گئے، انھوں نے ٹھہرنے کی درخواست کی؛ مگر ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے گھر جانا چاہتا ہوں، کسی واقف کار کو میرے ساتھ بھیج دو۔ چناں چہ ایک شخص کے ساتھ حضرت عقبہ کے گھر گئے اور حدیث سنی اور واپس چلے آئے، وہ حدیث یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلمان کا عیب چھپاتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا عیب چھپائے گا۔ (معرفة علوم الحديث للحاكم:۱۰، مفتاح الجنة:۲۷)

## صحابہ کا علمی ذوق

حضرت عمر ﷺ اور ان کے ایک پڑوسی نے جن کا نام بعض علما نے ''عتبان'' نقل کیا ہے، آپس میں باری مقرر کر رکھی تھی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دن وہ اور ایک دن یہ حاضر ہوں گے اور آپ سے سنی ہوئی حدیث اور باتیں ایک دوسرے کو بتائیں گے؛ تا کہ وہ باتیں جو نہ سن سکے ہیں، وہ بھی معلوم ہو جائیں۔
(البخاري:١/١٩)

## ایک مسئلے کی تحقیق کے لیے ''مدینے'' کی حاضری

حضرت عقبہ بن الحارث ﷺ نے ابو اہاب کی لڑکی سے جب شادی کر لی، تو ان کی رضاعی ماں نے آ کر ان سے کہا کہ میں نے تم کو بھی اور اس لڑکی کو بھی دودھ پلایا ہے؛ لہٰذا تمھارا اس لڑکی سے نکاح درست نہیں۔ یہ سن کر حضرت عقبہ ﷺ مکہ مکرمہ سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ''مدینہ'' حاضر ہوئے اور اس سلسلے میں مسئلہ دریافت کیا؛ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟ چناں چہ انھوں نے اس لڑکی کو الگ کر دیا۔ (البخاري:١/١٩)

## ایک بادشاہ کی عظمتِ قرآن

ایک واقعہ یاد آ گیا کہ ایک بادشاہ کا لڑکا، ایک استاذ کے پاس علم حاصل کرتا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ استاذ سے ملنے آئے اور قرآن کی تعلیم کو دیکھ کر خوش ہوئے اور استاذ کو دس ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی دی۔ استاذ نے بادشاہ سے کہا: یہ تو بہت ہیں، ہم نے کیا ہی کیا ہے؟ جو اتنا بڑا انعام ملے۔ بادشاہ واپس ہو گئے اور جا کر حکم بھیجا کہ کل سے آپ میرے بچے کو تعلیم نہ دیں۔ استاذ حیرت میں پڑ گئے کہ کیا قصہ ہے؟۔

بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ کیا خطا ہوگئی؟ کہ آپ نے آپ کے صاحب زادے کو پڑھانے سے منع فرمادیا؟ بادشاہ نے کہا کہ جب آپ نے قرآن کی تعلیم کے مقابلے میں دس ہزار اشرفیوں کو بھاری سمجھا، تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن سے زیادہ اشرفیوں کے قائل ہیں؛ اس لیے میں نے یہ حکم دیا۔

پہلے تو ایسے لوگ ہوتے تھے اور آج سب سے کم تنخواہ ان کی ہوتی ہے، جو قرآن پڑھاتے ہیں؛ اس لیے اچھا پڑھانے والے بھی میسر نہیں آتے اور جاہلوں سے پڑھنا پڑتا ہے؛ لہٰذا یہ بات قابلِ اصلاح ہے، اس پر توجہ دینا چاہیے۔

## ذوقِ علم اور عالمگیر رَحِمَہُ اللہُ کی صاحب زادی

حضرت عالمگیر رَحِمَہُ اللہُ کے زمانے میں ایک مرتبہ شاہِ ایران کی زبان سے بے ساختہ ایک مصرعہ بن گیا، جو بے تکا سا تھا۔ شاہِ ایران نے درباری شعرا سے مطالبہ کیا کہ اس مصرعے کا جوڑ لگا کر شعر پورا کرو۔ شعرا حیران ہوئے کہ بے جوڑ اور بے تکے مصرعے کا کیا جوڑ لگائیں۔ جب ان سے نہ بن سکا، تو شاہِ ایران نے عالمگیر رَحِمَہُ اللہُ کو لکھا کہ ہندوستان کے شعرا، اس مصرعے کا جوڑ بنائیں اور اس پر اس نے انعام بھی رکھا؛ مگر کوئی ہندوستانی شاعر بھی اس کا جوڑ نہ بنا سکا۔ ایک دفعہ اتفاق سے عالمگیر رَحِمَہُ اللہُ کی شاہزادی ”زینب“ سے اس کے مناسب ایک مصرعہ بن گیا اور اس مصرعے نے اس بے معنی مصرعہ کو بھی بامعنی بنادیا۔

شاہِ ایران کا مصرعہ یہ تھا: ”درابلق کسے کم دیدہ بود“

شاہزادی ”زینب“ نے یہ بنایا: ”مگر اشک بتان سرمہ آلود“

حضرت عالمگیر رَحِمَہُ اللہُ نے نام بتائے بغیر یہ مصرعہ شاہِ ایران کو لکھ بھیجا کہ ایک ہندوستانی شاعر نے آپ کے مصرعے کا یہ جوڑ بنایا ہے۔ شاہِ ایران بہت خوش

ہوا اور وہاں کے شعرا کو بھی سنایا، تو وہ بھی خوش ہوئے اور مطالبہ کیا کہ آپ اس ہندوستانی شاعر کو ایران بلائیے کہ ہم اس کی زیارت کریں اور اس سے استفادہ کریں، چناں چہ شاہِ ایران نے عالمگیر رَحِمَہُ اللّٰہُ کو لکھا کہ اپنے شاعر کو یہاں بھیجیں کہ ہم اس کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ عالمگیر رَحِمَہُ اللّٰہُ کو پریشانی ہوئی کہ اپنی لڑکی کو وہاں کیسے بھیجیں؟۔ انھوں نے اپنی لڑکی سے اس کا ذکر کیا۔ لڑکی نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں، میں اس کے جواب میں ایک شعر بناتی ہوں، وہ شعر آپ ایران کو روانہ کردیں۔

وہ اشعار یہ ہیں:

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یعنی میں میرے کلام میں اس طرح مخفی و پوشیدہ ہوں، جیسے پھول کی خوشبو پھول کے پتوں میں مخفی ہوتی ہے۔ لہٰذا جو مجھے دیکھنا چاہتا ہے، وہ میرا کلام دیکھ لے۔

اسی طرح اللہ کی محبت رکھنے والا، اگر اللہ کو دیکھنا چاہے؛ تو وہ اللہ کے کلام کو دیکھے اور اس میں اس کو اللہ تعالیٰ کا جمال اور اس کا کمال نظر آئے گا۔ غرض اللہ کے کلام کی محبت بھی اس کا ایک حق ہے۔

## قرآن کے علوم، ”کیاسٹو“ (Casto) کا تجربہ

”کیاسٹو“ فرانس کا ایک سائنس دان ہے، ۱۹۸۶ء میں وہ کسی سلسلے میں دریا کے سفر پر تھا، تو ایک جگہ اس کو خدا کی قدرت کا یہ حیرت زا اور تعجب خیز کرشمہ نظر آیا کہ دو دریا ایک جگہ مل رہے ہیں؛ مگر عجیب بات وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ دو دریا ملتے ہوئے

بھی ان کا پانی الگ الگ بہہ رہا ہے یعنی وہ دو دریا (Meet) تو ہوتے ہیں؛ مگر (Mix) نہیں ہوتے؛ حال آں کہ ایک پانی جب دوسرے پانی سے مل جاتا ہے، تو (Mix) بھی ہو جاتا ہے اور دونوں میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا؛ مگر یہاں وہ دیکھتا ہے کہ دو دریا ملتے ہیں؛ مگر ان کا پانی ایک دوسرے میں خلط نہیں ہوتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی آڑ رکھی ہو، اس عجیب وحیرت انگیز منظر کو دیکھ کر وہ رک گیا اور اس جگہ ہاتھ مار مار کر دیکھا کہ کیا درمیان میں کوئی آڑ ہے؟ لیکن وہاں کوئی آڑ نہیں تھی، پھر مزید حیرت کی بات یہ کہ کیاسٹو نے اِدھر کا پانی چکھ کر دیکھا، تو میٹھا ہے اور اُدھر کا پانی کھارا ہے، جب کہ دونوں آپس میں مل بھی رہے ہیں۔

کیاسٹو بہت متاثر ہوا، اس نے اس جگہ کے فوٹو گرافس بھی حاصل کر لیے، اس کے بعد فرانس ہی کے ایک مشہور سائنسدان ''ڈاکٹر مریس'' جنھوں نے ایک بہترین کتاب بھی لکھی ہے اور اس میں قرآن کی حقانیت اور صداقت، سائنس کی رو سے ثابت کی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے:

(The Bible , The Quran and Science) ان کے پاس ڈاکٹر ''کیاسٹو'' پہنچا اور تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے حیرت زا واقعہ اور انکشاف کا ذکر کیا اور دعویٰ کیا کہ یہ میری عظیم دریافت ہے، ڈاکٹر مریس نے یہ سن کر کہا کہ یہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہے، جو تم کو دریافت ہوا ہے؛ بل کہ یہ چودہ سو سال پرانا انکشاف ہے۔ کیاسٹو نے کہا وہ کیسے؟ یہ انکشاف کب کس کو ہوا؟ ڈاکٹر مریس نے کہا کہ آج سے چودہ سو سال پہلے محمد صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کو اس واقعے کا علم قرآن کے ذریعے ہو گیا، اس کے بعد اس نے اپنی لائبریری سے قرآن کا فرانسیسی ترجمہ (Translation) نکالا اور یہی آیت نکالی۔

﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ﴾

اس کا ترجمہ سنایا، جس میں اللہ تعالیٰ نے دو دریاؤں کا ذکر کیا ہے، جو مل کر چلتے ہیں؛ لیکن مخلوط نہیں ہوتے اور اس میں اس کا ذکر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں قسم کے پانیوں کے درمیان ایک آڑ بنادی ہے۔ کیاسٹو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا، پھر اس نے قرآن کا مطالعہ کیا اور چند برسوں کے بعد مسلمان ہو گیا۔ غرض یہ کہ قرآن نے اس حیرت انگیز انکشاف کا بہت پہلے ہی علم دے دیا تھا۔

## قرآن کی بلاغت - علامہ طنطاوی کا چیلنج

علامہ طنطاوی مصر کے معروف عالم ہیں، جنھوں نے قرآن کی جدید انداز پر تفسیر بھی لکھی ہے، جس کا نام ہے"جواھر القرآن"۔ ان کا ایک مرتبہ فرانس کا سفر ہوا اور وہاں ان کے کچھ غیر مسلم یہود و عیسائی لوگوں سے دوستی تھی، ایک مجلس میں ان کی گفتگو ان لوگوں سے ہوئی اور وہ سب عربی زبان سے بھی واقف تھے، بل کہ عربی کے ماہر تھے۔ درمیان میں ان لوگوں نے علامہ طنطاوی سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآنِ کریم ایک معجزہ ہے اور اس کے جیسا کلام کوئی نہیں بنا سکتا، کیا یہ صحیح ہے؟ علامہ طنطاوی نے کہا کہ ہاں یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے؟ علامہ طنطاوی نے کہا کہ ہاں میرا اور ہر مسلمان کا عقیدہ یہی ہے، ان لوگوں نے کہا کہ یہ بڑا فرسودہ عقیدہ ہے اور آپ جیسا علامہ اس کو مانتا ہے، تو تعجب ہے!!۔ علامہ طنطاوی نے کہا کہ یہ عقیدہ کوئی فرسودہ عقیدہ نہیں؛ بل کہ ایک حقیقت ہے اور اگر آپ اس کو آزمانا چاہیں، تو میں آپ کو چیلنج دیتا ہوں کہ قرآنِ کریم جیسی ایک آیت بنادیں اور آپ ہرگز نہیں بنا سکتے۔ علامہ نے کہا کہ میں ایک جملہ آپ کو دیتا ہوں، آپ سب عربی کے ماہر ہیں، آپ اس کو عربی

میں بنادیجیے، پھر دیکھیے کہ کیا آپ کا کلام قرآن کے مقابلے کا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم اس کے لیے تیار ہیں، آپ جملہ بتائیے۔ علامہ طنطاوی نے ان سے فرمایا کہ آپ حضرات ایک جملے کی عربی بنائیے، پھر موازنہ کرلیں گے کہ قرآن نے اس مضمون کو کس طرح ادا کیا ہے۔ علامہ طنطاوی نے ایک چھوٹا جملہ ان کو دیا ''جہنم بڑی ہے'' اور کہا کہ اس کی عربی بنائیے، تو وہ لوگ فوراً دو چار جملے عربی زبان میں بنادیئے۔ کسی نے بنایا ''النار وسیعة'' اور کسی نے بنایا ''جھنم فسیحة'' اور کسی نے کہا ''النار فسیحة'' اور کسی نے کہا '' جھنم وسیعة''۔

علامہ طنطاوی نے کہا کہ آپ لوگوں نے جو جملے بنائے ہیں، ان میں کوئی خرابی نہیں، عربی زبان میں جو بھی اس جملے کو ادا کرے گا؛ وہ اسی طرح ادا کرے گا، مگر آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ آپ محض ایک جملہ ادا نہیں کررہے ہیں؛ بل کہ قرآن کا جواب دے رہے ہیں؛ لہٰذا اگر آپ لوگ چاہیں، تو میں آپ کو ایک سال کا یا دو سال کا وقت دینے تیار ہوں، آپ اس جملے کو اس سے بھی اچھے انداز سے بنا سکتے ہوں، تو غور کرلیں۔ انھوں نے کہا نہیں! ہم اس سے اچھا نہیں بنا سکتے اور ہم نے اپنی پوری صلاحیت لگا کر یہ جملے بنائے ہیں؛ لہٰذا اب آپ بتائیے کہ قرآن نے اس مضمون کو کس طرح ادا کیا ہے؟

علامہ طنطاوی نے کہا کہ دیکھو! اسی مضمون کو قرآن کس طرح ادا کرتا ہے۔ علامہ طنطاوی نے قرآنِ کریم کی یہ آیت ان کے سامنے تلاوت فرمائی:

﴿يَوْمَ يَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَئْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ (قٓ :۳۰)

(جس دن کہ ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ تو وہ کہے گی کہ کیا مزید ہے؟)

اس آیت میں بھی یہی مضمون بیان کرنا مقصود ہے، کہ جہنم بڑی ہے؛ مگر اس کو

ایک سادے جملے میں بیان کرنے کے بہ جائے ایک واقعے کی شکل میں بیان کیا کہ جس دن ہم سارے جہنمیوں کو جہنم میں ڈالنے کے بعد جہنم سے کہیں گے، پوچھیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ تو وہ جواب میں کہے گی کہ نہیں اور مزید گنجائش ہے۔ کیا مطلب؟ یعنی جہنم اتنی بڑی ہے کہ سارے جہنمیوں کو اس میں ڈالنے کے بعد بھی اس میں مزید جگہ باقی ہے۔

دیکھیے! ایک یہ اندازِ بیان ہے جہنم کے بڑے ہونے کا اور اس میں بڑی شان وشوکت، بڑی صولت و بلاغت ہے اور ایک یہ انداز ہے: ''جهنم وسيعة'' اور ''النار فسيحة''۔ دونوں کے انداز میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جب علامہ طنطاوی نے یہ آیت ان کے سامنے تلاوت فرمائی، تو وہ لوگ خوشی میں جھومنے لگے اور کہنے لگے واقعی اس کا کوئی جواب نہیں۔

## ایک صحابیہ خاتون کا قرآنی استدلال

ایک دلچسپ واقعہ کتبِ احادیث میں مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں فرمایا کہ عورتوں کا مہر چالیس اوقیے سے زیادہ نہ باندھا جائے، اگر کسی نے اس سے زیادہ مہر باندھا، تو میں اس زیادتی کو بیت المال میں ڈال دوں گا، مجلس میں ایک عورت، عورتوں کی صف سے کھڑی ہوئی اور کہنے لگی کہ امیر المومنین! آپ کو یہ حق نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں؟ تو کہا کہ قرآن تو یہ کہتا ہے:

﴿ وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ﴾ (النسآء: ۲۰)

(اگر تم نے عوت کو ایک قنطار بھی دیا، تو اس میں سے واپس کچھ نہ لو۔)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک ''قنطار'' بھی دیا جاسکتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا کہ عورت نے صحیح کہا اور مرد نے خطا کی۔ (جامع العلم:۱/۱۳۱)

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فہم وبصیرت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے ذکر کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کو اس کے اہل وعیال کے رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا تھا؛ بل کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ کافر کے عذاب میں زیادتی کردی جاتی ہے، جب کہ اس کے اہل وعیال روتے ہیں، پھر آیت پڑھی:

﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (النجم:۳۸)

(کوئی کسی کا گناہ نہیں اٹھائے گا۔)

اس سے اندازہ کیجیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم کس قدر گہرا اور راسخ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس پر سکوت اختیار کیا؛ بل کہ تائید فرمائی۔ (البخاري:۱/۱۷۲)

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تاریخ گواہ ہے کہ بہت بڑی عالمہ اور فاضلہ تھیں، دینی علوم میں ان کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان سے استفادہ کرتے تھے، ان کے والد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بہت سے مشکل مسائل میں ان سے رجوع کرتے تھے۔

حضرت مسروق تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اکابر صحابہ کو دیکھا کہ

میراث کے مسائل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کرتے۔

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ پر جب بھی کوئی مشکل مسئلہ آپڑتا، تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے اور ان کے پاس اس بارے میں ضرور کوئی علم ہوتا۔

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے بڑی خواتین کا علم تھیں۔

امام زہری رحمۃ اللہ نے کہا کہ اگر تمام ازواجِ مطہرات کا اور تمام خواتین کا علم جمع کیا جائے؛ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم سب پر بھاری ہوگا۔

(تہذیب التہذیب:۱۲/۴۳۵، تذکرۃ الحفاظ:۱/۲۸)

یاد رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف علومِ شرعیہ تک ہی اپنے کو محدود نہیں فرمایا تھا، بل کہ دیگر علوم میں بھی انھوں نے مہارت حاصل کی تھی۔ حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہوتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ میں نے علمِ طب (ڈاکٹری) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ نیز فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑا عالم تفسیر میں کسی کو دیکھا، نہ میراث میں، نہ فقہ میں، نہ شعر وشاعری میں، نہ طب میں، نہ تاریخِ عرب میں اور نہ علمِ نسب میں۔

(تذکرۃ الحفاظ:۲۸، تہذیب التہذیب:۱۲/۴۳۵، المنهل الروي:٦)

## حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کا علمِ مقام

اسی طرح حضراتِ ازواجِ مطہرات میں سے حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا بلند پایہ محدثہ وفقیہہ ہوئی ہیں، ان سے (۳۷۸) احادیث مروی ہیں اور انھوں نے جو فتوے دیے، وہ

بھی اتنے ہیں کہ بہ قول ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ ان سے ایک رسالہ بن سکتا ہے۔
(إعلام الموقعين:١٣/١)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بڑے بڑے حضرات نے حدیث کی روایت کی ہے، جیسے: حضرت اسامہ بن زید، حضرت سلیمان بن یسار، سعید بن المسیب، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، عروہ بن الزبیر، کریب اور نافع وغیرہم۔
(تهذيب التهذيب:٤٥٦/١٢)

## حضرت عمرہ کی علمی جلالت

حضرت عمرہ بنتِ عبد الرحمٰن ایک تابعی خاتون ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خصوصیت کے ساتھ علم حاصل کیا اور بہت بڑی محدثہ ہوئیں، علمائے محدثین نے ان کو بڑے قابلِ اعتماد علما میں شمار کیا ہے اور حضرت عبد الرحمٰن بن قاسم جیسے پائے کے محدث ان سے حدیث کے بارے میں پوچھا کرتے تھے، ابن حبان نے فرمایا کہ حضرت عائشہ کی احادیث کو سب سے زیادہ جاننے والی یہی حضرت عمرہ تھیں۔
(تهذيب التهذيب:٤٥٦/١٢)

## امام طحاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ کی صاحب زادی کا علمی تفوق

امام طحاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ فقہ وحدیث اور علمِ کلام کے جلیل القدر عالم وامام گزرے ہیں اور ان کا شمار مجتہدین میں ہوتا ہے، انھوں نے جب اپنی مشہور ومعروف کتاب ''شرح معاني الآثار'' تالیف کی، تو اس عظیم وعجیب وغریب حدیثی تالیف میں ان کی صاحب زادی نے ان کا تعاون کیا، اس طرح کہ امام طحاوی املا کراتے تھے اور صاحب زادی لکھتی جاتی تھیں۔ گویا اس حدیثی ذخیرے کے وجود پذیر ہونے اور منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے میں ایک خاتون کا ہاتھ ہے۔

## علامہ کاسانی رحمہ اللہ کی زوجہ کا فقہی مقام

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فنِ فقہ کے ایک ممتاز امام ہیں، جن کی کتاب ''بدائع الصنائع'' فقہ کا ایک لاجواب ذخیرہ ہے، ان کی زوجہ محترمہ، بہت بڑی فاضلہ اور فقیہ تھیں۔ اور خود علامہ کاسانی کے استاذِ محترم کی صاحب زادی تھیں، ان کے استاذ نے شاگرد کے علم وتقوے وطہارت کو دیکھ کر اپنی لڑکی کی شادی ان سے کردی تھی۔ اس پردہ نشین خاتون کے علم وتفقہ کا یہ عالم تھا کہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ کے پاس آنے والے ہر فتوے پر ان کا بھی دستخط ہوتا تھا اور لوگ اس فتوے کا اعتبار نہ کرتے تھے، جس پر ان کا دستخط نہ ہو۔

## مریم بنت نورالدین۔ امام سخاوی کی استانی

نویں صدی ہجری کی ایک ممتاز خاتون ''ام ہانی مریم بنتِ نورالدین'' ہیں، ان کا گھر علم وفن، شعر وادب کا گہوارہ تھا اور متعدد افراد اس خاندان کے محدثین شمار ہوتے ہیں۔ ان کے نانا قاضی فخر الدین نے ان کی تربیت کی تھی، سب سے پہلے انھوں نے قرآن پاک حفظ کیا؛ پھر فقہ وادب میں دستگاہ بہم پہنچائی، پھر ان کے نانا ان کو مکہ مکرمہ لے گئے، جہاں شیوخِ حدیث سے ان کو حدیث کا سبق دلایا، مصر وحجاز کے بیشتر ممتاز محدثین سے استفادہ کیا، صحاحِ ستہ کی تمام کتب انھوں نے محدثین سے سنی تھیں؛ پھر مسند درس پر فائز ہوئیں، حافظ سخاوی رحمہ اللہ جیسا بلند پایہ امام حدیث ان کا شاگرد ہے۔ (بہ حوالہ: خدمتِ حدیث میں خواتین کا حصہ:۷٦)

## مسیح الامت رحمہ اللہ کا تعلیمی دور

ہمارے حضرت مسیح اللہ صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے ساتھ دو

اورساتھی تھے۔ہم تینوں مل کر پڑھتے تھےاورایک ہی کمرے میں تھےاوردوسال تک وہ میرے کمرے میں تھے؛ مگر مجھے اس طویل عرصے میں ان کا نام تک معلوم نہیں ہوسکا۔ دیکھا بھائی! عقل کو حیران کرنے والا واقعہ کہ دوسال گذر گئے ؛ مگر حضرت کو نام تک معلوم نہ ہوسکا، ان سے بات کرنا دور کی بات ان سے میل ملاقات بعید۔بس کمرے سے نکلے درسگاہ پہنچے؛ پھر درسگاہ سے کمرے میں پہنچے اورمطالعہ شروع، نماز کا وقت ہوا، مسجد چلے گئے کسی سے بات چیت نہیں۔ یہ درحقیقت طالبِ علم کے ”طالبِ علم“ ہونے کی شان ہے، تب جا کرعلم اپنا تھوڑا سا حصہ دیتا ہے۔

## سوءِ حافظہ کا علاج

امام شافعی رحمہ اللہ ایک مرتبہ اپنے استاد امام وکیع رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، امام وکیع امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہیں، اور امام وکیع امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ہیں، بہ ہر حال امام شافعی نے امام وکیع سے شکایت کی، کہ جب بھی کوئی چیز یاد کرتا ہوں، تو یاد نہیں رہتی، بھول جاتا ہوں اس کا کوئی علاج بتائیے۔امام وکیع نے فرمایا: گناہ چھوڑ دو! علمِ الٰہی تمھیں حاصل ہو جائے گا۔ اب ذرا غور کرنا ہے کہ امام شافعی سے بھی کوئی گناہ ہوتا تھا، وہ گناہ کیا کرتے تھے؟!۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ معصوم تھے، یہ انبیا کی شان ہے؛ لیکن خلافِ اولیٰ کام ہوتا ہوگا، اس کو انھوں نے گناہ سے تعبیر کیا۔ اس گفتگو کو انھوں نے اپنے اشعار میں اس طرح پیش کیا:

شَکَوْتُ اِلٰی وَکِیْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ
فَأَوْصَانِيْ اِلٰی تَرْکِ الْمَعَاصِيْ
فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنْ اِلٰهِيْ

وَ نُوْرُ اللّٰہِ لَا یُعْطٰی لِعَاصِیْ

اس لیے بھائی! گناہ سے بچنا اور اس سے پرہیز کرنا چاہیے؛ ورنہ اگر نورِ الٰہی دل میں پیدا نہ ہو؛ تو جینے کا کیا مزہ؟ اس سے تو موت کئی گناہ بہتر ہے، اللہ ہم سب کو اپنا غلام بنائے، آمین۔

## عیسائی کانوینٹ کی تعلیم کا بھیانک نتیجہ

ایک خاتون جن سے ہمارے خاندانی مراسم ہیں، وہ میرے گھر اپنے بچوں کو قرآنِ پاک اور دینیات کی تعلیم کے لیے لایا کرتی تھی، ایک دن وہ خاتون روتے ہوئے آئی، جب رونے کی وجہ پوچھی گئی؛ تو بتایا کہ ابھی آتے ہوئے راستے میں اچانک میرے دونوں بچے نظر نہ آئے، تو میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتی رہی، اچانک میری نظر راستے میں بنے ہوئے مریم یا عیسیٰ علیہ السلام کے ایک بت پر پڑی، تو وہاں میرے دونوں بچے بت کے سامنے گھٹنے ٹیک کر ہاتھ جوڑے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر میں وہاں گئی اور ان کو مار کر لے آئی۔ تو بچے کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کیا برا کیا ہے؟ یہ کام تو ہم اسکول میں روزانہ کرتے ہیں۔ وہ خاتون کہنے لگی کہ اس پر مجھے رونا آرہا ہے۔ میں نے کہا کہ قصور بچوں کا نہیں، آپ والدین کا ہے، جو محض دنیا کے لیے دین سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔

بہ ہر حال اس واقعے سے سمجھا جا سکتا ہے اور سمجھنا بھی چاہیے کہ یہ مشنری اسکول کس طریقے پر بچوں کو ایمان و اسلام سے دور اور کفر و شرک و عیسائیت سے قریب کر رہے ہیں؟

## موجودہ ''تورات'' کا مطالعہ، ایمان کے لیے خطرہ

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ''توریت'' کا نسخہ

لا کر مطالعہ کرنے لگے، یہ دیکھ کر سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا چہرۂ انور غصے کی وجہ سے سرخ ہو گیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عمر! تم اللہ کے نبی علیہ السلام کا چہرہ نہیں دیکھتے ؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو آپ کا چہرہ دیکھا، تو پریشان ہو گئے اور بار بار اللہ و رسول کے غضب سے پناہ مانگنے لگے۔ اس سے آپ کا غصہ کم ہوا، پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! اگر موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام بھی تم میں نازل ہو جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرلو، تو تم سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔ (مشکوۃ:۳۲)

جب اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضراتِ صحابہ کے لیے اس کو برداشت نہیں فرمایا؛ تو اندازہ کرو کہ ان بچوں کے لیے جن کی لوحِ دل ہر نقش کو قبول کرلیتی ہے؛ ان کے لیے اس کی تعلیم ؛ پھر اس کے لیے محنت اور تیاری اور اس کے اسباق میں کامیابی کی فکر کو کس طرح جائز قرار دیا سکتا ہے یا کس طرح اس کو برداشت کیا جا سکتا ہے؟

## ”بائبل“ ایک پوپ کی نظر میں

”بائبل“ محرف ہونے کے ساتھ سچائی وصداقت سے خالی اور معقولیت وعلمیت سے انتہائی دور ہے اور بعض جگہ اس کے مضامین ایمان سوز امور پر مشتمل ہیں۔

اس کے لیے علمائے اسلام کی کتابوں جیسے مولانا رحمت اللہ کیرانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ کی ”إظهار الحق“ وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ میں یہاں پادری یم. اے. پال کی ایک عبارت پیش کرتا ہوں، وہ اپنی کتاب ”میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟“ میں لکھتے ہیں:

۱۹۲۲ء میں بچوں کے نصابِ تعلیم کے مذہبی حصے پر بحث کرتے ہوئے ڈین

مذکور (ویسٹ منسٹر گرجا کے ڈین) نے ایک جلسے میں فرمایا کہ اگر ہم اس نصاب میں ''کتابِ پیدائش'' (بائبل کی پہلی کتاب) کی کہانیاں رکھ دیں، تو آئندہ نسل یہی سمجھے گی کہ ہمارا معیارِ صداقت بہت ہی ادنیٰ درجے کا ہے۔

اس کے نقل کرنے کے بعد پادری یم .اے. پال نے اس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اس معنی خیز فقرے سے یہ مراد ہے کہ ''کتابِ پیدائش'' کی کہانیاں اس فاضلِ الٰہیات کے نزدیک خالی از صداقت ہیں۔''

(میں نے اسلام کیوں قبول کیا: ۱۴/۔۱۵)

غرض یہ کہ ''بائبل'' ایک غلط اور گمراہ کن کتاب ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے پڑھنے کی اجازت نہیں؛ مگر شہری اسکولوں میں اس کو داخلِ نصاب کیا گیا ہے اور مسلم بچے بھی اس کے پڑھنے پر مجبور کیے جاتے ہیں، تو اب مسلم والدین کو غور کرنا چاہیے اور اس مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہیے۔

## ایک حدیث کی تصدیق، ''جرمن ڈاکٹر'' کی زبان سے

آپ نے یہ حدیث پڑھی ہوگی یا کسی سے سنی ہوگی کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

''اگر کتا برتن میں منھ ڈال دے؛ تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ اور ایک دفعہ یعنی اخیر دفعہ مٹی لگا کر دھوؤ۔''

جرمن کا ایک ڈاکٹر تحقیق کرنے لگا کہ محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کتے کے منہ ڈالے ہوئے برتن کو سات بار دھونے کا حکم کیوں دیا ہے؟ وہ ڈاکٹر کہتا ہے کہ میں نے سب سے پہلے تحقیق کی کہ کتا اگر برتن میں منھ ڈالے، تو اس کا کیا اثر ہوتا ہے؟

کہتا ہے کہ میں نے کتے کا منہ ڈالا ہوا، برتن لے کر، آلات کے ذریعے معلوم کیا، تو پتہ چلا کہ ایسے برتن میں خطرناک جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں، اس سے اتنی بات تو خوب سمجھ میں آگئی کہ ایسے برتن کو سات بار دھونے کا حکم ان ہی جراثیم کو مارنے کے لیے ہوگا، اس کے بعد اس ڈاکٹر نے اس برتن کو سات دفعہ صاف کیا اور پھر آلات سے دیکھا، تو معلوم ہوا کہ جراثیم ختم نہیں ہوئے ہیں، وہ کہتا ہے کہ پھر میں نے مٹی سے اس برتن کو صاف کیا اور پھر آلات سے دیکھا، تو معلوم ہوا کہ تمام جراثیم جو کتے کے برتن میں منہ ڈالنے سے پیدا ہو گئے تھے، سب ختم ہو چکے ہیں۔

سبحان اللہ! دیکھیے اللہ کے نبی کی حکمت! آپ کا علم! آپ کے کمالات کہ ایک چھوٹی سی حدیث اور کس قدر حکمتیں ہیں؟!۔

## صحابہ پر سب وشتم کرنے والے پر عذاب

صحابہ کو برا بھلا کہنے والے پر آخرت سے پہلے بسا اوقات دنیا میں بھی عذاب لوگوں کو دکھایا گیا ہے۔ علامہ ابن القیم رَحِمَہُ اللہُ "کتاب الروح" میں لکھتے ہیں کہ ابو اسحاق نے کہا کہ مجھے ایک میت کو غسل دینے کے لیے بلایا گیا، جب میں نے اس کے چہرے سے کپڑا اٹھایا؛ تو دیکھا کہ ایک سانپ ہے، جو اس کے گلے میں لپٹا ہوا ہے اور بہت موٹا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں چلا آیا اور اس کو غسل نہیں دیا، لوگ بیان کرتے تھے کہ وہ صحابہ کو برا بھلا کہتا تھا۔ (کتاب الروح: ۷۰)

"ائمہ تلبیس" میں بدایونی کے حوالے سے اکبر بادشاہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ملّا احمد نامی ایک رافضی صحابہؓ کرام کو گالیاں دیتا تھا، ایک مرتبہ اکبر لاہور آیا ہوا تھا، ملا احمد صحابہؓ کرام کے خلاف سب وشتم کی غلاظت اچھالنے لگا، ایک غیور مسلمان "مرزا فولاد بیگ" نے اس کو قتل کر دیا اور یہ رافضی کئی دن تک حالتِ نزع میں دم

توڑتا رہا، اس اثنا میں اس کا چہرہ مسخ ہو کر سور کی شکل میں تبدیل ہو گیا تھا، بہت سے لوگوں نے اس کو اس حالت میں دیکھا۔ ملا بدایونی کہتے ہیں کہ میں نے بھی اس کو اس حالت میں دیکھا۔ (ائمۂ تلبیس لابی القاسم رفیق دلاوری:۳۳۴)

## بوعلی سینا ''اخلاق ندارد''

بوعلی سینا جو بہت بڑا حکیم گزرا ہے، اس کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، انھوں نے ایک دفعہ بوعلی سینا کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ ''بوعلی سینا اخلاق ندارد'' ۔یعنی بوعلی سینا اخلاق نہیں رکھتا۔ یہ جملہ جب بوعلی سینا کو معلوم ہوا، تو اُس نے ''اخلاقیات'' میں ایک بہترین کتاب تصنیف کر دی اور اس میں اخلاق کی تمام تفصیلات جمع کر دیا۔ اخلاق کے اصول وفروع، اخلاق کی اقسام وانواع، اخلاق کے آثار ولوازمات، وغیرہ سب کچھ لکھ دیا اور ایک نسخہ اُن بزرگ صاحب کے پاس بھی بھیجا، جنھوں نے یہ کہا تھا کہ ''بوعلی سینا اخلاق ندارد''۔ تو کسی نے ان بزرگ سے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے کہا تھا کہ بوعلی سینا اخلاق ندارد، اُس نے تو اخلاق پر اتنی زبردست کتاب لکھ کر بتا دیا ہے کہ وہ اخلاق جانتا ہے۔ حضرت نے کہا کہ میں نے کب یہ کہا تھا کہ بوعلی سینا اخلاق نداند، کہ بوعلی سینا اخلاق جانتا نہیں، میں نے تو یہ کہا تھا کہ ''اخلاق ندارد''، یعنی وہ اخلاق رکھتا نہیں، جاننا الگ بات ہے، رکھنا الگ بات ہے، کتاب لکھ دینا الگ بات ہے اور اُسے عملی جامہ پہنانا الگ بات ہے۔

# حسنِ معاشرت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## دوسروں کو تکلیف دینے کا انجام

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ بعض عارفین سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا، جس کا ہاتھ مونڈھے سے کٹا ہوا تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ تیرا کیا قصہ ہے؟ کہا کہ اے بھائی بڑا عجیب قصہ ہے، وہ یہ ہے کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا، جس نے مچھلی شکار کر رکھی ہے، جو مجھے پسند آ گئی، میں نے اس سے کہا کہ یہ مچھلی مجھے دے دے، اس نے کہا کہ میں نہیں دے سکتا ہوں؛ کیوں کہ میں اسی کی قیمت سے میرے اہل وعیال کی غذا وخوراک کا انتظام کرتا ہوں، یہ سن کر میں نے اس کو مارا اور اس سے وہ مچھلی زبردستی لے لی اور چلا گیا۔ وہ کہتا ہے کہ میں اس کو اٹھا کر لے جا رہا تھا کہ اس مچھلی نے میرے انگوٹھے کو زور سے کاٹ لیا۔ جس سے میں نے بہت ہی درد محسوس کیا۔ حتی کہ شدت تکلیف کی وجہ سے سو بھی نہ سکا اور میرا ہاتھ بھی سوج گیا اور صبح ہوئی تو طبیب کے پاس گیا، اس نے کہا کہ اب یہ سڑنا شروع ہو گیا ہے؛ لہٰذا انگلی کو کاٹ دو؛ ورنہ ہاتھ کاٹنا پڑے گا، وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی انگلی کٹوا دی؛ مگر یہ تکلیف بڑھ کر ہاتھ میں آ گئی، مجھ سے کہا گیا کہ گٹوں تک ہاتھ کٹوا دو، میں نے کٹوا دیا؛ مگر تکلیف بازو تک پھیل گئی، تو یہاں تک کاٹ دینا پڑا، بعض لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ یہ تکلیف کس سبب سے پیدا ہوئی؟ میں نے مچھلی کا قصہ سنایا، اس نے کہا کہ اگر تو پہلی ہی دفعہ مچھلی والے سے مل کر معاف کرا لیتا؛

تو تیرے اعضا نہ کاٹے جاتے۔ لہٰذا اب جا کر معافی مانگ لے، وہ کہتا ہے کہ میں گیا اور معافی مانگا اور یہ میرا قصہ سنایا، تو اس نے معاف کر دیا۔

(کتاب الکبائر:۱۱۴)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کا حق چھیننا اور دبا لینا، کسی کو تکلیف دینا، خدا کو ناراض کر دینا ہے اور اس سے دنیا و آخرت دونوں جگہ مصیبت اٹھانی پڑتی ہے۔

## پڑوسی کی تکلیف سے بچنے کی نبوی تدبیر

ایک شخص آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے پڑوسی سے مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے، پہلے آپ نے صبر کی تلقین کی؛ مگر جب وہ پھر شکایت لے کر آئے، تو فرمایا کہ اپنے گھر کا سامان باہر راستے پر ڈال کر وہاں بیٹھ جاؤ۔ چناں چہ انھوں نے ایسا ہی کیا، تو آنے جانے والے پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟ تو انھوں نے لوگوں سے بتایا کہ میرا پڑوسی مجھے تکلیف دیتا ہے، میں نے اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے شکایت کی، تو آپ نے مجھے اس طرح کرنے کا حکم دیا۔ یہ بات سن کر لوگ اس پڑوسی پر لعنت کرنے لگے اور یہ بات اس کو پہنچی کہ میری اس طرح رسوائی ہوگئی، تو آ کر اس سے اس نے معافی مانگی اور مکان پر لے گیا اور وعدہ کیا کہ پھر ایسا نہ کروں گا۔

(الأدب المفرد:۳۲، أبو داود:۲/۷۰۱)

میں کہتا ہوں کہ یہ شرافت بھی اس دور کا خاصہ ہے الا ماشاء اللہ۔ ورنہ آج لوگ اس طرح کرنے سے بھی باز تو کیا آتے، ہوسکتا ہے کہ الٹا اس کو رسوا کرنے کی کوشش کریں۔ غرض پڑوسی سے حسنِ معاشرت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے حقوق ادا کیے جائیں اور اس سے اچھا سلوک کریں۔

## پڑوسی کی ایذا پر صبر

ایک واقعہ عرض کرتا ہوں، جس کو علامہ ذہبی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اپنی کتاب ''الکبائر'' میں درج کیا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رَحِمَہُ اللّٰہُ کا ایک غیر مسلم پڑوسی تھا اور اس کے گھر کے بیت الخلا سے ایک سوراخ ہو کر حضرت تستری رَحِمَہُ اللّٰہُ کے گھر میں نجاست آکر گرتی۔ حضرت نے اس جگہ ایک برتن رکھ دیا، دن بھر اس میں نجاست جمع ہوتی اور رات کو آپ لے جا کر کسی دور جگہ ڈال آتے۔ یہ سلسلہ برس ہا برس جاری رہا، جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آنے لگا، تو آپ نے اس پڑوسی کو بلایا اور فرمایا کہ اس کمرے میں جا کر دیکھو کیا ہے؟ اس نے دیکھا کہ برتن ہے۔ اور اس میں نجاست گر رہی ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ایک طویل عرصے سے تیرے گھر سے اس طرح نجاست گرتی ہے اور میں دن میں جمع کر کے رات کو دور کہیں ڈال آتا تھا؛ مگر اب اس لیے بتانا پڑا کہ میری موت قریب ہے اور شاید اس جگہ آنے والا دوسرا پڑوسی ایسے اخلاق نہ برت سکے۔

یہ سن کر اس نے کہا کہ اے شیخ! آپ تو ہمارے ساتھ ایسا معاملہ فرمائیں اور میں کفر پر رہوں، آپ اپنا ہاتھ دیجیے کہ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مسلمان ہو گیا۔
(الکبائر:۲۰۹-۲۰۸)

## قطعِ رحمی کی سزا

ایک مال دار آدمی حج کو گیا اور اپنا مال مکے کے ایک امانت دار شخص کے پاس امانت رکھ دیا اور عرفے کے وقوف وحج سے فراغت کے بعد جب اپنا مال لینے گیا؛ تو پتہ چلا کہ اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے اور یہ بھی علم ہوا کہ اس کی امانت کے بارے

میں اس کے رشتہ داروں کو کچھ بھی علم نہیں ہے۔ بعض علمانے اس کا مسئلہ سن کر کہا کہ آدھی رات میں ''زم زم'' کے کنویں میں اس کو پکارو کہ اے فلانے! اگر وہ جنتی ہے، تو جواب دے گا، وہ گیا پکارا؛ مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ علما نے مشورہ دیا کہ بیر ''برہوت'' (جو یمن کا ایک کنواں ہے) اس میں اس کو پکارو، اگر وہ دوزخی ہے، تو وہاں سے جواب دے گا۔ اس نے جا کر پکارا، تو جواب ملا اور اس کی امانت کے بارے میں اس نے بتادیا کہ فلاں جگہ رکھی ہے۔ اس آدمی نے اس سے پوچھا کہ تم دوزخ میں کس طرح چلے گئے، جب کہ ہم تمھارے بارے میں نیک گمان رکھتے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ میری ایک بہن تھی، جس سے میں نے قطع تعلق کر رکھا تھا، اس کی سزا میں مجھے یہاں دوزخ میں ڈالا گیا ہے۔

علامہ ذہبی رَحِمَہُ اللّٰہُ فرماتے ہیں کہ اس کی تصدیق، حدیث میں ہے کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ (الکبائر:۴۹)

## قساوتِ قلبی کی انتہا

ہمارے معاشرے کی افسوسناک حالت ہے، جو اس کو تباہی کے غار سے قریب سے قریب تر کرتی جارہی ہے، انتہائی درجے کی سخت دلی اس میں سرایت کرتی جا رہی ہے، اس کا اندازہ ایک واقعے سے ہوگا جو بعض رسائل میں شائع ہوا تھا۔

وہ یہ کہ ایک عورت مجبور و بے کس شدید بیمار ہوگئی اور اس کو فوری طور پر علاج معالجہ کے لیے تین سو روپیوں کی ضرورت تھی۔ وہ عورت پریشان ہوکر پڑوس کے ایک گھر گئی اور اپنی ضرورت کو اس گھر کی عورت کے سامنے رکھا اور تین سو روپے قرض کا مطالبہ کیا؛ مگر اس عورت نے انکار کر دیا اور اسی روز رات میں ان لوگوں کو کسی

شادی کی تقریب میں جانا تھا؛ تو اس کے لیے اپنی تین لڑکیوں کے ''میک اَپ'' کے لیے بیوٹی پالر میں نو سو روپیے خرچ کیے اور خیال کیا کہ آج شادی کی محفل میں ہماری خوب تعریفیں ہوں گی، ہماری خوبصورتی کے گیت گائے جائیں گے؛ مگر وہاں کسی نے منہ نہ نکالا؛ اس لیے کہ وہاں تو ہر ایک اسی خیال میں مگن ہے، شادی سے واپس ہو کر رات سو گئے، صبح اٹھ کر اس بناوٹ وخوبصورتی کو تو دھونا ہی تھا ادھر اس کو دھویا اور نو سو روپیے پانی میں بہائے گئے ادھر سے خبر آتی ہے کہ وہ بیمار عورت علاج کے لیے رقم نہ ہونے کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی اور موت نے اس کو لقمہ بنالیا۔

کیا سنگ دلی ہے؟ کیا قساوتِ قلبی ہے؟ یہ واقعہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔ معاشرے میں اس طرح کے واقعات دن ورات پیش آتے ہیں کہ اپنی فضولیات پر خرچ کرنے کو تیار؛ مگر کسی کی ضرورت وحاجت میں کام آنے کو تیار نہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں؟ جو اپنی اور اپنے بچوں کی شادیوں میں صرف فضولیات پر ہزاروں نہیں لاکھوں خرچ کر دیتے ہیں، خود ان کے خونی رشتہ میں ان کے بے شمار بھوکے، ننگے، بیوہ ویتیم ومسکین لوگ پریشانی ومشکل کی زندگی گزار رہے ہیں، یہ لوگ ان کی طرف کرم کی نظر بھی نہیں ڈالتے اور اپنی شان جتانے کے لیے اللہ کا دیا ہوا مال فضول وحرام چیزوں میں لگاتے ہیں، اس سے زیادہ سنگ دلی اور کیا ہو سکتی ہے؟۔

## جانور پر بھی احسان وکرم کا حکم ہے

اسلام میں تو یہ تعلیم ہے کہ جانوروں پر بھی رحم اور احسان کا معاملہ کیا جائے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ایک آدمی چلا جا رہا تھا کہ اس کو بڑے زور سے پیاس لگی، راستے میں کنواں تھا، وہ کنویں میں اترا اور پانی پی کر باہر آیا، تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے بیتاب ہو رہا ہے اور کیچڑ چاٹ کر

پیاس بجھانے کی کوشش کر رہا ہے، اس آدمی کو خیال آیا کہ جیسے مجھے پیاس لگی تھی اور میں پریشان ہوا تھا، اسی طرح اس کتے کو بھی پیاس سے پریشانی ہوئی ہوگی۔ یہ سوچ کر کنویں میں اترا اور اپنے موزے میں پانی بھرا اور موزے کو منہ میں پکڑ کر کنویں سے باہر نکل آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آدمی پر اللہ نے رحمت کی اور اس کے عمل کی وجہ سے اس کو بخش دیا، صحابہ نے عرض کیا کہ کیا کتے پر رحم کرنے پر بھی ثواب ملتا ہے؟ فرمایا: ہاں! ہر جانور پر احسان کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

(البخاري:۸۸۸/۲،الأدب المفرد:۷۹)

اس حدیث میں سبق دیا گیا ہے کہ جانوروں پر بھی رحم کرنا چاہیے۔

## بلی پر ظلم کرنے والی عورت کا انجام

جب جانوروں پر رحم کا حکم ہے، تو ان پر ظلم کرنا ناجائز ہوگا اور ہونا بھی چاہیے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے زمانے کی ایک عورت کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ ایک عورت نے بلی کو باندھ دیا اور اس کو کچھ کھانے بھی نہیں دیا؛ یہاں تک کہ بھوک سے وہ مرگئی۔ اس حرکت کی وجہ سے اس عورت کو دوزخ میں ڈالا گیا اور اس سے کہا گیا کہ نہ تو تُو نے اس کو کھلایا، نہ پلایا اور نہ اس کو کھول کر چھوڑا کہ وہ خود کچھ کھالیتی اور اپنی جان بچاتی۔ (الأدب المفرد:۷۹)

غرض یہ کہ جب اسلام جانوروں کے ساتھ بھی بے رحمانہ سلوک کی اجازت نہیں دیتا اور ان کے ساتھ احسان کا حکم دیتا ہے، تو پھر انسانوں کے ساتھ کس قدر ہمدردی اور احسان کا معاملہ ہونا چاہیے؟ اور خصوصاً ایک مسلمان بھائی پریشان ہو اور کسی مصیبت و دکھ میں مبتلا ہو، تو ہمیں اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہیے، اس پر غور

کرنے کی ضرورت ہے۔

## دوست کیسا ہو؟

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ان کے ایک دوست آئے اور اپنی ایک ضرورت بیان کی، وہ بزرگ اندر گئے اور ان کی ضرورت کے مطابق لا کر حوالہ کر دی، پھر بیٹھ کر رونے لگے، ان کی بیوی نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ رو رہے ہیں، اگر پیسے کی اتنی ہی محبت تھی، تو آپ نے اپنے دوست کو دیا ہی کیوں؟ دے کر اب روتے بیٹھنا تو اچھا نہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ میں اس لیے نہیں رو رہا کہ پیسے چلے گئے؛ بل کہ اس لیے رو رہا ہوں کہ میرے دوست کی خبر گیری میں نے کیوں نہ کی؟ اور ان کو مانگنے سے پہلے میں کیوں نہیں دے دیا؟۔

## اختلاف کے باوجود بے نظیر اتحاد

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بعض مسائل کا اختلاف رہا ہے؛ مگر ایک دوسرے کے احترام میں کبھی فرق نہیں آیا، کون نہیں جانتا کہ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے میں صحابہ کرام میں شدید اختلاف ہوا اور اس کی بنا پر جنگ بھی ہوئی؛ مگر کیا مجال کہ ان کے اس اختلاف سے ایک دوسرے کے احترام میں فرق آجائے۔ چناں چہ عین جنگ کے موقعے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے جس کا سربراہ ''قیصر'' تھا خط ملا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے امیر (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے آپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور تم پر ظلم کر رہے ہیں، اگر آپ چاہیں؛ تو ہماری فوج آپ کی مدد کو بھیج دیں گے۔ اگر ہم آپ اس جگہ ہوتے، تو مخالف کی توہین و تذلیل اور اس کو شکست دینے کے لیے فوج منگوا لیتے۔

مگر گوش ہوش سے سننے کے قابل ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کا جواب یہ دیا:

''اے نصرانی کتے! تو ہمارے اختلاف سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے؟! یاد رکھ اگر تو نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ترچھی نگاہ سے بھی دیکھا، تو سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھ پھوڑ نے والا میں ہوں گا۔''

ایسے سینکڑوں واقعات ہیں، یہاں مثال کے طور پر ایک نقل کیا گیا ہے، غرض یہ ہے کہ امت کے اتحاد کے لیے لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کا احترام اور اکرام کریں اور اپنے اختلافات کو حدود سے آگے نہ بڑھنے دیں اور آپس میں حسنِ سلوک کا معاملہ کریں۔

## اختلاف شکست کا سبب بن گیا

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جنگِ احد میں صحابہ میں کچھ اختلاف ہو، اتو ان کی ہوا اُکھڑ گئی اور وہ شکست کھا گئے۔ (القرطبي: ۲۵/۸)

اس قول کی شرح یہ ہے کہ غزوۂ احد کے موقعے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازوں کی ایک جماعت کو ایک مورچہ پر قائم فرما کر ان کو حکم دیا کہ تم یہیں ٹھہرے رہنا، اگر ہم کو قتل ہوتے ہوئے دیکھو، تو بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور ہم کو فتح پائے دیکھو، تب بھی ہم میں شریک نہ ہونا۔ جب جنگ کا آغاز ہوا تبھی سے مسلمانوں کا پلڑا غالب رہا اور کفار برابر شکست کھاتے رہے، یہاں تک کہ وہ رسوا و پسپا ہو کر بھاگے اور مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوئے اور یہ تیراندازوں کی جماعت اختلاف کرنے لگی اور وہ بھی غنیمت کے حاصل کرنے میں مشغول ہوگئی،

اس اختلاف کا کیا اثر ہوا؟ یہ ہوا کہ کفار اسی مورچے سے مسلمانوں پر بہ یک دم حملہ آور ہوئے اور یہ اچانک حملہ ایسا تھا کہ مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے، اللہ نے ﴿سُوْرَۃ آلِ عِمْرَان﴾ میں اس واقعے کی جانب اشارہ کیا ہے۔ (دیکھو آلِ عِمْرَان: ۱۵۲)

معلوم ہوا کہ اختلاف کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہوا اُکھڑ جاتی اور مقابل پر سے رعب ختم ہو جاتا ہے۔

## بڑوں کا اختلاف اور ہمارے لیے عبرت

ایک واقعہ یاد آ گیا، جو بڑا اسبق آموز ہے، حضرت مرشدی مسیح الامت رَحِمَہُ اللّٰہُ اور حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رَحِمَہُ اللّٰہُ دونوں ساتھی ہیں اور ایک مسئلے میں دونوں حضرات کا آپسی اختلاف بھی ہے، مفتی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ کے نزدیک جو حق تھا، انھوں نے اس کو ایک رسالہ ''شوریٰ واہتمام'' میں دلائل کے ساتھ لکھ دیا اور حضرت مسیح الامت رَحِمَہُ اللّٰہُ کے نزدیک جو حق تھا، آپ نے بھی دلائل کے ساتھ ''رسالہ اہتمام وشوریٰ'' میں تحریر فرما دیا ہے؛ مگر اس اختلاف کا منشا نہ شر تھا، نہ عصبیت نہ کوئی چیز؛ بل کہ اس کا منشا قرآن وحدیث کے دلائل تھے؛ لہٰذا نہ آپس میں کوئی مخالفت ہوئی، نہ گالی گلوج کا سوال، نہ عیب جوئی، نہ بد گوئی؛ بل کہ حیرت انگیز واقعہ ہے کہ اس اختلاف کے بعد حضرت مفتی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ کو دہلی جانا تھا، راستے میں ''جلال آباد'' حضرت مسیح الامت رَحِمَہُ اللّٰہُ کی بستی سے گزرنا بھی تھا، تو جاتے ہوئے ملاقات کا ارادہ فرمایا اور بس اڈے پر اترنے کے بہ جائے ''مدرسۂ مفتاح العلوم'' کے گیٹ کے قریب اتر گئے؛ مگر چوں کہ حضرت والا اس وقت مدرسے کے بہ جائے گھر پر تھے اور گھر کے لیے ذرا چل کر جانا پڑتا ہے، تو چلتے چلتے کسی مرید نے حضرت مفتی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ سے عرض کیا کہ بس اڈے پر اترتے

تو اچھا تھا کہ سواری مل جاتی۔ یہ سن کر مفتی صاحب نے عجیب جواب دیا کہ بھائی! حضرت کی خدمت میں حق تو یہ تھا کہ دیوبند ہی سے چل کر آتے، اگر ہم ناتواں اتنا نہ کر سکے؛ تو کیا یہاں سے بھی چل کر نہ جائیں؟!!

اللہ اکبر! یہ کہنے والے کوئی حضرت مسیح الامت رَحِمَہُ اللہ کے مرید و شاگرد نہیں؛ بل کہ ساتھی ہیں، اپنے وقت کے جلیل القدر فقیہ اور بزرگ ہیں؛ مگر آج ہم کو کسی سے اختلاف ہو جائے، تو اپنے سے بڑے عالم و فاضل کی توہین کرنے تیار ہو جاتے ہیں۔

غرض یہ کہ آج امت کو متحد ہونے کے لیے اور اپنی عظمتِ رفتہ و شوکتِ رفتہ کو واپس لینے کے لیے ضروری ہے کہ ان چیزوں کو اختیار کرے، جس کو اسلاف نے اختیار فرما کر اپنے آپ کو متحد کیا تھا اور عظمت کا سکہ دنیا پر قائم کر دیا تھا اور ان سے ساری طاقتیں ڈرتی رہتی تھیں اور ان سے ٹکر لینے کی کوئی ہمت و جرأت نہ کر سکتا تھا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ کسی بات پر اختلاف کا ہونا نہ کوئی عیب کی بات ہے، نہ ان ہونی چیز ہے؛ بل کہ دلائل کی بنا پر اختلاف ہو، تو یہ زندگی کی علامت ہے؛ مگر مخالفت و معاندت عداوت و شرارت نہ ہونا چاہیے۔

اس لیے اسلام کو ماننے والے تمام لوگوں میں آپس میں محبت و مؤدت ہونا چاہیے، ایک دوسرے سے ہمدردی و غم خواری کا جذبہ ہونا چاہیے اور آپس میں اتفاق و اتحاد ہونا چاہیے، خواہ رنگ و نسل میں حسب و نسب میں، جغرفیائی و علاقائی اعتبار سے وہ مختلف کیوں نہ ہوں؟!۔

جب اسلام کی آمد ہوئی اور حضرت محمد صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کیمیا اثر تعلیم و صحبت لوگوں کو میسر آئی، تو ایک لخت وہاں کی کایا پلٹ گئی اور یہ نا اتفاقیاں اور اختلافات، اتحاد و اتفاق کی لہروں میں تبدیل ہو گئے، معاشرے میں محبت و اخوت و ہمدردی و غم خواری، الفت و یگانگت کی فضا قائم ہو گئی۔

# آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح اور ازواج کے ساتھ حسنِ سلوک

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تھے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حریرہ گھر میں تیار کیا اور لے آئیں۔ کہنے لگیں: اے اللہ کے نبی! میں نے یہ آپ کے لیے تیار کیا ہے، اس کو کھایئے، یہاں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی حاضر تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: تم بھی کھاؤ؛ لیکن حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں تو نہیں کھاؤں گی، وہ روٹھ گئیں؛ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اصرار کیا کہ تمھیں کھانا پڑے گا، یہ اصرار وانکار اتنا بڑھتا گیا کہ دونوں کے درمیان میں بات ذرا آگے بڑھ گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر تم اسے نہیں کھاؤ گی، تو میں یہ کھانا تمھارے منھ پر مل دوں گی یعنی ایک مذاق اور تفریح کا موقعہ تھا۔

چناں چہ انھوں نے حریرے میں ہاتھ ڈال کر ان کے منھ پر مل دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازو بیٹھے ہوئے ہنس رہے تھے، مسکراہٹ آپ کے چہرے پر کھیل رہی تھی، جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ ان کا پورا چہرہ کھانے سے ملوث ہوگیا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تمھارے منھ پر یہ لگایا ہے، اب میں ان کے ہاتھ پکڑ لیتا ہوں، تم ان کے منھ پر یہ مل دو۔ چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑ لیا، تو حضرت سودہ نے حریرہ اٹھا کر ان کے منھ پر مل دیا اور پھر ایک ہنسی کا موقعہ فراہم ہوگیا۔

(حیاۃ الصحابۃ:۲/۷۹۹)

## کفارِ مکہ کا اختلاف- نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تدبیر

آپ کا کمالِ عقلی اس واقعے سے ظاہر ہے کہ جب قریشِ مکہ نے کعبۃ اللہ کی عمارت کو از سرِ نو تعمیر کیا اور اس وقت ''حجرِ اسود'' کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا گیا تھا، تو تعمیر کے بعد قریش کے قبائل نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ حجر اسود کو کون اپنی جگہ نصب کرے؟ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ فضیلت اس کو ملے، یہاں تک نوبت پہنچی کہ لوگ اپنی بہادری اور جرأت مندی کا مظاہرہ کرنے کے لیے عربوں کے دستور و رواج کے مطابق پیالوں میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگے کہ یہ فضیلت ہم حاصل کریں گے۔

اس میں اشارہ تھا کہ ہم جنگ کے لیے بھی تیار ہیں۔ایک تجربہ کار بوڑھے نے مشورہ دیا کہ ایسا کرو کہ کل صبح جو آدمی سب سے پہلے کعبۃ اللہ میں داخل ہو، اسی کو اس کا اہل سمجھا جائے کہ وہ کعبۃ اللہ میں حجر اسود نصب کرے۔اس پر سب کا اتفاق ہو گیا، جب صبح ہوئی، تو سب سے پہلے اس میں داخل ہونے والے وہ ہمارے اور آپ کے آقا حضرت سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تھے۔جب قریش نے آپ کو دیکھا؛ تو خوش ہو گئے اور آپ سے کعبۃ اللہ میں حجر اسود نصب کرنے کے لیے کہا، مگر آپ نے اپنی کمالِ عقلی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے عجیب تدبیر پیش فرمائی۔آپ نے فرمایا کہ ایک چادر بچھادو، جب چادر ڈال دی گئی، تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اٹھا کر اس میں رکھا، پھر تمام سردارانِ قریش سے فرمایا کہ سب اس چادر کو پکڑ کر چلیں، جب چلے تو کعبۃ اللہ کے پاس آپ نے رکوا کر اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو نصب کر دیا، خود بھی اس فضیلت سے مشرف ہوئے اور سب کو بھی شامل کر لیا اور ایک بڑی جنگ سے لوگوں کو بچالیا۔یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے۔

(دیکھو! سیرۃ ابن ھشام: ۱/۱۹۷)

## ہر مسئلے میں حقوق العباد کا اہتمام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ گشت کرتے جا رہے تھے، رات کا وقت تھا، ایک گھر سے ایک عورت کے اشعار پڑھنے کی آواز آئی، جن میں عشقیہ مضمون تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے پوچھا کہ تجھ کو کیا ہوا کہ زور سے اشعار پڑھ رہی ہے؟ اس نے بتایا کہ میرا شوہر آپ کے حکم پر جہاد میں گیا ہوا ہے، اس کی یاد میں یہ اشعار پڑھ رہی ہوں۔ حضرت عمر نے اس کو صبر کے لیے کہا اور حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور مشورہ کیا، پوچھا کہ عورت اپنے شوہر کے بغیر کتنے دن صبر کر سکتی ہے؟ حضرت حفصہ نے شرم سے سر جھکا لیا، آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ حق بولنے سے نہیں شرماتا، بولو، کہ عورت بغیر شوہر کتنے دن رہ سکتی ہے؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ چار یا چھ مہینے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام علاقوں میں فرمان بھیج دیا کہ فوجیوں کو چار ماہ سے زیادہ نہ روکا جائے۔

(کنز العمال:۳۰۸/۸)

## نوافل میں شوہر کی اجازت ضروری

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے شوہر صفوان بن معطل ہیں۔ میں نماز پڑھتی ہوں، تو مارتے ہیں اور روزہ رکھتی ہوں، تو روزہ تڑوا دیتے ہیں اور خود فجر کی نماز اس وقت تک نہیں پڑھتے، جب تک کہ سورج نہیں نکل جاتا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اس وقت وہیں مجلس میں موجود تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان باتوں کے بارے میں پوچھا، جو اس عورت نے

کہا تھا، حضرت صفوان نے وضاحت کی کہ یا رسول اللہ! اس نے جو یہ کہا کہ نماز پڑھنے پر مارتا ہوں، تو بات یہ ہے کہ یہ دو دو سورتیں (نماز میں) پڑھتی ہے اور میں نے اس سے اس کو منع کیا۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ایک سورت ہو، تو کافی ہے۔ صفوان نے کہا کہ اس نے جو یہ کہا کہ میں اس کا روزہ تڑوا دیتا ہوں، تو بات یہ ہے کہ یہ مسلسل روزے رکھتی چلی جاتی ہے اور میں جوان آدمی ہوں صبر نہیں کرسکتا۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے۔ پھر صفوان نے عرض کیا کہ اور یہ بات کہ میں نماز فجر سورج نکلنے تک نہیں پڑھتا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بیوی بچے والے ہیں (رات میں ضرورت کے لیے کام کرتے ہیں) لہٰذا سورج نکلنے سے پہلے اٹھ نہیں پاتے۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جب بیدار ہوں، نماز پڑھ لو۔

(أبو داود: ۳۲۳/۱)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نفل روزہ شوہر کی مرضی و اجازت کے بغیر رکھنا اچھا نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نوافل پر نوافل یا لمبی لمبی رکعتیں پڑھنا، جس سے شوہر کی خدمت میں خلل و کوتاہی ہو، اچھا نہیں۔ غرض یہ کہ شوہر کی رضا و خوشی کا ہر جگہ اور ہر وقت لحاظ و خیال رکھنا عورت پر لازم ہے۔

## ہارون الرشید رَحِمَہُ اللہُ کا عفو و درگذر

علامہ دمیری رَحِمَہُ اللہُ نے ''حیاۃ الحیوان'' میں بادشاہ ہارون الرشید کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ خارجی فرقے کے ایک آدمی نے چند درباری جوانوں کے خلاف کئی مرتبہ فوج کشی کی۔ بالآخر پکڑا گیا اور دربار میں پیش ہوا۔ ہارون نے پوچھا کہ بتاؤ میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کروں؟ اس نے کہا کہ آپ میرے ساتھ وہ

معاملہ کریں، جو آپ اپنے لیے خدا کے دربار میں چاہتے ہیں۔ اس پر امیر المومنین ہارون الرشید نے اس کو معاف کردیا، جب وہ باہر نکلا، تو درباریوں نے کہا کہ حضور! ایک شخص آپ کے لوگوں سے جنگ کرتا ہے اور آپ صرف ایک جملے کی وجہ سے اس کو معاف کر دیتے ہیں؟ یہ مناسب نہیں ہے! مخالفین کے حوصلے اس سے بڑھیں گے، ہارون رشید نے کہا کہ پھر اس کو بلاؤ، جب وہ آیا، تو کہنے لگا امیر المؤمنین! آپ ان لوگوں کی بات نہ مانیے! اگر اللہ بھی لوگوں کی بات مانتا، تو آپ کو بھی خلیفہ نہ بناتا، اس پر ہارون نے اس کو معاف کردیا۔ (حیاۃ الحیوان:۱/۲۴۰)

غرض یہ کہ آدمی یہ سوچے کہ جیسے میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کرے، اسی طرح میں بھی دوسروں کو معاف کروں؛ پھر آدمی دوسرے کے عیوب کے پیچھے کیسے اور کیوں کر پڑے گا؟!!۔

# توبہ کی فضیلت اور
# گناہوں کی نحوست

تو جو کرتا ہے چھپ کر اہلِ جہاں سے
کوئی دیکھتا ہے تجھ کو آسماں سے

(حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# نعمتِ خداوندی کے احساس پر ایک شرابی کی توبہ

یوسف ابن الحسین رحمہ اللہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کے شاگرد ومرید ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں سیاحت کے درمیان حضرت ذوالنون مصری کے ساتھ تھا، کہ تالاب کے کنارے میں نے دیکھا کہ ایک کالا بڑا سا بچھو آرہا ہے، پس میں اس کو دیکھنے کھڑا ہوگیا، اتنے میں ایک مینڈک پانی سے نکلا اور اس بچھو کے پاس آیا اور اس کو اپنی پشت پر بٹھا کر ایک طرف کو چلنے لگا۔

حضرت ذوالنون نے فرمایا کہ اس بچھو کا کوئی خاص معاملہ ہے، ہمارے ساتھ چلو، کہتے ہیں کہ ہم اس مینڈک وبچھو کے پیچھے چلنے لگے، یہاں تک کہ وہ ایک درخت کے پاس آئے، جس کے نیچے ایک نوجوان شراب کے نشے میں مست سویا ہوا ہے اور ایک بڑا سانپ اس کی ناف کی جانب سے چڑھتا ہوا سینے کی طرف جارہا ہے۔ پس اس بچھو نے سانپ کے سر پر حملہ کیا اور اس کو قتل کردیا، پھر مینڈک کے پاس آیا اور اسی جانب کو وہ چلے گئے، جہاں سے آئے تھے۔

حضرت ذوالنون کہتے ہیں کہ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ ایک شرابی کو بچانے کا خدائی انتظام دیکھو کیسا ہے؟!۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ذوالنون نے اس نوجوان کو اٹھایا، تو وہ اپنی آنکھوں کو ملتا ہوا بیدار ہوا، تو انھوں نے اس کو بتایا کہ دیکھ! تو تو خدا کی نافرمانی کررہا ہے اور وہ اس طرح تیری حفاظت کررہا ہے، کہتے ہیں کہ حضرت ذوالنون نے

یہ اشعار بھی پڑھے:

یـا راقـداً والجـلـیـلُ یَـحفَظُهٗ مِن کُلِّ سُوءٍ یَکُونُ فِي الظُّلَمِ
کَـیفَ تَـنَامُ العُیُونُ عَنْ مَلِکٍ یَأتِـیکَ مِـنهُ فَـوَائِـدُ الـنِعَـمِ

(اے سونے والے! جس کی ہر برائی سے حفاظت ربِ جلیل رات کی تاریکیوں میں کر رہا ہے، تیری آنکھیں اس مالک سے اعراض کر کے کیسے سوسکتی ہیں؟ جس کی جانب سے تجھے نعمتوں کے فوائد پہنچ رہے ہیں۔)

یہ سن کر وہ نوجوان کہنے لگا کہ یا الٰہی ! یہ آپ کا معاملہ ایک نافرمان کے ساتھ ہے، تو پھر تیرے فرماں بردار بندوں کے ساتھ تیرا رحم وکرم کس قدر ہوگا؟ پھر کہا کہ آپ گواہ رہنا کہ میں نے گناہ سے توبہ کی اور جنگل کی جانب چلا گیا۔

(التوابین:۲۲۷،المستطرف:۲/۲۵۴-۲۵۵)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک شریف انسان کو اگر یہ احساس ہوجائے کہ اس پر اللہ کی کس قدر نعمتیں ہیں؟ تو وہ اس پر خدا کی نافرمانی سے تائب ہوجائے گا اور اس کے شکریے میں گناہ ترک کردے گا۔

اسی لیے بزرگانِ دین سے منقول ہے کہ انھوں نے شکر کی تعریف ہی یہ کی کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے ۔حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللہُ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سری سقطی رَحِمَہُ اللہُ نے مجھ سے پوچھا کہ شکر کسے کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا:

”أنْ لَا یُستَعَانَ بِشَيْءٍ مِن نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلٰی مَعَاصِیْهِ.“

(اللہ کی کسی نعمت سے اس کی نافرمانی میں مدد نہ لی جائے۔)

حضرت سری نے پوچھا کہ یہ بات تم کو کہاں سے معلوم ہوئی ؟ حضرت

جنید رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ ہی کی مجالس سے معلوم ہوئی ہے۔ (رسالہ قشیریہ:۸۱)

## ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ کے ہاتھ پر ایک گناہ گار کی توبہ

ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت! میں گناہوں سے بچنا چاہتا ہوں، مگر بچ نہیں پاتا، کیا کروں؟ کوئی ایسی بات ارشاد فرمائیے کہ میرے گناہوں کو روکنے والی ہو؟

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ نے فرمایا: جب تیرا ارادہ گناہ کرنے کا ہو، تو دیکھنا کہ اللہ کا دیا ہوا رزق نہ کھانا۔ اس نے عرض کیا کہ پھر میں کیا اور کس طرح کھاؤں؟ جب کہ جو بھی زمین پر رزق موجود ہے، وہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ جس کا رزق کھاتا ہے، اسی کی نافرمانی کرنا چاہتا ہے؟

پھر حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اگر تو گناہ کرنا ہی چاہتا ہے، تو ایسا کر کہ اللہ کی زمین سے باہر چلا جا اور وہاں گناہ کرلے۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جبکہ ساری کائنات اسی اللہ کی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ پھر کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ کہ اللہ ہی کی زمین پر رہتے ہوئے اس کی معصیت کرے!!۔

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ نے کہا کہ اچھا اگر تجھے گناہ کرنا ہی ہے، تو کسی ایسی جگہ چلا جا جہاں کوئی تجھے نہ دیکھتا ہو۔ اس نے کہا کہ حضرت! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کہ وہ اللہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ خدا کے اس قدر قریب ہوتے ہوئے اس کی نافرمانی کرے؟

پھر فرمایا: اگر تو گناہ کرنا ہی چاہتا ہے، تو جب حضرت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرنے آئیں، تو ان سے کہہ دینا کہ مجھے توبہ کرنے تک ذرا مہلت دیں۔ اس نے

کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا: پھر کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ کہ ملک الموت آئے اور تیری روح اس حال میں قبض کرلے کہ تو گناہ میں ہو!!۔

پھر فرمایا کہ اگر تو گناہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو ایسا کر کہ جب جہنم کے فرشتے ''زبانیہ'' قیامت کے روز تجھے پکڑ کر جہنم میں لے جانا چاہیں، تو ان سے یہ کہہ دینا کہ میں تمھارے ساتھ نہیں آؤں گا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت ! کیا وہ مجھے چھوڑ دیں گے اور میری بات مان لیں گے؟ فرمایا کہ پھر تیری نجات کیسے ہوگی؟ کہنے لگا کہ اے ابراہیم ! یہ نصیحت کافی ہے ! کافی ہے !۔ میں توبہ کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ کبھی گناہ نہیں کروں گا۔

(التوابين لابن قدامة:۲۸۵،أدب الإسلام:۸-۹،أخلاق المؤمن:۱۰۷-۱۰۸)

## ''کِفل'' کی توبہ

صحیح حدیث میں ''کفل'' نامی ایک بنی اسرائیلی آدمی کا قصہ آیا ہے، کہ حضرت نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی کفل نام کا تھا، جو ہر قسم کی برائی میں طاق تھا، ایک دن اس کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے اس سے کہا کہ اگر تم مجھے اتنے روپیے دے دو، تو میں اپنے آپ کو تمھارے حوالے کردوں گی اور تم کو مجھ سے اپنی خواہش پوری کرنے کا حق ہوگا۔ وہ شخص پہلے ہی سے برائی کا عادی تھا، اسے یہ موقعہ غنیمت نظر آیا اور اس نے اس عورت کو رقم دینے کا وعدہ کرلیا اور اس سے اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے کسی کمرے میں لے گیا، جب برائی کا وقت آیا تو وہ عورت کانپنے لگی اور اس پر خوف ودہشت طاری ہوگئی۔

اس نے اس عورت سے پوچھا کہ تو کیوں خوف زدہ ہے اور کانپ رہی ہے؟ وہ کہنے لگی کہ میں نے میری پوری زندگی میں کبھی یہ حرکت نہیں کی اور آج مجھے اس حرام

و نا جائز کام کو اس لیے کرنا پڑ رہا ہے کہ میرے بچے گھر میں بھوکے پیاسے ہیں اور ان کا کوئی کفیل نہیں ہے اور کھانے کا کوئی سامان نہیں، میں انتہائی مجبور ہو کر سوچنے لگی کہ کیا کر سکتی ہوں؟ تو میرے ذہن میں آیا کہ میں اپنی عصمت اور اپنی پاک دامنی کو بیچ کر، اس سے جو کچھ روپیے حاصل ہو جائیں، اس سے بچوں کے گزارے کا انتظام کروں؛ اس لیے میں نے اس برائی کا ارادہ کیا، مگر مجھے اللہ کا خوف ہو رہا ہے اور اس لیے مجھ پر کپکپی طاری ہے۔

عورت دل سے بات کہہ رہی تھی، تو دل پر اثر انداز ہوئی اور عورت کی یہ داستان سن کر اور اس کا اللہ سے یہ خوف دیکھ کر، اس مرد کے دل میں بھی اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہو گیا اور کہنے لگا کہ تو صرف ایک بار گناہ کا صرف ارادہ کر کے، اللہ سے اس قدر خوف کر رہی ہے اور میرا حال یہ ہے کہ میں نے پوری زندگی اس کی نافرمانی میں اور معصیت میں گزاری ہے، مجھے اللہ کا تجھ سے زیادہ خوف کرنا چاہیے! اس لیے میں توبہ کرتا ہوں کہ آج سے کبھی گناہ نہیں کروں گا اور کہنے لگا کہ میں نے جو تجھ سے رقم دینے کا وعدہ کیا ہے، وہ بھی تجھ کو دوں گا۔ چناں چہ اس نے اس عورت کو رقم بھی دے دی اور برائی سے توبہ بھی کر لی اور وہ عورت وہاں سے واپس ہو گئی۔

یہ آدمی اس کے جانے کے بعد ندامت کے ساتھ اللہ کے سامنے رو کر، گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا اور اسی حالت میں اسی رات اس کا انتقال ہو گیا۔

بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کی ایک سنت جاری تھی کہ جو آدمی اچھا ہوتا، اس کی اچھائی و نیکی قدرت سے اس کے دروازے پر لکھ دی جاتی اور اگر کوئی برائی کرتا، تو اس کے دروازے پر اس کی برائی کا ذکر کر دیا جاتا تھا اور یہ کفل نامی شخص تو اتنا برا تھا کہ اس کے دروازے پر روزانہ کچھ نہ کچھ اس کی برائی لکھی ہوئی ہوتی تھی، کہ آج اس

نے زنا کیا اور آج اس نے شراب پی اور کوئی برائی کی، سارے شہر میں اس کی رسوائی ہوتی اور سب لوگ کہتے تھے کہ یہ کیسا برا آدمی ہے؟ اور لوگ اسی وجہ سے اس سے ڈرتے اور دور رہتے تھے۔

نبیٔ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں کہ رات کو اس کا انتقال ہو گیا اور صبح لوگ اٹھ کر دیکھتے ہیں کہ اس کے دروازے پر لکھا ہوا ہے: ’’ قَد غَفَرَ اللّٰهُ لِلْكِفْلِ. ‘‘ (اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت کر دی۔)

اور لوگ پڑھتے ہوئے جا رہے تھے، گزرنے والے روزانہ دیکھا کرتے تھے کہ اس کے دروازے پر کبھی کچھ، تو کبھی کچھ لکھا ہوتا تھا؛ مگر آج عجیب بات ہے کہ اس کے دروازے پر ’’اللہ نے کفل کی مغفرت کر دی‘‘ لکھا ہوا ہے۔ لوگ کہنے لگے کہ آج اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ کہ اتنا بُرا آدمی، اتنا شریر و فاسق آدمی اور اللہ نے اس کی مغفرت کر دی؟! ۔ جب لوگوں نے تحقیق کی، تو اس عورت کا واقعہ معلوم ہوا، خود عورت نے آ کر بتایا کہ رات ایسا ایسا واقعہ ہوا تھا، تب لوگوں کو سمجھ میں آیا کہ اللہ نے اسی لیے اس کی مغفرت کر دی۔

(الترمذي:۲۴۹۶،مسند أحمد:۴۷۴۷،مسند بزار:۵۳۸۸،مسند أبي يعلىٰ:۵۷۲۶، المستدرک للحاكم:۲۸۳/۴، شعب الإيمان:۳۱۷/۹، صحيح ابن حبان:۱۱۱/۲)

## ایک عابد کا بہکنا اور خوف سے توبہ کرنا

علامہ ابن الجوزی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اپنی کتاب ”ذم الهوى“ میں لکھا ہے کہ ابوکعب نے حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ سے یہ واقعہ نقل کیا کہ ایک فاحشہ عورت نہایت حسین و جمیل تھی، جو ایک سو دینار لے کر برائی کراتی تھی۔ ایک عابد و زاہد کی ایک بار اس پر جو نظر پڑی، تو وہ اس کے عشق میں مبتلا ہو گیا اور اس کے پاس

جانے کے لیے سو دینار جمع کرنے لگا اور کام دھام کر کے اس نے سو دینار جمع کر لیے اور ایک دن اس کے گھر پہنچ گیا اور اپنا مدعیٰ پیش کیا، اس نے سو دینار لے لیے اور بن سنور کر تیار ہو کر اس کے لیے آئی اور جب وہ عابد اس کے ساتھ برائی کرنے کے ارادے سے ملا، تو اس کو اللہ کے سامنے جواب دہ ہونے کا خیال آ گیا اور وہ اللہ کے خوف سے کانپنے لگا اور اس کی شہوت و خواہش ہی مر گئی۔

اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دے؛ تاکہ میں یہاں سے نکل جاؤں اور یہ دینار تجھے ہی دے دیتا ہوں۔ اس فاحشہ عورت نے تعجب سے کہا کہ کیا ہوا؟ تو نے تو بڑی محنت سے یہ دینار جمع کیے تھے اور میں تجھے پسند آ گئی تھی اور آج تجھے یہ موقعہ ملا ہے اور تو اس کو چھوڑ کر جانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ اللہ کے خوف اور اس کے سامنے کھڑے ہونے کے ڈر کی وجہ سے ہے۔ اس عورت نے کہا کہ اگر یہ بات تیری سچ ہے تو سوائے تیرے میرا کوئی شوہر نہیں۔

الغرض وہ وہاں سے نکل آیا اور اپنے گھر چلا گیا اور وہ عورت بھی توبہ کر کے، اس عابد کا پتہ معلوم کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئی، جب اس کو بتایا گیا کہ فلاں تم کو پوچھتے ہوئے آئی ہے، تو وہ یہ سن کر بے ہوش ہو گیا اور پھر مر گیا۔

(ذم الھوی:۲۴۹)

## ایک لوہار کی توبہ

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ نے کہا کہ میں نے ایک لوہار کو دیکھا، کہ وہ اپنے ہاتھ سے آگ کے اندر سے لوہا نکالتا ہے اور ہاتھ کی انگلیوں ہی سے اس کو الٹ پلٹ کر رہا ہے۔ میں نے دل دل میں کہا کہ یہ کوئی اللہ والا ہے، پھر میں اس کے قریب ہوا اور سلام کیا، اس نے جواب دیا، میں نے کہا کہ اے

سردار! آپ کو جو یہ کرامت ملی ہے، اس کے حوالے سے آپ میرے لیے دعا کر دیں۔

اس نے کہا کہ بھائی! میں ایسا نہیں ہوں، جیسا آپ سمجھ رہے ہیں؛ لیکن میں اپنا قصہ آپ کو سناتا ہوں، وہ یہ کہ میں بہت گناہ کیا کرتا تھا، ایک بار ایک حسین عورت سے سابقہ پڑا، اس نے مجھ سے کہا کہ اللہ کے لیے کچھ ہو، تو دے دو، وہ عورت میرے دل میں سما گئی، میں نے کہا کہ میرے گھر پر چل، تجھے اتنا دیدوں گا، جو کافی ہو جائے، مگر وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی اور پھر کچھ دیر بعد روتے ہوئے آئی اور کہنے لگی کہ مجھے وقت نے مجبور کیا ہے؛ اس لیے میں دوبارہ تمھارے پاس آئی ہوں۔

وہ شخص کہتا ہے کہ میں اس کو لے کر گھر آیا اور اس کو بٹھا کر اس کے قریب ہوا، تو وہ اس طرح تڑپنے لگی، جیسے تیز ہوا کے تھپیڑوں میں کشتی حرکت کرتی ہے، میں نے کہا کہ کیوں تڑپتی ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ کے خوف سے کہ کہیں وہ ہمیں اس حال میں نہ دیکھ لے؛ لہٰذا تم اگر مجھ کو چھوڑ دو، تو اللہ تم کو نہ دنیا میں آگ سے جلائے گا اور نہ آخرت میں جلائے گا۔

کہتے ہیں کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا، وہ چلی گئی اور مجھ پر بے ہوشی طاری ہوگئی، میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت حسین عورت ہے، میں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس لڑکی کی ماں ہوں، تجھے معلوم ہو کہ یہ میری لڑکی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خاندان سے ہے، اللہ تم کو جزا دے اور تم کو نہ دنیا میں آگ سے جلائے اور نہ آخرت میں جلائے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے توبہ کر لیا اور اللہ کی جناب میں رجوع ہو گیا۔ (الزھر الفائح:۱۴)

## توبہ کی وجہ سے ایک قصاب کا مقام

امام ابو بکر بن عبد اللہ المزنی رَحِمَہُ اللّٰہُ کہتے ہیں کہ ایک قصاب نے ایک

باندی سے معاشقہ کیا، وہ ایک بار اپنے آقا کے گھر والوں کے کام سے کہیں جا رہی تھی کہ اس نے اس کا پیچھا کیا اور اس کو پھسلانے کی کوشش کی؛ مگر اس باندی نے کہا کہ مجھ سے کوئی برا کام نہ کرو، تم مجھ سے جتنی محبت کرتے ہو، میں تم سے اس سے زیادہ محبت کرتی ہوں، مگر مجھے اللہ کا خوف ہے؛ لہٰذا میں کوئی برا کام نہیں کروں گی۔

قصاب نے کہا کہ اگر تو اللہ سے ڈرتی ہے، تو میں کیوں نہ اللہ سے ڈروں؟!۔ لہٰذا میں توبہ کرتا ہوں۔ پھر وہاں سے وہ لوٹ رہا تھا کہ اس کو گرمی کی شدت سے شدید پیاس معلوم ہوئی، یہاں تک کہ ہلاکت کے قریب ہو گیا۔ پس اس نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر کے ایک قاصد وہاں سے گزر رہے ہیں، انھوں نے اس سے حال پوچھا، اس نے پیاس کا حال بتایا، انھوں نے کہا کہ چلو ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں ایک بادل کا ٹھنڈا سایہ عطا کر دے۔

اس قصاب نے کہا کہ میرا کوئی ایسا عمل نہیں کہ میری دعا قبول ہو، آپ ہی دعا کیجیے! اس قاصد نے کہا کہ اچھا میں دعا کرتا ہوں اور تم آمین کہو۔ چناں چہ انھوں نے دعا کی اور اس نے آمین کہی اور اللہ نے دعا قبول کر کے ان کو ایک بادل کا سایہ عطا کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں اس سایہ میں چل کر اپنے قریہ کو پہنچ گئے اور جب وہ قصاب اپنے گھر کی جانب چلنے لگا، تو وہ سایہ اسی کے ساتھ ہو گیا، یہ دیکھ کر اس قاصد نے کہا کہ بھائی! تم تو کہتے تھے کہ میرا کوئی عملِ صالح نہیں ہے اور یہاں تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سایہ تو تمھاری ہی وجہ سے ملا ہے۔ لہٰذا مجھے تمھارا قصہ سناؤ کہ کیا ہے؟ تب اس نے اپنی توبہ کا قصہ سنایا، تو اس قاصد نے کہا کہ جو توبہ کرتا ہے، وہ اللہ کے نزدیک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے، جہاں کوئی دوسرا نہیں پہنچتا۔

(إحیاء العلوم: ۱۰۶/۳)

## شاعر ''ابونواس'' کی توبہ ومناجات

عرب کے مشہور شاعر ''ابونواس'' کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کو خواب میں دیکھا گیا اور پوچھا گیا کہ اللہ نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ نے میری مغفرت ان اشعار کی وجہ سے کردی، جو میں نے بیماری کے دنوں میں مرنے سے پہلے کہے تھے اور وہ میرے تکیے کے نیچے رکھے ہیں۔ جب اس کے تکیے کے نیچے دیکھا گیا، تو ایک کاغذ پر یہ اشعار لکھے ہوئے ملے:

يَا رَبِّ إِنْ عَظُمَتْ ذُنُوبِي كَثْرَةً
فَلَقَدْ عَلِمْتُ بِأَنَّ عَفْوَكَ أَعْظَمُ
إِنْ كَانَ لَا يَرْجُوكَ إِلَّا مُحْسِنٌ
فَمَنِ الَّذِي يَرْجُو الْمُسِيءُ الْمُجْرِمُ؟
أَدْعُوكَ رَبِّيْ كَمَا أَمَرْتَ تَضَرُّعًا
فَإِذَا رَدَدْتَ يَدَيَّ فَمَنْ ذَا يَرْحَمُ ؟
مَا لِيْ إِلَيْكَ وَسِيْلَةٌ إِلَّا الرَّجَا
وَجَمِيْلَ عَفْوِكَ ثُمَّ أَنِّيْ مُسْلِمُ

۱- اے میرے پروردگار! اگر میرے گناہ زیادہ ہیں، تو میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تیری معافی ومغفرت اس سے زیادہ بڑی ہے۔

۲- اگر نیکی کرنے والا ہی تیری رحمت سے امید رکھ سکتا ہے، تو وہ کون ہے؟ جس سے گناہ گار مجرم بندہ امید رکھے؟

۳- میں تجھ سے اسی طرح گڑ گڑا کر مانگتا ہوں، جیسا کہ تو نے حکم دیا ہے، پس اگر تو ہی میرے ہاتھوں کو رد کردے تو پھر کون مجھ پر رحم کرے گا؟

۴- تیری رحمت سے امید اور تیری معافی پھر میرے مسلمان ہونے کے سوا میرا کوئی وسیلۂ نجات نہیں ہے۔)

(آثار البلاد للقزويني:۲۲۹،البداية والنهاية: ۲۲۴/۱۰،المنتظم: ۲۴/۱۰، تاريخ بغداد:۴۶۱/۹)

## حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کی توبہ

حضرت بشر حافی رحمہ اللہ ایک بڑے اللہ والے گزرے ہیں، زاہدین و عارفین میں ان کا شمار ہوتا ہے، اللہ نے بے پناہ مقبولیت سے نوازا تھا، جب ان کا انتقال ہوا، تو فجر کے وقت جنازہ اٹھایا گیا اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے قبرستان کو پہنچتے پہنچتے عشا کا وقت ہوگیا، یہ عجیب و روح پرور منظر دیکھ کر امام علی بن المدینی رحمہ اللہ اور ابو نصر التمار وغیرہ ائمۂ حدیث نے چیخ چیخ کر کہا کہ یہ آخرت کے شرف سے پہلے دنیا کا شرف ہے اور کہا گیا کہ ان کے گھر کے جنات بھی ان کی وفات پر رو رہے تھے۔

(البداية والنهاية:۲۹۸/۱۰،الوافي في الوفيات:۱۳۷۸)

ان کی توبہ کا عجیب واقعہ لکھا ہے کہ وہ پہلے لہو ولعب میں مبتلا رہتے تھے، شراب وکباب کی مجلسیں چلتی تھیں، ایک بار اپنے دوست واحباب کے ساتھ اپنے ہی گھر میں شراب وکباب اور گانے بجانے میں مست تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی، بشر حافی کی ایک باندی دروازے پر دیکھنے کو گئی، تو آنے والے شخص نے اس سے پوچھا:

"صاحبُ هٰذهِ الدَّارِ حُرٌّ أوْ عَبْدٌ ؟"

(اس گھر کا مالک آزاد ہے یا غلام؟)

باندی نے کہا کہ حر یعنی آزاد ہے۔ (کیوں کہ گھر کا مالک تو آزاد ہی ہوسکتا

ہے، کوئی غلام کہاں ہوسکتا ہے؟)

اس شخص نے کہا کہ ہاں! تم نے سچ کہا، اگر وہ غلام ہوتا؛ عبودیت وغلامی کے آداب کا لحاظ بھی کرتا اور لہولعب چھوڑ دیتا۔

یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا اور بشر حافی جو وہاں نشے میں مست پڑے تھے، اس شخص کی اور باندی کی یہ گفتگو سن رہے تھے۔ وہ جلدی سے دروازے کی جانب آئے، مگر وہ شخص جاچکا تھا۔

باندی سے پوچھا کہ وہ آدمی کس طرف کو گیا؟ باندی نے بتایا کہ اس طرف، تو وہ اس کی تلاش میں نکلے اور ایک جگہ اس کو پالیا اور پوچھا کہ کیا آپ ہی نے دروازے پر باندی سے اس طرح کی گفتگو کی تھی؟

اس نے کہا کہ ہاں! تو بشر حافی نے کہا کہ ایک بار پھر اپنی بات دہرائیے۔ جب اس نے کہا کہ یہ گھر والا اگر اللہ کا غلام ہوتا، تو غلامی کا انداز اختیار کرتا اور لہو ولعب میں شراب وکباب میں زندگی نہ کرتا۔

یہ سن کر بشر حافی تڑپنے لگے اور اپنے گال زمین پر رکھ دیے اور کہنے لگے کہ نہیں! میں آزاد نہیں؛ بل کہ غلام ہوں، غلام ہوں یعنی اللہ کا غلام اور اسی دن سے تمام بدکاریوں اور گناہوں سے توبہ کر لی اور کہا کہ اللہ سے عہد و پیمان کے وقت (یعنی توبہ کے وقت) چوں کہ پیروں میں جوتے یا چپل نہیں تھے؛ اس لیے اب عمر بھر اسی حال سے رہوں گا اور اسی لیے ان کا نام "حافی" پڑ گیا۔

(التوابین:۲۱۱)

## ایک بنی اسرائیلی کی توبہ

حضرت کعب احبار رحمہ اللہ سے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ منقول

ہے کہ وہ ایک فاحشہ عورت کے پاس گیا اور زنا کیا اور غسل کرنے ایک نہر میں اترا، تو نہر سے آواز آئی کہ اے فلاں! کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ کیا تو نے اس سے پہلے اس گناہ سے توبہ نہیں کر لی تھا اور کیا تو نے دوبارہ نہ کرنے کی بات نہیں کہی تھی؟ یہ شخص یہ سن کر خوف زدہ ہوا اور نہر سے یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا کہ پھر گناہ نہیں کروں گا۔ پھر وہاں سے وہ ایک پہاڑ پر گیا، جہاں بارہ آدمی اللہ کی عبادت میں مشغول تھے، یہ بھی ان میں شامل ہو گیا۔ اس درمیان وہاں قحط پڑ گیا، تو وہ لوگ غذا کی تلاش میں پہاڑ سے اترے اور اسی نہر پر سے گزرنا چاہتے تھے، اس شخص نے کہا کہ میں وہاں نہیں آ سکتا۔ ان عبادت گزاروں نے پوچھا کہ کیوں؟ کہنے لگا کہ وہاں کوئی ہے جو میرے گناہ پر مطلع ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کے سامنے جانے سے مجھے شرم آتی ہے۔

وہ لوگ اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے اور نہر پر پہنچے، تو ندا آئی کہ وہ تمھارا ساتھی کہاں ہے؟ ان لوگوں نے بتایا کہ وہ یہاں آنے سے شرماتا ہے؛ کیوں کہ یہاں کوئی ہے جو اس کے گناہ پر مطلع ہو جاتا ہے۔ آواز آئی کہ سبحان اللہ! جب تم میں سے بھی کوئی اپنی اولاد سے یا رشتہ دار سے ناراض ہو جاتا ہے اور وہ اپنی برائی سے رجوع کر لیتا ہے، تو تم معاف کر دیتے ہو۔ اسی طرح یہ تمھارا ساتھی بھی گناہ کا مرتکب ہوا؛ مگر اس نے توبہ کر لی، تو میں نے بھی اس کو معاف کر دیا اور میں اس کو چاہتا ہوں؛ لہٰذا تم لوگ اس کو اس کی خبر دے دو۔

(التوابین لابن قدامة:۹۱)

اللہ اکبر! ایسا کریم آقا! جو ہمارے ساتھ اس قدر رحم و کرم کرتا ہے اور ہم اس کو چھوڑ کر شیطان سے دوستی کر لیتے ہیں، تب بھی وہ ہمیں نہیں بھولتا اور پھر ہمیں معاف بھی کر دیتا ہے، اس کی نافرمانی و گناہ کرنا کیا شرافت انسانی کے خلاف نہیں ہے؟

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے ایک گنہ گار کی توبہ ومناجات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک گنہ گار شخص تھا، جس سے لوگوں نے بیزار ہوکر اس کو اپنے شہر سے نکال دیا۔ وہ ایک ویرانے میں رہنے لگا تھا اور جب اس کی موت کا وقت ہوا اور وہ انتقال کر گیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ ہمارے ایک ولی کی فلاں جگہ وفات ہوگئی ہے، آپ اس کو غسل وکفن دے کر نماز جنازہ پڑھیں اور لوگوں کو بتادیں کہ جس کے گناہ زیادہ ہوں، وہ لوگ اگر اس کے جنازے میں شریک ہوں، تو میں ان کی بھی مغفرت کردوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں اعلان کردیا اور کثیر تعداد میں لوگ جمع ہوگئے اور جب لوگوں نے اس کی لاش کو دیکھا، تو اس کو پہچان لیا اور کہا کہ حضرت! یہ تو بڑا گنہ گار شخص تھا اور ہم نے تنگ آکر اس کو گاؤں سے نکال دیا تھا۔ حضرت موسیٰ کو تعجب ہوا اور اللہ سے سوال کیا کہ اے اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟ تو اللہ کی وحی آئی کہ اے موسیٰ! یہ بات تو سچ ہے کہ یہ گنہ گار تھا؛ مگر جب اس کی موت کا وقت آیا، تو اس نے اپنے دائیں بائیں دیکھا، تو کوئی رشتہ دار یا دوست نظر نہیں آیا اور خود کو تنہا واکیلا محسوس کیا اور آسمان کی جانب نظر اٹھایا اور کہنے لگا:

’’ يا إلهي! عبدٌ من عِبادِکَ ، غَريبٌ في بِلادِکَ لو علمتُ أنّ عذابي يزيد في مُلكِكَ و عَفوَکَ عنّي يَنقُصُ من مُلكِكَ لَمَا سَألتُکَ المَغفِرَةَ وليسَ لي مَلجَأٌ ولا رجاءٌ إلّا أنتَ و قد سمعتُ فِيمَا أنْزَلتَ أنَّکَ قُلتَ: إنِّيْ أنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيمُ، فَلَا تُخَيِّبْ رَجَائِيْ.‘‘

(اے میرے پروردگار! میں تیرے بندوں میں سے ایک بندہ اور

تیری بستیوں سے نکالا ہوا غریب الوطن ہوں، اگر میں یہ جانتا کہ مجھے عذاب دینے سے آپ کی حکومت میں کوئی زیادتی ہوتی ہے یا مجھے معاف کردینے سے آپ کی حکومت میں کمی ہوتی ہے، تو میں آپ سے مغفرت کا سوال نہ کرتا۔ میری پناہ اور امید کا مرکز سوائے آپ کی ذات کے کوئی نہیں، میں نے یہ سنا ہے کہ آپ نے اپنے کلام میں یہ نازل کیا ہے: ''میں ہی غفور رحیم ہوں'' پس میری امید میں مجھے ناکام نہ فرما۔)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! کیا میرے لیے یہ اچھی بات تھی کہ میں اس غریب الوطن کو رد کردیتا؟ جب کہ وہ میرے سے وسیلہ پکڑ رہا ہے اور میرے سامنے گڑگڑا رہا ہے؟۔ (التوابین:۸۲)

## ایک نوجوان کی توبہ

ایک عجیب واقعہ امام ابن فرحون اور امام غزالی رحمہا اللہ نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نوجوان شخص بیس سال تک عبادت میں لگا رہا، پھر شیطان نے معاصی اس کے لیے مزین کردیے اور وہ بیس سال تک گناہوں میں پڑا رہا، پھر ایک دن اس نے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھا، تو ڈاڑھی میں ایک بال سفید نظر آیا، یہ اس کو برا لگا اور اللہ سے عرض کیا کہ الٰہی! میں نے بیس سال تک آپ کی اطاعت کی اور بیس سال نافرمانی کی، اگر میں اب آپ کی جانب لوٹ آؤں، تو کیا آپ مجھے قبول کریں گے؟ اس کو غیب سے آواز آئی:

''أَحْبَبْتَنَا أَحْبَبْنَاکَ ، وَتَرَکْتَنَا فَأَمْهَلْنَاکَ ، فَإِنْ رَجَعْتَ إِلَيْنَا قَبِلْنَاکَ.''

(تو نے ہم سے محبت کی، تو ہم نے بھی تجھ سے محبت کی اور جب تو

نے ہمیں چھوڑ دیا، تو ہم نے تجھے مہلت دی اور اگر تو دوبارہ ہماری جانب رخ کرے گا، تو ہم بھی دوبارہ تجھے قبول کرلیں گے۔)

(إحياء العلوم:۴/۱۵، الزاهر:۳۴)

## جب توبہ ہی کرلی تو سب سے توبہ کرلی

حضرت رشید احمد گنگوہی رَحِمَہُ اللّٰہُ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور بیعت کی درخواست کی، تو حضرت نے اُس کو بیعت کے بعد گناہوں سے توبہ کرائی کہ زنا نہیں کروں گا، چوری نہیں کروں گا، نماز کی پابندی کروں گا وغیرہ، جب بیعت ہوگئی، تو اس نے کہا: حضرت سب چیزوں سے آپنے توبہ کرادی؛ مگر افیون سے توبہ نہیں کرائی، حضرت نے کہا: مجھے کیا خبر کہ تم افیون کھاتے ہو؟ پھر حضرت نے افیون سے بھی توبہ کرادی، پھر حضرت نے اس سے پوچھا کہ دن میں کتنی افیون کھاتے ہو؟ چوں کہ حضرت کی عمر کا اخیر زمانہ تھا، نابینا ہوچکے تھے، نظر نہیں آتا تھا؛ اس لیے اس سے فرمایا کہ میرے ہاتھ پر رکھ دو کہ اس کی مقدار معلوم ہوجائے، جب اس نے ایک مقدار آپ کے ہاتھ پر رکھی، تو حضرت نے فرمایا کہ اب اس کی آدھی اتنی کھالینا۔ یہ اس لیے فرمایا؛ تاکہ نفس بعد میں مشکل میں نہ پڑ جائے اور لینے کے دینے نہ پڑ جائیں؛ مگر وہ آدمی بڑا باہمت تھا، اس نے کہا کہ حضرت جب توبہ ہی کرلی، تو اِتنی اور اُتنی کیا، میں نے سب سے توبہ کرلی۔ چناں چہ بالکل چھوڑ دیا۔

ایسے بھی اللہ کے بندے ہوتے ہیں، جو اللہ کے لیے سب کچھ قربان کردیتے ہیں۔

## ترکِ گناہ کے بغیر ولایت نہیں ملتی

قاضی امام عبد الواحد بن زید رَحِمَہُ اللّٰہُ تبعِ تابعین میں ایک بڑے درجے

کے صوفیا میں سے گزرے ہیں اور حسن بصری و مالک بن دینار رحمہما اللہ کے شاگردوں میں سے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں بیت المقدس آیا اور ''صخرے'' میں داخل ہو کر اندر سے بند کر لیا، جب رات طاری ہوگئی، تو میں نے دروازہ کھولا، پس اٹھارہ آدمی داخل ہوئے، جن پر لوہے کے لباس تھے اور ان کے پیروں میں کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے جوتے تھے اور ان کی گردنوں میں قرآن لٹکے ہوئے تھے۔ ان کی وجہ سے بیت المقدس نور سے بھر گیا۔ ان میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ یہ عبدالواحد امام الزاہدین ہیں۔ عبدالواحد کہتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا کہ میں تم کو اس ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، جس نے تم کو یہ کرامت دی ہے کہ آپ کون لوگ ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟ اور یہ مقام آپ لوگوں کو کس طرح ملا؟ انہوں نے کہا:

''یا عبدَ الواحد ! لَا یُوْصَلُ إِلٰی وِلَایَةِ اللّٰهِ إِلَّا مَنْ تَرَکَ الْهَوٰی.''

(اے عبدالواحد! اللہ کی ولایت اسی کو ملتی ہے، جو خواہش کو ترک کر دیتا ہے۔)

اور بعض نے کہا:

''ما عَرَفَ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ مَنْ لَمْ یَسْتَحْیِيْ مِنْهُ فِيْ الْخَلَاءِ.''

(اس نے اللہ کو نہیں پہچانا، جس نے خلوت و تنہائی میں اللہ سے حیا نہیں کی۔)

اللہ نے کہا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ﴾

(بلاشبہ وہ لوگ جو غیب یعنی خلوت میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔)

(الزاهر لابن فرحون القرطبي:۳۲-۳۳)

## اناج کا دانہ لہسن کے برابر

امام احمد، امام ابن ابی شیبہ اور ابوبکر الدینوری وغیرہم رحمھم اللہ نے اپنی اپنی سند کے ساتھ ابو قحذم سے نقل کیا ہے:

''زیاد یا ابن زیاد کے زمانے میں ایک گڑھا پایا گیا، جس میں ایک اناج کا دانہ ایک لہسن کے برابر تھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا:

'' هذا نبت في زمان كان يعمل فيه بالعدل.''

(یہ اس زمانے کا دانہ ہے، جس میں انصاف کو کام میں لایا جاتا تھا۔)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے:

'' كان يعمل فيها بطاعة الله.''

(یہ اس زمانے کی بات ہے، جس میں اللہ کی اطاعت کو کام میں لایا جاتا تھا۔)

(مصنف ابن أبي شيبة:۱۳/۴۹۰، مسند أحمد:۲/۲۹۶، المجالسة للدينوري:۱/۳۹۴)

اور علامہ ابن القیم نے ''الجواب الكافي'' میں اور علامہ شمس الدین السفیری رحمہما اللہ نے ''شرح البخاري'' میں امام احمد رحمۃ اللہ کی مسند ہی کے حوالے سے اس کو اس طرح نقل کیا ہے کہ میں نے بعض بنوامیہ کے خزانوں میں گیہوں کو دیکھا، جس کا ایک دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر تھا اور وہ گیہوں ایک تھیلی میں تھی، جس پر لکھا ہوا تھا:

'' كَانَ هٰذا يَنْبُتُ فِيْ زَمَنٍ مِنَ الْعَدْلِ.''

(یہ عدل والے زمانے میں اگا کرتا تھا۔)

(شرح البخاري للسفيري:۵/۳۰، الجواب الكافي:۶۵)

## ایک گائے سے تیس گائیوں کا دودھ

علامہ شمس الدین السفیری رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا

ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک بادشاہ تھا، جو اپنی مملکت کے حالات جاننے کے لیے چھپ کر نکلتا تھا، ایک مرتبہ وہ نکلا اور ایک آدمی کے پاس قیام کیا، جس کے پاس ایک گائے تھی، جو تیس گائیوں کا دودھ دیتی تھی۔ جب بادشاہ نے صبح کی، تو اس کے دل میں اس گائے کو اٹھالے جانے کا خیال پیدا ہوگیا، پھر جب اس کا دودھ نکالا گیا، تو بہت تھوڑا سا نکلا، بادشاہ نے کہا کہ اس کا دودھ کیوں کم ہوگیا؟ کیا یہ ایسی جگہ کا چارہ کھا کر آگئی ہے، جہاں عموماً نہیں چرتی تھی؟ اس آدمی نے جواب میں کہا کہ نہیں! لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارے بادشاہ نے ظلم کا ارادہ کیا ہوگا، جس کی وجہ سے اس کا دودھ کم ہوگیا۔ کیوں کہ جب بادشاہ ظلم کرتا یا ظلم کا ارادہ کرتا ہے، تو برکت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے دل دل میں اللہ سے معاہدہ کیا کہ وہ ظلم نہیں کرے گا اور کسی کی کوئی چیز نہیں لے گا۔ اس کے بعد پھر اس کا دودھ دوہا گیا، تو حسبِ معمول خوب نکل آیا، یہ دیکھ کر بادشاہ نے اللہ کی جناب میں توبہ کی۔

(شرح البخاري للسفيري: ۳۰/۵)

## حاکم کی بد نیتی کا میوہ پر اثر

امام رازی نے اپنی تفسیر میں ایک قصہ ایران کے بادشاہ "نوشیروانِ عادل" کا لکھا ہے، وہ یہ کہ وہ ایک بار شکار کھیلنے نکلا اور دوڑ لگاتا ہوا آگے نکل گیا اور اپنے لشکر سے جدا ہوگیا۔ اسے پیاس کی شدت محسوس ہوئی اور وہاں ایک باغ نظر آیا، وہ اس میں داخل ہوا، دیکھا کہ انار کے درخت ہیں اور ایک لڑکا بھی وہاں موجود ہے، اس نے لڑکے سے کہا کہ ایک انار مجھے دو، اس نے ایک انار دیا، بادشاہ نے اس کو چھیلا اور اس کا رس نکالا اور اس انار سے بہترین مزیدار رس لبالب نکلا، بادشاہ کو یہ انار کا باغ بہت پسند آیا، تو دل میں عزم کرلیا کہ یہ باغ اس کے مالک سے چھین لوں گا، پھر

اس لڑکے سے کہا کہ ایک اور انار لاؤ، اس نے ایک انار لاکر دیا، جب اس میں سے رس نکالا، تو بہت کم رس نکلا اور ساتھ ہی کھٹا بدمزہ بھی۔ اس نے اس لڑکے سے کہا کہ یہ انار ایسا کیوں ہے؟ لڑکے نے جواب میں کہا کہ شاید بادشاہ نے ظلم کا ارادہ کیا ہو! لہٰذا اس کے ظلم کی نحوست سے انار ایسا بدمزہ ہو گیا۔ نوشیروان نے دل دل میں اس ظلم کے ارادے سے توبہ کی اور لڑکے سے کہا کہ ایک انار اب لے آؤ، اب جو انار لایا، تو اس کا رس پہلے سے بھی زیادہ عمدہ تھا، بادشاہ نے کہا کہ اب انار کی حالت کیوں بدل گئی؟ بچے نے کہا کہ شاید بادشاہ نے توبہ کر لی ہو۔ جب بادشاہ نے یہ بات سنی اور یہ حال دیکھا؛ تو آئندہ کے لیے بالکلیہ گناہوں اور ظلم سے توبہ کر لی۔

(التفسیر الکبیر:۱/۲۰۶)

## بنی اسرائیل کے ایک راہب کا گناہوں کی وجہ سے سوءِ خاتمہ

بنی اسرائیل کے ایک راہب کا واقعہ بھی سن لیجیے، جو بڑا عبرت ناک ہے اور ایک کے بعد ایک گناہ میں پھنسنے کی صورت بھی سامنے لاتا ہے۔ مفسرینِ کرام نے ﴿سُوْرَۃُ الْحَشْر﴾ کی ایک آیت کی تفسیر میں اس کا تذکرہ کیا ہے، وہ آیت یہ ہے:

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الحشر:۱۶)

(جیسے شیطان کا قصہ ہے کہ انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا، پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے، تو کہہ دیتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔)

اس کی تفسیر میں علمائے تفسیر نے متعدد واقعات لکھے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک راہب برسہا برس سے اپنی عبادت گاہ میں مشغول

عبادت تھا اور لوگ دور دور سے اس سے علم جاننے آتے اور اس کی عبادت کا بڑا شہرہ تھا اور اسی بستی میں تین بھائی رہتے تھے، جن کی ایک نہایت حسین وجمیل بہن تھی اور بیمار تھی۔ ایک بار ان بھائیوں کو ایک سفر درپیش ہوا، تو ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بہن کو کہاں چھوڑ جائیں؟ ایک بھائی نے مشورہ دیا کہ فلاں راہب کے پاس چھوڑ دیں گے، جو بڑا متقی وعبادت گزار آدمی ہے، اس سے زیادہ قابلِ اعتماد یہاں کوئی نہیں۔ لہٰذا اس کے پاس چھوڑ دیں گے اور کہنے لگے کہ اگر یہ ہماری بہن مرجائے، تو اس کی تجہیز وتکفین کا یہ راہب انتظام کردے گا اور اگر جیتی رہی، تو اس کی حفاظت کرے گا۔ چناں چہ سب مل کر راہب کے پاس پہنچے اور اس سے گزارش کی کہ یہ ہماری بہن بیمار ہے اور ہمیں ایک سفر درپیش ہے، لہٰذا ہم اس کو آپ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں، اگر خدانخواستہ یہ مرجائے، تو تجہیز وتدفین کا انتظام کردیں اور اگر جیتی رہی، تو اس کی حفاظت فرمائیں، ہم لوگ واپس آکر لے جائیں گے۔

راہب نے کہا کہ ٹھیک ہے اور یہ لوگ رخصت ہوگئے اور راہب نے اس لڑکی کا علاج معالجہ کیا، تو وہ ٹھیک ہوگئی اور اس کا حسن دوبالا ہوگیا اور راہب کو شیطان نے بہکانا شروع کردیا کہ اس کے ساتھ زنا کرے؛ مگر راہب بچتا رہا، مگر شیطان اس کو مزین کرکے سامنے لاتا رہتا تھا، یہاں تک کہ وہ راہب ایک بار زنا کے فعلِ شنیع میں مبتلا ہوگیا اور وہ لڑکی حاملہ ہوگئی۔ اب شیطان نے اس کو شرم دلائی کہ تو نے کیا حرکت کی، یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اگر یہ راز دوسروں کو اور اس کے بھائیوں کو معلوم ہوگیا، تو تیری کس قدر رسوائی ہوگی؟ پھر شیطان نے راہب کو اس رسوائی سے بچنے کا علاج یہ سمجھایا کہ اس لڑکی کو قتل کردے؛ تاکہ کسی کو معلوم ہی نہ ہوسکے اور اس کے بھائی آئیں، تو کہہ دینا کہ وہ بیمار تھی اور فوت ہوگئی۔

چناں چہ اس راہب نے اس لڑکی کو قتل کر دیا اور ایک درخت کے نیچے دفن کر دیا۔ جب اس لڑکی کے بھائی سفر سے واپس ہوئے، تو راہب کے پاس اپنی بہن کو لینے آئے، اس نے کہا کہ وہ انتقال کر گئی اور میں نے اس کو قبرستان میں دفن کر دیا ہے۔ بھائیوں نے سمجھا کہ صحیح ہوگا اور چلے آئے۔ ادھر شیطان نے ان بھائیوں کے خواب میں آ کر کہا کہ تمھاری بہن مری نہیں ہے؛ بل کہ اس راہب نے اس کے ساتھ زنا کرنے کے بعد اس کو قتل کر دیا ہے اور تم کو یقین نہیں آتا؛ تو فلاں درخت کے پاس کھدائی کرو، تو تم کو تمہاری بہن کی لاش مل جائے گی، دیکھ لینا۔

سب بھائیوں کے خواب میں جب اسی طرح نظر آیا، تو انھوں نے اس خواب کو سچ سمجھ کر درخت کے پاس کھدائی کی اور واقعی وہاں سے ان کی بہن کی مقتول لاش برآمد ہوئی۔ جب شیطان نے اس طرح بھائیوں کو اس واقعے سے باخبر کیا اور وہ اس پر مطلع ہوئے، تو ان کو غصہ آیا اور راہب کو مارنے آئے اور شیطان نے ادھر جب راہب کو ان کے سامنے رسوا کر دیا اور لوگ اس کو قتل کرنے آئے، تو اب راہب سے کہنے لگا کہ دیکھ اب میں ہی تجھے بچا سکتا ہوں، اگر تو میری ایک بات مان لے، تو میں اب تیری مدد کروں گا۔ راہب نے کہا کہ اچھا! میں تمھاری بات مانوں گا، تو شیطان نے کہا کہ مجھے ایک سجدہ کر، میں تجھے بچالوں گا۔ اس نے سجدہ کیا، تو کہنے لگا کہ میں تجھ سے بری ہوں اور مجھے اللہ رب العالمین کا خوف ہے۔

(تفسير الطبري:۲۳/۲۹۶، الدر المنثور:۸/۱۱۸)

## مردار کی محبت نے کفر تک پہنچا دیا

ایک شخص کا قصہ متعدد اکابرین نے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی، ''اسلم'' نامی شخص پر عاشق ہو گیا اور اس کی محبت میں گھلنے لگا، یہاں تک کہ بیمار ہو گیا اور بستر کا ہو گیا اور

اس کا معشوق یہ حالت دیکھ کر اس سے نفرت کرنے لگا اور اس کے پاس آنے سے رک گیا، اس پر اس عاشق نے درمیان میں کسی کو واسطہ بنایا کہ وہ کسی طرح اس کو بلا لائے، ایک بار اس معشوق نے وعدہ کرلیا کہ وہ فلاں دن آئے گا، مگر عین وقت پر اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ اس سے تو میری بدنامی ہوگی، میں ایسی جگہ نہیں آؤں گا، جب لوگوں نے اسے جا کر بتایا کہ تیرے معشوق نے آنے سے انکار کر دیا اور وہ واپس ہوگیا؛ تو اس پر موت کی علامات ظاہر ہوئیں اور وہ اپنے معشوق کو خطاب کرتے ہوئے یہ شعر پڑھنے لگا:

أسـلـمُ يـا راحـةَ العَلِيلِ　　و يَا شِفَاءَ المُدنَفِ النَّحِيلِ
رِضَاكَ أَشْهٰى إِلٰى فُؤَادِي　　مِن رَّحْمَةِ الخَالِقِ الجَلِيلِ

(اے اسلم! اے بیمار کی راحت! اور کمزور عشق کے بیمار کی شفا! تیری خوشنودی میرے نزدیک اللہ خالقِ جلیل کی رحمت سے زیادہ لذیذ ہے۔)

بس یہ کہنا تھا کہ روح قبض ہوئی اور اسی کفر کی حالت میں مر گیا اور ایک مردار کی محبت میں خدا سے بھی دور ہوگیا۔

(التذكرة للقرطبي:۴۲/۱، الجواب الكافي :۱۶۸)

دیکھیے! ایک فانی انسان کی محبت کا کیا اثر ہوا؟ کہ خدا کی محبت پر اس کو ترجیح دینے لگا اور اس کی محبت کو خدا کی رحمت سے بھی زیادہ لذیذ و پسندیدہ خیال کرنے لگا اور اسی حالت میں موت واقع ہوگئی۔

## ایک عورت کی محبت میں اس کا نام لیتے لیتے مر گیا

ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ وہ اپنے گھر کے پیچھے کھڑا ہوا تھا، کہ ایک لڑکی کا وہاں سے گزر ہوا اور اس نے اس سے پوچھا کہ ''حمامِ منجاب'' کہاں ہے؟ اس شخص نے

اپنے ہی گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ حمامِ منجاب یہی ہے۔ وہ لڑکی اس کے گھر میں داخل ہوئی، تو یہ شخص بھی اس کے پیچھے داخل ہوا، وہ سمجھ گئی کہ اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے؛ لہٰذا اس نے اس پر خوشی ومسرت کا مظاہرہ کیا اور کہا کہ یہاں ہمارے لیے عیش کے ایسے ایسے سامان ہونا چاہیے۔ اس شخص نے کہا کہ میں ابھی سب سامان لے کر آتا ہوں، یہ کہہ کر وہ بازار چلا گیا اور اس لڑکی کو گھر میں بغیر گھر بند کیے چھوڑ گیا، جب واپس ہوا، تو دیکھا کہ وہ گھر سے جا چکی ہے، اس پر وہ اس کی محبت میں بے قرار ہو گیا اور راستوں اور گلیوں میں اس کو تلاش کرنے لگا اور یہ کہتا جاتا تھا:

يَا رُبَّ قَائِلَةٍ يَوْمًا وَقَدْ تَعِبَتْ

كَيْفَ الطَّرِيقُ إِلٰى حَمَّامِ مِنْجَابِ

(اے ایک دن تھکے حال میں یہ کہنے والی کہ حمامِ منجاب کا راستہ کدھر ہے؟!)

ایک بار وہ اسی طرح کہتا جا رہا تھا کہ ایک باندی نے اپنے گھر کے اندر سے اس کا جواب دیا:

هَلَّا جَعَلْتَ سَرِيْعًا إِذْ ظَفِرْتَ بِهَا

حِرْزًا عَلَى الدَّارِ أَوْ قُفُلًا عَلَى البَابِ

(تو نے جب اس کو پایا تھا، تو جلدی سے کیوں گھر پر کوئی آڑ یا دروازے پر قفل نہیں لگا دیا؟)

یہ سن کر اس کا غم اور بڑھ گیا اور وہ اسی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور اس طرح ایک عورت کی محبت میں اس کا نام لیتے لیتے مر گیا۔

(العاقبة في ذكر الموت لعبد الحق الأشبيلي:١٧٩، التذكرة الإمام القرطبي : ٢٨/١، الثبات عند الممات لابن الجوزي:٧٩)

## ایک عیسائی لڑکی کو پانے نصرانی بن گیا

ایک قصہ بڑا عبرت ناک یہ ہے کہ مصر میں ایک شخص بڑا عابد وزاہد تھا و ہمیشہ مسجد میں رہا کرتا تھا، اس پر عبادت کا نور اور ذکر کے انوار معلوم ہوتے تھے، ایک بار اذان دینے کے لیے حسبِ معمول مسجد کے منارے پر چڑھا اور نیچے ایک عیسائی کا مکان تھا، اس کی نظر اس گھر میں پڑی اور دیکھا کہ عیسائی کی لڑکی بہت حسین و جمیل ہے، وہ اس پر فریفتہ ہوگیا اور اذان دینے کے بجائے وہاں سے اتر کر اس کے گھر گیا، اس لڑکی نے پوچھا کہ کیا ہے؟ تو کہا کہ میں تجھے چاہتا ہوں، اس نے کہا کہ تُو تو مسلمان ہے اور میرا باپ کبھی تجھ سے میری شادی نہیں کرسکتا، تو اس نے کہا کہ میں نصرانی ہوتا ہوں۔ الغرض وہ نصرانی ہوگیا اور شادی ہوگئی اور اسی دن کسی کام سے اس عیسائی کے گھر کی چھت پر چڑھا تو پیر پھسلا اور گر کر اسی حالت کفر میں مر گیا۔

(التذكرة للقرطبي:۴۲/۱، العاقبة في ذكر الموت:۱۸۱، الكبائر للذهبي:۲۲۷، الجواب الكافي:۱۶۷)

الغرض معصیت و گناہ کبھی انسان کو کفر و بے ایمانی میں مبتلا کر دیتے ہیں اور اسی حال میں وہ دنیا سے چلا جاتا ہے اور جہنم رسید ہو جاتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا.

## بدگمانی کا موقعہ نہ دو

''بخاری شریف'' کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک مرتبہ مسجد میں رمضان کے آخر عشرے میں اعتکاف میں تھے، آپ کی بیوی حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے آئیں، کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد جانے لگیں، تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کو چھوڑنے مسجد کے دروازے تک آئے، تو دو انصاری

آدمی وہاں سے گزرے اور انھوں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو سلام کیا، تو آپ نے فرمایا: خبردار! یہ صفیہ ہے! (یعنی یہ گمان نہ کرو کہ کوئی دوسری عورت میرے پاس ہے؛ بل کہ یہ میری ہی بیوی صفیہ ہے۔) تو ان دونوں نے کہا کہ سبحان اللہ! یا رسول اللہ (یعنی ہم آپ کے بارے میں کیسے بدگمانی کر سکتے ہیں؟) اور ان پر یہ بات شاق گزری، تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے؛ اس لیے مجھے خوف ہوا کہ وہ کہیں تمھارے دل میں بدگمانی نہ پیدا کر دے۔

(البخاري: ۱۸۹۳، مسلم: ۴۰۴۱)

یاد رکھو! کہ جس طرح کسی کے بارے میں بدگمانی کرنا گناہ ہے، اسی طرح بدگمانی کا موقعہ فراہم کرنا بھی جائز نہیں؛ مگر آج لوگ صرف بدگمانی کرنے کو غلط سمجھتے ہیں، حال آں کہ بدگمانی کا موقعہ دینا اور زیادہ غلط بات ہے۔

## دو عظیم گناہوں کی وجہ سے قبر میں آگ

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اپنی تفسیر میں حضرت عمرو بن دینار رَحِمَہُ اللّٰہُ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ مدینے کے لوگوں میں سے ایک شخص کی بہن بیمار ہوئی، تو وہ اپنی بہن کی عیادت و تیمارداری کرتا رہا، پھر وہ مرگئی، تو اس کو دفن کر دیا اور قبر میں یہی شخص دفن کے موقعے پر اترا تھا، اس کے پاس جیب میں دینار کی ایک تھیلی تھی، وہ قبر میں گر گئی، تو بعض لوگوں کے تعاون سے قبر کھود کر دیکھا، تو قبر میں آگ دہک رہی ہے، یہ اپنی ماں کے پاس آیا اور پوچھا کہ میری بہن کا عمل کیسا تھا؟ ماں نے کہا کہ جب وہ مرچکی، تو اب عمل پوچھ کر کیا کرو گے؟ مگر جب اس نے اصرار کیا، تو ماں نے بتایا کہ تیری بہن ایک تو نماز کو تاخیر کر کے پڑھتی تھی اور دوسرے جب پڑوسی سو جاتے یعنی سونے کے لیے دروازہ بند کر دیتے، تو جا کر ان کے دروازہ پر

کان لگا کر ان کا تجسس کرتی اور ان کی پوشیدہ باتیں معلوم کرتی تھی۔ بھائی نے سن کر کہا کہ بس اسی نے اس کو ہلاک کیا ہے۔

(تفسير القرطبي:١٦/٣٣٤)

بڑی عبرت کا قصہ ہے! اللہ سب کی حفاظت کرے؛ مگر آج کتنے لوگ ایسے ہیں؟ جو دوسروں کا تجسس کرتے اور ان کی باتوں کو معلوم کرتے ہیں۔ ان سب باتوں سے بچنا چاہیے۔

## حسد کا دنیوی نقصان

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ نے ایک واقعہ عجیب لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک آدمی کو بڑا تقرب حاصل تھا، اس پر ایک دوسرے آدمی نے حسد کرنا شروع کر دیا اور ایک دن بادشاہ سے جا کر شکایت کی کہ یہ شخص جو آپ کا مقرب ہے، اس کا گمان ہے کہ بادشاہ ''گندہ دہنی'' (منہ کی بد بو) کے مرض میں مبتلا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ اس کو قریب بلائیں، تو وہ اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لے گا؛ تا کہ اس کی بد بو نہ سونگھ سکے۔ بادشاہ نے کہا: اچھا! ہم دیکھیں گے۔

یہ آدمی بادشاہ کے پاس سے نکل کر اس آدمی کے پاس گیا اور اپنے گھر کھانے پر بلایا اور کھانا کھلایا اور کھانے میں لہسن بھی رکھا جو بد بودار ہوتا ہے، یہ آدمی اس کی سازش سے بے خبر، وہاں سے نکلا اور اپنے ڈیوٹی پر بادشاہ کے پاس گیا۔ تو بادشاہ نے کہا: قریب آؤ! یہ شخص یہ خیال کر کے کہ کہیں لہسن کی بد بو سے بادشاہ کو تکلیف نہ ہو اپنے منہ پر ہاتھ رکھا، بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ اس کی شکایت جو اس آدمی نے کی ہے، وہ صحیح ہے۔ بادشاہ نے اپنے ایک گورنر کو اپنے ہاتھ سے خط لکھا کہ یہ خط لے کر آنے والے کو قتل کر دو اور خط کو سر بہ مہر کر کے اس کو دیا

اور کہا کہ گورنر کے پاس یہ خط لے جاؤ۔ جب یہ آدمی خط لے کر نکلا، تو وہ آدمی باہر نکلا، جس نے سازش کی تھی اور پوچھا کہ یہ کیا خط ہے؟ تو اس نے کہا کہ بادشاہ نے غالباً میرے لیے انعام کا پروانہ لکھا ہے، اس نے کہا کہ یہ تم مجھے دے دو، اس نے اس پر رحم کر کے دے دیا، جب وہ اس کو لے کر عامل کے پاس گیا، تو بادشاہ کے خط کے مطابق اس اس کو قتل کر دیا۔

(إحياء العلوم:۳/۱۸۸)

معلوم ہوا کہ حسد سے جہاں اخروی نقصان ہوتا ہے، وہیں دنیوی نقصان بھی ہوتا ہے۔

## چغل خوری کا نتیجہ

علامہ ذہبی رَحِمَہُ اللہُ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک جگہ ایک غلام بیچا جا رہا تھا اور بیچنے والا یہ ندا لگا رہا تھا کہ اس غلام میں کوئی عیب نہیں ہے، سوائے اس کے کہ یہ چغل خور ہے۔ ایک شخص نے یہ غلام خرید لیا اور اس عیب کو معمولی سمجھا۔ چند دنوں کے بعد اس غلام نے اس شخص کی بیوی سے کہا کہ کچھ خبر بھی ہے، کہ تمھارے میاں ایک اور عورت سے شادی رچانے والے ہیں اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتا، اگر تم چاہتی ہو کہ وہ تم سے محبت کرے؛ تو تم اس کے سونے کے وقت اس کی ڈاڑھی کے نیچے سے چند بال استرے سے کاٹ کر اپنے پاس رکھ لو، اس عورت نے سوچا کہ صحیح ہوگا اور اس غلام کی تدبیر پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا، اس غلام نے پھر اس کے آقا سے جا کر کہا کہ تمھاری بیوی نے اپنا دوست بنا رکھا ہے اور وہ تم کو ختم کرنے کی تدبیر کر رہی ہے؛ اگر تم کو میری بات کی تصدیق کرنا ہو، تو آج رات تم بستر پر یوں ہی لیٹ جاؤ اور سونے والوں کی طرح اپنے آپ کو ظاہر کرو؛

پھر دیکھو کہ کیا ہوتا ہے؟ ۔ جب رات ہوئی تو بیوی بال نکالنے کے لیے شوہر کی ٹھوڑی کی طرف استرہ لے کر بڑھی، ادھر شوہر جو کہ پہلے سے بیدار تھا فوراً اس کے ہاتھ پکڑ لیا ور غلام کی بات کو سچ سمجھ کر بیوی کو قتل کر دیا؛ پھر بیوی کے خاندان والوں نے شوہر کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

دیکھا کہ چغلی کا کیا نتیجہ ہے؟ اور کس طرح معاشرہ فاسد وخراب ہوا؟ اس لیے اس بیماری کو ختم کرنا ضروری ہے۔

# لطائف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# کتے کی قبر مزار بن گئی

عظیم بزرگ وصوفی، جن کی ولایت کو عوام وخواص سبھی تسلیم کرتے ہیں، میری مراد ''حضرت خواجہ گیسو دراز'' رحمۃ اللہ سے ہے۔ انھوں نے اپنے ملفوظات میں بیان کیا ہے کہ چار آدمی مسافر تھے اور ان کا پانچواں ساتھی کتا تھا، ایک جگہ پانی کے کنارے کتا مر گیا؛ تو انھوں نے کہا کہ یہ بیچارہ ہمارے ساتھ رہا تھا، ہم اس کو کہیں دفن کر دیں گے اور ایک علامت بنا دیں گے اور جب ہم واپس آئیں گے، تو ہم کو یہ یاد آجائے گا کہ یہی جگہ ہمارے اس کتے کی ہے، تو اُنھوں نے ایک مٹی کا ڈھیر لگا دیا اور روانہ ہوگئے۔ وہ ایک قبر کی صورت بن گئی۔ اتفاقاً وہاں ایک قافلہ پہنچا، آگے کے راستہ کا پر خطر ہونا انھوں نے سنا، وہاں انھوں نے یہ قبر کی صورت دیکھی، جس کے سرہانے ایک درخت بھی تھا، تو انھوں نے سوچا کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے، جن کو کنارۂ آب، درخت کے سائے میں دفن کیا گیا ہے۔ انھوں نے اس صاحبِ قبر کے لیے اپنے مال کا دسواں حصہ الگ کر دیا اور نذر مانی کہ اگر ہم سلامتی کے ساتھ گزر جائیں، تو ہماری منفعت کا دسواں حصہ اس شیخ بزرگ وار کے لیے لائیں گے۔ اتفاقاً چوروں کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا اور سوداگروں کے لیے راستہ کھل گیا اور وہ سلامتی سے گزر گئے اور پھر اس جگہ واپس آگئے، تو انھوں نے ایک گنبد، ایک خانقاہ اور ایک عمارت بنا دی۔ لوگوں میں شہرت ہوگئی اور وہاں ایک بستی آباد ہوگئی۔

اوراس بستی کا والی بھی مقرر ہو گیا۔

کچھ زمانہ گزرا اور وہ چار آدمی سفر کرتے ہوئے پھر اس کنارۂ آب پر پہنچے؛ تو وہاں ایک شہر کو آباد دیکھا کہ یہاں کوئی آبادی نہ تھی؛ مگر یہ شہر کہاں سے آ گیا؟ لوگوں سے سنا کہ یہاں ایک بزرگ دفن ہیں۔ تو وہ آئے دیکھا اور شبہے میں پڑ گئے، کہ کہیں یہ ہمارا وہی کتا نہ ہو؟ وہ درخت، وہ کنارۂ آب اور اس مقام کو تحقیق سے سمجھ لیا کہ بزرگ وار آدمی نہیں ہیں؛ بل کہ وہی کتا ہے۔ ان کی یہ بات شہر میں فاش ہو گئی، لوگوں نے کہا کہ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟۔ تو انھوں نے کہا کہ ہم کو ایک کدال دے دو۔ اگر کتے کی ہڈیاں نہ نکلیں، تو ہم کو مار ڈالو۔ چناں چہ کھودا گیا، تو کتے کی ہڈیاں بعینہٖ نکل آئیں۔ لوگوں نے یقین کر لیا، اپنا قصہ سنایا اور ان کو چھٹکارا مل گیا۔ بس خلق کے اعتقاد کا یہ حال ہے۔

(جوامع الکلم:۴۳۷)

## ڈاڑھی کے پیچھے کون پڑا ہے؟

ایک ”جنٹل مین“ ایک مولانا سے کہنے لگے کہ مولویوں کو کیا ہو گیا؟ کہ وہ ڈاڑھی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں! تو مولانا نے جواب دیا کہ ہم کہاں پڑے ہوئے ہیں، ڈاڑھی کے پیچھے تو آپ لوگ پڑے ہوئے ہیں، کہ ذرا سی بڑھی اور کاٹ دی، ذرا سی بڑھی پھر کاٹ دی اور ہم تو ڈاڑھی چھوڑے ہوئے ہیں۔

## ڈاڑھی رکھنا فطرت ہے

ایک صاحب حضرت مولانا سید اسماعیل شہید رَحِمَہُ اللّٰہُ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ڈاڑھی رکھنا فطرت کے خلاف ہے، کیوں کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے، تو

ڈاڑھی نہیں ہوتی۔ حضرت نے فرمایا: پھر تو آپ اپنے دانت بھی توڑ لیجیے؛ کیوں کہ وہ بھی فطرت کے خلاف ہیں؛ اس لیے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے، تو دانت بھی نہیں ہوتے، قریب میں مولانا عبدالحی صاحب بڈھانوی رحمہ اللہ بیٹھے ہوئے تھے، وہ کہنے لگے، واہ، کیا دنداں شکن جوب دیا؟!۔

## بھوک شریف-ایک لطیفہ

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمہ اللہ ایک سفر کے دوران ایک جگہ گئے، وہاں کسی بزرگ کا مزار تھا اور کچھ مجاورین رہتے تھے، تو وہاں کے لوگ ہر چیز میں شریف لگا رہے تھے، حضرت! لیجیے لوٹا شریف، یہ کیجیے وضو شریف، اِدھر ہے بیت الخلا شریف، سب جگہ شریف، شریف!۔

حضرت کو ہنسی بھی آ رہی تھی؛ لیکن ہنسی روک کر اپنا کام کرتے رہے، جب نماز وغیرہ سے فارغ ہو گئے، پھر ان بزرگ کے مزار پر جا کر وہاں فاتحہ پڑھی، اس کے بعد واپس آئے، تو ان لوگوں نے کہا کہ حضرت! کھانا شریف تیار ہے؛ اس لیے روٹی شریف کھا لیجیے، تو حضرت نے کہا کہ بھائی بھوک شریف نہیں ہے۔ تو بعض جگہ شریف، شریف کا استعمال بہت ہوتا ہے۔

## ایک ''نحوی عالم'' کا لطیفہ

''مظاہر علوم، سہارنپور'' میں ایک استاد بزرگ تھے اور وہ ''نحوی'' تھے، فنِ نحو میں ان کو بڑی مہارت تھی، وہ ہر بات میں ''نحو'' کو سامنے رکھ کر کلام کرتے تھے، جب ان کا انتقال ہوا، تو طلبہ آپس میں کہنے لگے کہ حضرت کے پاس فرشتے آئے ہوں گے، ''منکر نکیر'' اور انھوں نے حضرت سے پوچھا ہوگا: ''مَنْ رَبُّکَ'' (تیرا رب کون

ہے؟) تو انھوں نے جواب میں کہا ہوگا: ''مَنْ رَبُّکَ'' (وہ جو تیرا رب ہے۔)

یعنی فرشتوں کے سوال میں ''مَنْ'' ''استفہامیہ'' ہے اور جواب کے اندر ''مَنْ'' ''موصولہ'' ہے۔ تو بہ ظاہر سوال بھی وہی، جواب بھی وہی؛ مگر معنی بالکل الگ، زندگی میں ان کا جو مزاج و انداز تھا، اس کو سامنے رکھ کر طلبہ آپس میں یہ کہہ رہے تھے۔

## جاہل کے اجتہاد کا نتیجہ

ایک بات یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن میں ''احکام'' کی آیتیں ہیں۔ ان میں اجتہاد کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں؛ بل کہ اس کے لیے متعدد علوم پر مہارت کی ضرورت ہے۔ اس لیے قرآن پڑھ کر اس کے عام مضامین سے فائدہ تو اٹھائے؛ مگر خود ہی اپنی عقل سے ان میں اجتہاد نہ کرے۔ یہ کام فقہائے کرام کا ہے۔ اگر ہر آدمی اجتہاد کرے گا؛ تو نہ معلوم کس بات سے کیا نتیجہ نکالے گا اور کیا گڑ بڑ کر دے گا۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا کہ ایک گاؤں میں ایک شخص درخت پر چڑھ گیا؛ مگر چڑھنے کو تو چڑھ گیا، اترنا نہیں آتا تھا۔ بہت چیخا، چلایا، لوگ جمع ہو کر سوچنے لگے کہ کس طرح اس کو اتاریں؟ اتنے میں ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں اس کو اتاروں گا، تم رسی لے آؤ، لوگ رسی لے آئے، اس نے رسی کو درخت پر اس آدمی کی طرف پھینکا اور کہا کہ اس کو پکڑ کر اپنی کمر پر باندھ لو، یہ شخص نیچے سے زور سے جھٹکا دیا، وہ آدمی تو نیچے آ گیا؛ مگر اس کی روح اوپر چلی گئی یعنی بے چارہ مر گیا۔ اب لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ تو نے یہ کیا کیا؟ تو کیا جواب دیتا ہے کہ میں نے اس طرح سے کئی آدمیوں کو کنویں سے نکالا ہے۔ واہ! کیا اجتہاد ہے؟!! کہ کنویں کے مسئلے پر درخت کو قیاس کر لیا ہے۔ اس طرح ہر آدمی احکام کی آیت میں اجتہاد کرے گا؛ تو سوائے گڑبڑی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

## اصلاحِ نفس میں اعتدال ضروری؛ ورنہ...!

نفس پر ایک دم کنٹرول نہیں کرنا چاہیے؛ بل کہ اس کو شیخ کی رائے سے روک تھام کرنا چاہیے؛ ورنہ نتائج اچھے نہیں نکلتے۔ اس پر ایک لطیفہ یاد آ گیا، ایک آدمی کے پاس ایک گھوڑا تھا۔ اس کا مالک جب اس کو سفر میں لے کر نکلتا، تو اس کی ایک بری عادت یہ تھی کہ لید کرنے کے بعد، گھوم کر اس کی بدبو سونگھتا اور پھر آگے بڑھتا، یہ شخص اس کی اس حرکت سے بہت تنگ تھا، ایک دن اس آدمی کو کسی سفر پر جانا تھا، اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر سفر پر نکلا، راستے میں اس گھوڑے نے اپنی وہی حرکت شروع کردی، مالک کو بڑی پریشانی ہونے لگی، لمبا سفر تھا، اس طرح یہ کرے گا؛ تو پریشانی ہوگی، چلتے چلتے راستے میں ایک اور گھوڑسوار سے ملاقات ہوگئی، دونوں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، ایک جگہ اس گھوڑے نے وہی پرانی حرکت کی، تو دوسرے گھوڑے والے نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے تمھارے گھوڑے کا؟ کہا کہ میرے گھوڑے میں یہ عادت پیدا ہوگئی ہے، جس سے میں بہت پریشان ہوں۔

اس نے کہا کہ اس گھوڑے کا علاج میں کرتا ہوں، آپ میرے گھوڑے پر سوار ہوجائیے اور اپنا گھوڑا مجھے دے دیجیے، چناں چہ ادل بدل کر کے سفر شروع کردیا، جب وہ دوبارہ راستے میں لید کر کے اپنی پرانی حرکت کرنے لگا، تو اس آدمی نے گھوڑے کی اس قدر پٹائی کی کہ گھوڑے کو بھی عقل آ گئی، ایک ہی دفعہ کی پٹائی میں ٹھیک ہوگیا، بہت دور سفر کرنے کے بعد دونوں کی راہ الگ ہو رہی تھی، پھر دونوں نے اپنا اپنا گھوڑا بدل لیا اور اس دوسرے شخص نے کہا کہ بھائی! اب تمھارا گھوڑا ٹھیک ہوگیا، لے کر جاؤ! یہ کہہ کر وہ آدمی چلا گیا، دونوں کا راستہ الگ ہوگیا اور کچھ دیر گزر گئی، جب اس گھوڑے کو خوب یقین ہوگیا کہ وہ دوسرا گھوڑسوار ہم سے دور چلا، تو وہ

گھوڑا وہاں سے مڑا اور پورا راستہ جہاں جہاں لید کیا تھا، وہاں وہاں واپس جا کر ہر جگہ سونگھ آیا۔

اس میں عبرت ہے کہ نفس کو کنٹرول کرنے کے لیے اعتدال کی ضرورت ہے، اگر ایک دم سیدھا کر دیا جائے؛ تو فی الوقت تو وہ سدھر جائے گا؛ مگر جب دوبارہ لوٹے گا، تو ایسا لوٹے گا کہ کفر کی طرف بھی جا سکتا ہے، اللہ حفاظت فرمائے!۔

تمت